

# مقالات عثمانی

شیخ الاسلام حضرت مولانا طفر احمد عثمانی نور اللہ مرقدہ  
کے چند علمی، دینی، اصلاحی اور سیاسی مقالات و بیانات  
کا حسین اور نادر مجموعہ

جلد دوم

مرتب  
مولانا شفیع اللہ صاحب  
جامعہ دارالعلوم کراچی

بیت العلوم

۲۰- نایبہ روڈ پرائیویٹ لٹریچر ہاؤس، فون: ۷۵۲۲۸۳



# مقالات عثمانی

جلد دوم



# مقالات عثمانی

جلد دوم

مولانا طفر احمد عثمانی قدس سرہ

مرتب  
مولانا شفیع اللہ صاحب  
جامعہ دارالعلوم کراچی

مبیش العلوم

۲۰۔ نا بھہ روڈ، پُرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۳۵۲۳۸۳



﴿جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں﴾

کتاب مقالات عثمانی (جلد دوم)  
 مؤلف حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ  
 مرتب مولانا شفیع اللہ صاحب  
 باہتمام محمد ناظم اشرف  
 ناشر بیت العلوم - ۲۰ ناٹھ روڈ، چوک پرانی انارکلی، لاہور  
 فون: ۷۳۵۲۳۸۳

﴿ملنے کے پتے﴾

بیت العلوم = ۲۰ ناٹھ روڈ، پرانی انارکلی، لاہور  
 ادارہ اسلامیات = ۱۹۰ انارکلی، لاہور  
 ادارہ اسلامیات = موہن روڈ چوک اردو بازار، کراچی  
 دارالاشاعت = اردو بازار کراچی نمبر ۱  
 بیت القرآن = اردو بازار کراچی نمبر ۱  
 بیت الکتب = مکملشن اقبال، کراچی  
 ادارۃ المعارف = ڈاک خانہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر ۱۴  
 مکتبہ دارالعلوم = جامعہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر ۱۴  
 ادارۃ القرآن = اردو بازار کراچی  
 مکتبہ سید احمد شہید = الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

## ﴿عرض مرتب﴾

اللہ تعالیٰ نے ہمارے حضرت اقدس مفتی محمود اشرف عثمانی زید مجدہم کو جہاں اور نمایاں خصوصیات سے نوازا ایک خاص بات ان میں یہ بھی ہے کہ انہیں بزرگوں کی تصانیف سے گویا عشق ہے، وہ اکابر کی تحریرات سے نہ صرف محفوظ ہوتے ہیں۔ بلکہ اکابر علماء کی تحریرات کو محفوظ رکھنے کے دلی خواہشمند ہیں۔

اسی وجہ سے وہ اکابر کی نایاب تحریر کو تلاش کر کے چھپواتے رہتے ہیں۔ چند سال پہلے اسی سلسلے میں احقر کے ذمہ کام لگایا کہ میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی نایاب تالیفات کو جمع کر دوں۔ حضرت کی دعا و توجہ ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے آج حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ کے قریباً تمام مضامین و کتابیں جو اکثر و بیشتر مختلف رسائل کی فائلوں میں دفن تھے حاصل کر لئے گئے، ہندو پاک میں جہاں جہاں سے حضرت والا رحمہ اللہ کے مضامین ملنے کی امید تھی خطوط لکھے بعض علاقوں کا سفر کیا۔ اس طرح نادر و نایاب مضامین یکجا ہو گئے جن میں سے چند کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور انہیں علماء نے قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے۔

اب یہ مختلف مضامین و رسائل کا مجموعہ و مقالات عثمانی (جلد ثانی) کے نام سے شائع ہو رہا ہے۔ مگر اب یہ ادارہ

اسلامیات کی بجائے بیت العلوم لاہور سے شائع ہو رہا ہے۔ کیونکہ بیت العلوم کے مالک مولانا محمد ناظم اشرف صاحب مدظلہ نے اس سے پہلے مقالات عثمانی کے نام سے ایک مجموعہ شائع کیا ہے۔

احقر نے جب ان مضامین و رسائل کا مجموعہ حضرت مولانا مفتی محمد اشرف صاحب عثمانی مدظلہم کی خدمت میں پیش کیا تو حضرت والا نے فرمایا۔ چونکہ پہلا مجموعہ مولوی ناظم اشرف نے شائع کیا ہے یہ بھی ان کو دیدو تا کہ ایک جگہ سے چھپ جائے۔ اس طرح یہ مجموعہ بیت العلوم لاہور سے شائع ہو رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس کوشش کو قبول فرمائے اور ان کتابوں و رسالوں کو صدقہ جاریہ

بنائے۔ آمین۔

شفیع اللہ عفا اللہ عنہ

جامعہ دارالعلوم کراچی کورنگی

۱۱-۸-۱۳۲۵ھ



## ﴿فہرست مقالات﴾

۱۔	طریقہ تعلیم قرآن
۲۔	پاکستان اور قرآن
۳۔	اعجاز القرآن
۴۔	ذلت یہود
۵۔	تقلید کے بارے میں ایک گفتگو
۶۔	منکرین حدیث خارجی ہیں
۷۔	منکرین حدیث کے رد میں
۸۔	حوالہ بشریہ اور تعلیم نبوت
۹۔	الارشاد فی مسئلۃ الاستمداد مع ضمیمہ
۱۰۔	دعوت عامہ

۱۱۔	راہ اعتدال
۱۲۔	مسائل ضروریہ رمضان وعیدین و صدقۃ الفطر
۱۳۔	مسلمانوں کے زوال کے اسباب
۱۴۔	مذاکرہ
۱۵۔	انکشاف الحقیقہ عن استخلاف الطریقہ
۱۶۔	القول الماضی فی نصب القاضی
۱۷۔	ذکر محمود
۱۸۔	شعروادب
۱۹۔	جتنا علم قرآن میں ہے

## فہرست

۱۷	طریقہ تعلیم القرآن	۳۸	آسمانی آفتیں
۱۸	تشکر و امتنان - تمہید	۳۹	سورت کی تفسیر
۱۹	تعلیم قرآن کے درجات	۵۰	(تفسیر پہلی آیت) قرآن کریم سب سے بڑی خیر ہے
۱۹	قاعدہ کی تعلیم	۵۲	قرآن مجید کے ساتھ روحانیت زندہ ہے
۱۹	قاعدہ شروع کرانے کا طریقہ	۵۳	قرآن کریم کی طرف سب کو توجہ کرنی چاہیے
۲۰	قاعدہ پڑھانے کے اصول	۵۶	تفسیر رسول کے خلاف قرآن کی غی تفسیر مقبول نہیں
۲۳	صحیح مخارج	۵۶	(تفسیر دوسری آیت) نماز
۲۵	ناک میں پڑھنے سے احتراز	۵۸	حکومت پاکستان کو عوام سے شکایت اور اس کے ازالہ کی صورت
۲۵	ناظرہ قرآن پڑھانے کا طریقہ	۵۸	تفسیر تیسری آیت (زکوٰۃ و قربانی)
۲۷	حفظ قرآن کے اصول	۵۹	ایک شبہ کا ازالہ
۲۹	مطالب قرآن پڑھانے کا طریقہ	۶۱	پہلے سوال کا جواب اور خلاصہ
۳۰	قرآن کیا چیز ہے؟	۶۱	دوسرے سوال کا جواب اور اسلام و کمیونزم
۳۰	قرآن کو قرآن کیوں کہتے ہیں؟	۶۲	آخر میں ایک بات پر تنبیہ
۳۲	رہ حانیت اور قرآن	۶۷	﴿اعجاز القرآن﴾
۳۳	قرآن	۷۵	﴿ذلت یہود اور عربوں کی حالیہ شکست﴾
۳۴	خلاصہ تعلیم قرآن	۸۳	مجاہد کے دن اور رات
۳۶	نتیجہ تعلیم قرآن	۸۷	﴿تلمیذ کے بارے میں ایک گفتگو﴾
۳۸	قرآن مجید غیر مسلم لوگوں کی نگاہ میں	۹۵	﴿منکرین حدیث خارجی ہیں﴾
	﴿پاکستان اور قرآن﴾	۱۰۳	﴿خطیب بغدادی اور منکرین حدیث﴾
۴۶	تمہید	۱۰۸	عقود الجمان
۴۶	چند ذہنی سوالات و شبہات		
۴۸	پاکستان سے قبل مسلمانوں کی حالت		
۴۸	پاکستان کی موجودہ حالت		



۱۵۰	طلوع اسلام کی دیانت
۱۵۱	طلوع اسلام اور عقیدہ خلق قرآن
۱۵۲	خزاز و رزاز
۱۵۸	ف، عقیدہ خلق قرآن کی تحقیق
۱۵۹	خالد قسری کا بعد کوذبح کرنا غلط ہے
۱۶۱	محمد بن جبویہ ہمدانی نحاس
۱۶۱	حافظ ابن ابی العوام کی روایت
۱۶۳	ابن ابی العوام حافظ حدیث شامرو نسائی میں
۱۶۳	طلوع اسلام کی تاریخ وانی
۱۶۵	طلوع اسلام کی غلط بیانی
۱۶۷	امام ابو حنیفہ کی شان میں امام مالک سے جرح ثابت نہیں
۱۶۸	امام مالک بڑے درجہ کے اہل المرائے ہیں
۱۷۰	امام ابو زاعلی
۱۷۱	سفیان ثوری
۱۷۲	طلوع اسلام کی بیان کردہ ایک اور غلط روایت
۱۷۳	سند کا حال
۱۷۴	طلوع اسلام کی اور تاہم اقصیت
۱۷۴	طلوع اسلام کی جانب سے نیا افسانہ
۱۷۵	جاہلیت کی باتیں
۱۷۶	روایت کی کیفیت
۱۷۶	غیاث بن مینہ

۱۰۸	مسند الامام
۱۰۸	ابن مقدہ
۱۱۲	ابن دہمالہ ابارہ ابن سلمہ ابو ہریرہ وری
۱۱۲	حدیث الثقلین
۱۱۳	حدیث البیضان باخیار مالم یطرقا
۱۱۴	حدیث لافارس سہان وللمرجل سہم
۱۱۵	حدیث اشعار الہدی
۱۱۶	حدیث اقرا ع بین النساء عند السفر
۱۱۶	حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم میں امام صاحب کے اقوال
۱۲۰	علی بن احمد بزاز
۱۲۰	عبد اللہ بن احمد
۱۲۰	احمد بن عبد اللہ اصہبانی
۱۲۱	علی بن حماد
۱۲۱	مولیٰ بن اسماعیل
۱۲۱	نہاد بن سلمہ
۱۲۲	طلوع اسلام کا اتہام
۱۲۳	اسحاق فزازی
۱۲۵	حسن بن علی طلوانی
۱۲۵	ابو صالح فراب
۱۲۶	علی بن حاتم
۱۲۸	حدیث رشتہ راس الیہودی بین حجرین
۱۳۴	حمیدی اور نعیم بن حماد
۱۳۶	باغندی کی روایت
۱۳۸	تاریخ میں دروغ بیانی

۱۹۳	طلوع اسلام میں سفیان ثوری کی طرف ایک قول کی غلط نسبت	۱۷۷	ایک واقعہ
۱۹۴	''طلوع اسلام'' کی ہمارے تاریخ خطیب کی لغویات پر قائم ہے	۱۷۸	دوسرے واقعہ
۱۹۵	احمد بن الصلت پر خطیب کی جرح مبہل ہے	۱۷۹	تیسرا واقعہ
۱۹۵	عبداللہ بن جزائری کا سن وفات	۱۷۹	چوتھا واقعہ
۱۹۶	آج تک پوری امت اسلامیہ امام ابو حنیفہ کو امام اعظم کے لقب سے یاد کرتی آئی ہے	۱۸۰	موالی کا علم
۱۹۷	خوابوں کے سہارے	۱۸۱	ادارہ طلوع اسلام کے نامہ نگاروں کا یہودی پروپیگنڈے سے متاثر ہونا اور اس پر ایک ضروری تنبیہ
۱۹۸	امام ابو حنیفہ کی مقبولیت کے متعلق چند خواب	۱۸۲	قرآن کریم کی حفاظت کا مطلب
۱۹۹	حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی کا اپنا خواب	۱۸۳	احادیث صحیحہ کے رد کرنے سے قرآن مجید کو رو کرنا لازم آتا ہے
۲۰۰	طلوع اسلام کی ایک اور غلط بیانی	۱۸۴	منکرین حدیث سے ایک سوال
۲۰۰	سرخ کذب بیانی	۱۸۴	طلوع اسلام کی ایک اور غلطی
۲۰۱	ایک اور دروغ	۱۸۵	اس روایت کے غلط ہونے کا ثبوت
۲۰۱	امام احمد بن حنبل امام ابو یوسف کی تعریف کرتے ہیں	۱۸۶	یہ روایت سند اور روایت پر ہر دو لحاظ سے غلط ہے
۲۰۱	تاریخ خطیب کی ۱۰ اقسام کی طرف غلط نسبت	۱۸۷	طلوع اسلام کا ایک اور افتراء
۲۰۲	طلوع اسلام کا دروغ بے فروغ	۱۸۷	اس روایت کے غلط ہونے کے دلائل
۲۰۳	الامام محمد بن الحسن الشیبانی	۱۸۸	طلوع اسلام کا امام ابو حنیفہ پر افتراء
۲۰۳	تانیہ	۱۸۹	امام ابو حنیفہ کی مجلس فتنہ
		۱۸۹	خطیب بغدادی کی شہادت
		۱۹۰	امام ابو حنیفہ کشت سے احادیث روایت کرتے تھے
		۱۹۰	عبداللہ بن نمیر اور طلوع اسلام کی غلط بیانی

۲۱۸	امام ابو حنیفہ جس طرح فقہ کے امام اعظم ہیں اسی طرح علم حدیث کے بھی بڑے امام اور مجتہد ہیں	۲۰۴	امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم الانصاری
۲۱۹	تاریخ خطیب بغدادی کی مبہمل روایات کی حقیقت	۲۰۵	امام ابو یوسف کا حافظہ
۲۲۰	طلوع اسلام کے غلط دعاوی	۲۰۵	اسلام میں سب سے پہلے قاضی القضاۃ
۲۲۱	طلوع اسلام کا یہ دعوی غلط ہے کہ حنفیہ کے نزدیک صرف متواتر حدیث قابل قبول ہے	۲۰۶	ابن مدی کا قول
۲۲۲	طلوع اسلام کے دعوی کی تردید اور اخبار آحاد کے قبول کرنے کی شرائط	۲۰۶	آئمہ شیعہ کی تعریف میں امام احمد بن حنبل کا قول
۲۲۶	طلوع اسلام کا دعوی جہالت پر مبنی ہے	۲۰۷	لطیفہ
۲۲۶	ایک غلط فہمی کا ازالہ	۲۰۸	امام الامتہ امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت
۲۲۷	حنفیہ پر ایک افتراء	۲۰۸	امام صاحب کا تابعی ہونا
۲۲۷	طلوع اسلام کی ایک اور جہالت	۲۰۹	امام صاحب کا علوم مرتبہ
۲۲۷	طلوع اسلام کی ملیست	۲۰۹	دنیا کا سب سے بڑا عالم
۲۲۹	حدیث رسول اللہ ﷺ میں جو کچھ ہے وہ قرآن ہی کا بیان ہے اور اسی کی تشریح ہے	۲۱۰	امام ابو حنیفہ کی تعریف میں اکابر دین کی شہادتیں
۲۲۹	مدیر طلوع اسلام کو چیلنج	۲۱۱	امام ابو حنیفہ کا حافظہ حدیث ہونا مسلم ہے اور اس بارے میں چند شہادتیں
۲۳۱	کوئی بوج خبیثہ	۲۱۳	ایک واقعہ
۲۳۱	قرآن کریم کے ارشادات کو نبی اکرم ﷺ کے برابر کوئی نہیں سمجھ سکتا	۲۱۴	امام ابو حنیفہ کے علوم مرتبہ پر دیگر شہادتیں
۲۳۳	طلوع اسلام کی ایک اور جہالت	۲۱۷	امام ابو حنیفہ کے بارے میں خطیب بغدادی کے استاد کی شہادت
۲۳۹	حوائج بشریہ اور تعلیم نبوت	۲۱۷	امام ابو حنیفہ کا مذہب شخصی نہیں بلکہ شوری ہے



۲۲۸	حوائج ضروریہ اور تعلیم نبوت (نکاح)
۲۵۹	تعلیم نبوت (عزت و جاہ)
۲۷۵	الارشاد فی مسئلۃ الاستمداۃ
۲۷۵	سوال
۲۷۹	جواب
۳۰۹	ضمیمہ رسالہ الارشاد فی مسئلۃ الاستمداۃ
۳۰۹	سوال - جواب
۳۰۹	سوال
۳۱۰	الجواب
۳۱۰	سوال
۳۱۲	الجواب
۳۱۷	سوال - جواب
۳۱۸	سوال - جواب
۳۱۹	سوال - جواب
۳۲۰	سوال
۳۲۱	الجواب
۳۲۲	سوال
۳۲۳	جواب
۳۲۵	سوال
۳۲۶	جواب
	• نبوت عامہ •
۳۲۸	سوال
۳۳۱	جواب
	• راہ اعتدال •
۳۳۱	پوتے کا حق وراثت
۳۳۲	• مسائل ضروریہ رمضان و عید و صدقۃ الفطر •
۳۳۴	روزہ
۳۳۸	افطار
۳۳۹	تراویح
۳۵۰	سحور (یعنی تحری)
۳۵۰	امتکاف
۳۵۱	صدقہ فطر
۳۵۲	عید
۳۵۷	• مسلمانوں کے زوال کے اسباب •
	• مذاکرہ •
۳۷۷	سوالات
۳۸۰	در حدیث دیگرال
۳۸۳	• رسالہ انکشاف الحقیقہ عن اختلاف الطریقہ •
۳۸۹	فائدہ
۳۹۰	فائدہ
۳۹۳	مکتوب اول صفحہ ۳۵۶ مکتوبات قدوسیہ
۳۹۵	مکتوب دوم صفحہ ۳۵۶ مکتوبات قدوسیہ
۳۹۷	مکتوب سوم جزو مکتوب ص ۳۵۹ از مکتوبات قدوسیہ

۳۹۸	مکتوب چیدم س ۳۵۸ مکتوبات	۳۹۸	(ذکر نمبر ۱۹) توضیح
	قدوسیہ	۳۹۸	(ذکر نمبر ۲۰)
	۵ القول المأخوذ فی نصب القاضي ۵	۳۹۸	(ذکر نمبر ۲۱)
۴۰۵	سوال	۳۹۸	(ذکر نمبر ۲۲)
۴۰۶	جواب	۳۹۹	(ذکر نمبر ۲۳)
۴۱۷	۵ ضخیمہ ذکر محمود ۵	۳۹۹	(ذکر نمبر ۲۴)
۴۱۸	(ذکر نمبر ۱) سادگی	۴۰۰	(ذکر نمبر ۲۵)
۴۱۹	(ذکر نمبر ۲) ۵۰۰ ہوت ۵ ظرافت ۵	۴۲۲	از ترجیح اراج بابت ۳۹۵ فصل بست وصوم تنقید و بعض نکایات مندرجہ ذکر محمود
۴۲۰	(ذکر نمبر ۳) المال سلوۃ	۴۲۲	خاص سوال
۴۲۱	(ذکر نمبر ۴) چھوٹوں پر شفقت	۴۲۲	الجواب
۴۲۲	(ذکر نمبر ۵) مزاج	۴۲۵	صحیح واقعہ مندرجہ پرچہ انور بابت جمادی الاخریٰ ۳۹۵
۴۲۲	(ذکر نمبر ۶) قوت نسبت	۴۲۵	از سید حامد شاہ صاحب محلہ زینہ غنائت خان ریاست رامپور
۴۲۳	(ذکر نمبر ۷) اتفاق محبوب		۵ قسمۃ الشعر و الادب ۵
۴۲۳	(ذکر نمبر ۸) ہر کس و ناس کا خیال	۴۲۱	رثاء حکیم الامت
۴۲۴	(ذکر نمبر ۹) سوز و درد	۴۲۳	نذاہت الحزین
۴۲۴	(ذکر نمبر ۱۰) حب شیخ	۴۲۵	طریق الاستقلال
	(ذکر نمبر ۱۱)	۴۲۵	رثاء آخر الامم
	(ذکر نمبر ۱۲)	۴۲۶	جہاد فلسطین
۴۲۵	(ذکر نمبر ۱۳) اجازت و خلافت	۴۲۶	۵ جتنا تم قرآن میں ہے ۵
۴۲۶	(ذکر نمبر ۱۴)	۴۲۶	اس سے زیادہ علم اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو اور دیا تھا
۴۲۶	(ذکر نمبر ۱۵) فغانی الشیخ	۴۲۷	
۴۲۶	(ذکر نمبر ۱۶) عبر و شکر	۴۲۷	
۴۲۷	(ذکر نمبر ۱۷)		
۴۲۷	(ذکر نمبر ۱۸)		

طريقة تعليم قرآن





## ﴿طریقہ تعلیم القرآن﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿الرَّحْمٰنُ﴾ ۰ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ۰ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۰ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۰  
 الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۰ وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ ۰  
 وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ ۰ اَلَّا تَطْغَوْا فِی الْمِيزَانِ ۰  
 وَاقِیْمُوا الْوِزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ ۰ وَالْاَرْضَ  
 وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ۰ فِیْهَا فَاكِهَةٌ وَالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ۰  
 وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّیْحَانُ ۰ فَبِاٰی الْاَیِّ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۰  
 وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ الْاَتْمَانُ الْاَكْمَلَانِ ۰ عَلٰی صِفْوَةِ اللّٰهِ مِنْ  
 خَلْقِهِ سَیِّدِ الْاِنْسِ وَالْجَانِّ ۰ سَیِّدِنَا وَحَبِیْبِنَا وَنَبِیِّنَا مُحَمَّدُنْ  
 الْعَرَبِیِّ الْهَاشِمِیِّ الْمَبْعُوْثُ مِنْ بَنِیْ عَدْنَانَ ۰ وَعَلٰی اِلٰهِ  
 وَاَصْحَابِهِ وَاَهْلِ بَيْتِهِ وَذُرِّیَّتِهِ وَالتَّابِعِیْنَ لَهُمْ بِاِحْسَانٍ ۰  
 رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنَّا وَعَنْهُمْ وَعَنْ كُلِّ مَنْ اتَّبَعَ الْهُدٰی  
 بِاِحْسَانٍ ۰

”رحمن ہی نے قرآن کی تعلیم دی۔ انسان کو پیدا کیا۔ اس کو صاف  
 صاف بولنا سکھایا۔ آفتاب و ماہتاب حساب مقررہ سے چل رہے  
 ہیں۔ نیل و ارتنا در درخت جھکے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان  
 کو رفعت دی اور ایک میزان مقرر کی اور یہ حکم دیا کہ میزان میں ظلم

نہ کرو۔ انصاف کے ساتھ وزن و درست رکھو اس میں کمی نہ کرو۔  
 زمین کو مخلوق کیلئے پست کر دیا۔ اس میں میوے ہیں اور کھجوریں  
 عاف دار اور بیج والی غذا جس میں کوئی بھوسہ کے ساتھ ہے۔ کوئی  
 بغیر بھوسہ کے اب تم بتاؤ کہ اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کا انکار  
 کرو گے؟ اور درود و سلام کامل و تمام تر اس ذات ستودہ صفات پر  
 جو تمام مخلوق میں اللہ کا برگزیدہ جن و انسان کا سردار ہے۔ یعنی  
 ہمارے آقا ہمارے محبوب ہمارے نبی سیدنا محمد عربی ہاشمی پر جو قبیلہ  
 عدنان سے مبعوث ہوئے اور آپ کی آل و اصحاب و اہل بیت اور  
 اولاد پر اور ان لوگوں پر جنہوں نے اخلاص کے ساتھ ان کا اتباع  
 کیا اللہ تعالیٰ ہم سے اور ان سے اور ہر اس شخص سے راضی ہو جس  
 نے ایمان کے ساتھ ہدایت کی پیروی کی۔“

اَمَّا بَعْدُ .

محترم حاضرین جلسہ!

## تشکر و امتنان

میں آپ کا تہ دل سے شکر ادا کرتا ہوں کہ آپ نے مجھ ناچیز کو اپنے اس مہتم  
 بالشان جلسہ میں مدعو فرمایا اور تعلیم قرآن کریم کے متبرک اور مقدس عنوان پر تقریر کرنے  
 کے لئے مجھے منتخب کیا چونکہ وقت زیادہ نہیں اس لئے مختصر طور پر مکرر شکریہ ادا کرتے ہوئے  
 اصل مقصد کو شروع کرتا ہوں۔

## تمہید

مجھے اس وقت قرآن کی تعلیم پر تقریر کرنا ہے جس کی دو جزو ہیں۔ قرآن اور اس  
 کی تعلیم تقاضائے عقلی تو یہ تھا کہ میں اول قرآن کے متعلق کچھ بیان کرتا پھر تعلیم کے  
 متعلق، کیونکہ کسی کتاب کی تعلیم اور اس کے طریقہ تعلیم پر روشنی ڈالنا اسی وقت مفید ہے

جب اول خود اس کی حقیقت عظمت اور غایت سے سامعین کو مطلع کر دیا جائے۔ مگر چونکہ یہ جلسہ ایجوکیشنل بورڈ کے زیر اہتمام ہو رہا ہے۔ جس کا مقصود غالباً طریقہ تعلیم قرآن پر تقریر کرنا ہے۔ اس لئے میں اول طریقہ تعلیم ہی پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ اگر وقت نے موقع دیا تو ان شاء اللہ تعالیٰ نفس قرآن پر بھی کچھ عرض کرونگا۔

## تعلیم قرآن کے درجات

معزز حضرات! تعلیم قرآن کے تین درجے ہیں جن سے آپ بخوبی واقف ہوں گے (۱) قاعدہ پڑھانا (۲) قرآن ناظرہ کرانا (۳) قرآن حفظ کرانا۔

## قاعدہ کی تعلیم

قاعدہ کی تعلیم کو بنیاد اور اساس کہنا چاہیے۔ جو معلم قاعدہ اچھی طرح پڑھا سکتا ہے اور قاعدہ ہی میں بچوں کو صحیح روان پڑھنے پر قادر اور تیز کر دیتا ہے وہ یقیناً کامیاب مدرس ہے۔

طریقہ تعلیم ایسا ہونا چاہیے کہ بچوں کی نازک طبیعت پر ذرا بوجھ نہ پڑے اور ان کی استعداد روز بروز بڑھتی جائے، ان کے شوق میں اضافہ ہو علم میں ایسی لذت آنے لگے کہ گھر سے زیادہ اسکول اور مدرسہ میں ان کا دل لگے۔

مدرس کو خوش خلق، بردبار، متحمل، قانع صابر و شاکر ہونا چاہیے۔ خود غرض، لالچی، تند خو، ترش رو نہ ہو اس صورت میں نازک بدن، نازک مزاج، ناز پروردہ، لاڈلے بچوں کو مار پیٹ اور خفگی کا سماں دیکھنے کی نوبت نہ آئے گی۔

## قاعدہ شروع کرانے کا طریقہ

سب سے پہلے اسکول منیجر اور اسکول ماسٹر کو قاعدہ عربی کا انتخاب کرنا چاہیے۔ کیونکہ بعض پرانے قاعدے آجکل کی طبائع کے مناسب نہیں ہیں اس سے ترقی استعداد میں دیر لگتی ہے میرے تجربہ میں قاعدہ تعلیم القرآن اور نورانی قاعدہ بہت زیادہ مفید ثابت ہوئے تجربہ ہو چکا ہے کہ نورانی قاعدہ ہدایات کے موافق پڑھایا جائے تو چھ سال کے بچے

چار پانچ مہینوں میں ناظرہ قرآن ختم کر لیتے ہیں۔

## قاعدہ پڑھانے کے اصول

قاعدہ پڑھانے میں مدرس کو چند باتوں کا لحاظ کرنا اشد ضروری ہے۔

(۱) یہ کہ قاعدہ پڑھنے والے بچوں کی جماعت بندی کا اہتمام کیا جائے سب بچوں کو الگ الگ قاعدہ کا سبق دینا سخت دشوار ہے۔ اور بچوں کو حرف شناسی میں دقت کا سامنا ہوتا ہے۔

(۲) محبت و پیار کے ساتھ بچوں کو پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ پڑھاؤ اور تاکید کرو کہ ہر کام بسم اللہ الخ سے شروع کرے۔ اس کے بعد شہادت کی انگلی ایک ایک حرف پر رکھوا کر تھوڑا تھوڑا سبق پڑھاؤ اور عربی حروف کے عربی نام یاد کراؤ۔ مثلاً۔ با۔ تا۔ ثا۔ جیم۔ حا۔ خا۔ را۔ زا۔ طا۔ ظا۔ فا۔ وغیرہ۔ بے۔ تے۔ ثے۔ حے۔ خے۔ رے۔ زے۔ نہ کہو کیونکہ یہ نام فارسی ہیں نہ کہ عربی۔

(۳) جب بچہ الف۔ با کی پہلی تختی ختم کر لے جب تک اس کو پوری طرح حروف کی پہچان اور شناخت نہ ہو جائے ہر گز آگے سبق نہ دو۔

(۴) حروف مفردہ کی شناخت میں نقطوں کی پہچان کو بہت بڑا دخل ہے کیونکہ ب۔ ت۔ ث۔ تینوں کی ایک ہی شکل ہے۔ اسی طرح ج۔ ح۔ خ۔ د۔ ذ۔ ر۔ ز۔ س۔ ش۔ ص۔ ض۔ ط۔ ظ۔ ع۔ غ وغیرہ میں نقطوں ہی کے ذریعہ امتیاز ہوتا ہے۔ اس لئے مدرس کو لازم ہے کہ قاعدہ پڑھانے کے وقت تختہ سیاہ اور چاک اپنے پاس رکھے اور ب کی شکل بغیر نقطہ کے بنا کر اس کو کبھی ب بنائے کبھی ت کبھی ث اور کبھی بچوں سے کہے کہ اس شکل کو ب بناؤ پھر ت بناؤ پھر ث بناؤ اس طرح نقطہ لگا کر ح کو جیم اور خا بناؤ اور بچوں سے اس کا نام دریافت کر کے ان کو ہر حرف کی شناخت اچھی طرح کراؤ۔

علیٰ ہذا القیاس ب اور ی کی کو نقطوں سے خالی بنا کر بچوں سے سوال کرو۔ کہ یہ کیا ہے؟ اگر کوئی جواب دے کہ یہ تو کچھ بھی نہیں۔ اس کو شاباش دو اور پوچھو کہ اگر ہم



اس کو با اور نوں اور یا بنانا چاہیں تو کیا کریں! تو وہ کہے گا کہ اس کے نیچے ایک نقطہ رکھو۔ اور اس کے نیچے دو اور اس کے نیچے میں ایک، اگر کوئی بچہ بدون نقطہ کے (ب) کی شکل کو با اور نوں کی شکل نوں اور کی شکل کو یا کہے اس کو سمجھاؤ کہ اس کے نیچے ایک نقطہ یا دو نقطہ یا نیچے میں نقطہ کہاں ہے۔ جو تم نے با اور نوں اور یا کہہ دیا۔

(۵) بچوں کی فطرت ہے کہ وہ الف سے لے کر یا تک تمام حروف زبانی یاد کر لیتے ہیں اس لئے اگر آپ شروع سے ایک ایک حرف کو پوچھیں گے تو وہ بے تکلف ہر حرف کا نام بیان کرتے چلے جائیں گے جس سے بظاہر آپ یہ سمجھیں گے کہ ان کو حروف کی پہچان ہو گئی حالانکہ حقیقت اس کے خلاف ہوگی جس کا تجربہ اس سے ہو سکتا ہے کہ آپ الٹی طرف سے ایک ایک حرف پوچھیں تو وہ ان کا نام نہ بتا سکیں گے اس لئے ضرورت ہے کہ حروف مفردہ کی تختی ایک دفعہ الف سے یا تک پڑھا کر پھری سے الف تک الٹی پڑھائی جائے اور ہر لائن کو اول سے آخر تک اور آخر سے اول تک اور اوپر سے نیچے کو نیچے سے اوپر کو سنو اور یہ طریقہ قاعدہ کی ہر تختی میں ملحوظ رکھو تو بچے محض یاد سے کام نہ لیں گے بلکہ ہر لفظ پہچان کر بتلائیں گے۔

(۶) قاعدہ پڑھانے والے مدرس کو اپنے پاس حروف مفردہ الک الک موئے کاغذ پر لکھے ہوئے رکھنا چاہئیں بچوں کو اپنے سامنے کھڑا کر کے ایک ایک ورق بلا ترتیب میز پر ڈال کر ان سے پوچھئے کہ یہ کیا ہے؟ یہ کونسا حرف ہے؟ روزانہ یہ عمل کیا جائے گا تو اس سے بچوں کو حروف کی پہچان ہوگی۔ اور ان کا دل بھی بہلے گا۔ جب وہ بے تکلف تمام حروف کو پہچاننے لگیں تو اب سیپارہ ان کے سامنے رکھ کر حروف مفردہ کو پوچھو اگر کوئی بچہ نہ بتا سکے تو گھبراؤ نہیں، نہ غصہ کرو، بلکہ وہی حرف قاعدہ میں دکھلاؤ۔ پھر بھی نہ آئے تو خود بتلا دو کہ دیکھو یہ فلاں حرف ہے، قاعدہ اور سیپارہ میں اس کی ایک ہی شکل ہے، پھر تم نے پہچاننے میں کیوں دیر کی؟

الغرض پہلی ہی تختی میں اس قدر حرف شناسی ہو جانا چاہیے کہ جس کتاب اور جس سیپارے سے بھی جو مفردہ حرف پوچھو بلا تا مل بتا دیں یہ امتحان روزمرہ لیا کرو۔ جتنا

امتحان لیا کرو گے اور جتنی دیر اس میں لگاؤ گے اسی قدر فائدہ ہوگا، روزمرہ کے سبق سے اس امتحان کو مقدم سمجھو بلکہ اس امتحان ہی کو سبق جانو اگر کسی دن سبق نہ ہو تو مضائقہ نہیں، مگر یہ امتحان ضرور ہو۔

### (نوٹ)

ان ہدایات کو قاعدہ کی ہر تختی میں ملحوظ رکھنا چاہیے اور یہ ہدایات عربی قاعدہ ہی کے لئے مختص نہیں بلکہ اردو کے قاعدہ میں بھی اس کی رعایت بہت نافع ہوگی حروف مفردہ کی پہلی تختی میں ۲۹ تک گنتی بھی بچوں کو یاد کرا دینا چاہیے، پہلے دن چار حروف پڑھاؤ تو ان کو چار تک گنتی بھی یاد کرا دو اور دوسرے دن پانچ حروف پڑھاؤ تو نو تک گنتی بھی سکھلا دو، اور یہ بھی بتلا دو کہ  $۵ + ۴ = ۹$  ہوئے ہیں روزانہ اسی طرح کیا جائے تو ان کو ۲۹ تک گنتی سہولت آجائے گی۔

(۷) حروف مفردہ کی پہچان پوری ہو جائے تو اب مرکبات کی تختی شروع کراؤ، اکثر حروف جب آپس میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو ان کی شکلیں بدل جاتی ہیں، مرکبات میں ن۔ ی۔ ب۔ ت۔ ث ہم شکل ہو جاتے ہیں صرف نقطوں کی تعداد اور ان کے اوپر نیچے ہونے سے امتیاز ہوتا ہے اس لئے مرکبات میں بچہ اسی وقت چل سکے گا جبکہ نقطوں کی شناخت کامل ہو چکی ہو۔

مرکبات کی تختی میں بھی ان ہدایات پر عمل کرنا ضروری ہے جو ہم نے اوپر بتلائی ہے اس تختی میں بچوں کو مطالعہ کا طریقہ بتلاؤ، مثلاً پارہ عم کا ایک صفحہ یا چند سطریں مقرر کر کے طلبہ سے کہو کہ اس کے تمام حروف کو پہچانیں جس حرف کو نہ پہچان سکیں اس کو قاعدہ کی تختی مرکبات میں دکھلاؤ اس تختی میں اتنی مشق ہو جانا چاہیے کہ پارہ عم اور قرآن مجید کے جس مقام سے حروف پوچھے جائیں بچے بلا تامل حروف کے نام بتلاتے چلے جائیں۔ مثلاً عَبَسَ وَتَوَلَّى کو یوں بتلا سکیں ع۔ ب۔ س۔ و۔ ت۔ و۔ ل۔ ی۔ جب تک اتنی مشق نہ ہو جائے آگے نہ پڑھاؤ قاعدہ میں حروف کی شناخت ہی مقصود ہے سبق

دینا مقصود نہیں یاد رکھو! جو استاد قاعدہ پڑھانے میں جلدی کرتا ہے اور کوشش و محنت سے کام نہیں لیتا وہ بچوں کی عمر اور استعداد کو برباد کرتا ہے اس کا گناہ چوری اور ربزنی سے بھی زیادہ ہے کیونکہ مال و اسباب پھر بھی مل سکتا ہے لیکن ”گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں“ اور بگڑی ہوئی استعداد درست نہیں ہوتی۔

(۸) مفرد اور مرکب حروف کی پوری پہچان ہو جائے تو اب بچوں کو حرکات و سکون کی تعلیم دی جائے جس کو زیر، زیر، پیش اور جزم کہتے ہیں اس کے بارے میں مجھ کو چند ضروری باتیں عرض کرنی ہیں۔

(الف) حرکتوں کو اتنا نہ کھینچنا چاہیے کہ زیر سے الف، زیر سے یا اور پیش سے واؤ پیدا ہو جائے مثلاً ب کو با اور ب کو بی اور ب کو بو پڑھا جائے۔ ورنہ ب ب ب اور با، بی، بو میں کچھ بھی فرق نہ ہوگا۔

(ب) زیر اور پیش کو بچے مجہول نہ پڑھیں بلکہ معروف پڑھیں۔

(ج) اسم ذات اللہ سے پہلے اگر زیر یا پیش ہو تو لام کو پر کرنا چاہیے جیسے ذہب اللہ، وَلَعْنَةُ اللّٰهِ، اور زیر ہو تو باریک پڑھنا چاہیے جیسے بِسْمِ اللّٰهِ

(د) راء کے اوپر اگر زیر یا پیش ہو تو پر پڑھنا چاہیے اور زیر ہو تو باریک اور جزم ہو تو اس سے پہلے حرف کی حرکت کو دیکھنا چاہیے جیسے الرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ میں دونوں جگہ راء پڑے وَرَبِّكَ فَكَبِّرْ میں پہلی راء پر اور دوسری باریک ہے۔

(ه) دوزبر، دوزیر، دو پیش کو تنوین کہتے ہیں اور وہ پڑھنے میں نون ساکن کی طرح پڑھی جاتی ہے جس حرف پر دوزبر ہوں اس کے آخر میں ایک الف لکھا جاتا ہے اور بعض جگہ ی بھی، مگر یہ دونوں نہ پڑھنے میں آتے ہیں نہ بچوں میں، یہ قاعدہ بچوں کو خوب سمجھا دینا چاہیے۔

(و) حرکات کی تختیوں کو روان اور جے دونوں طرح سے پڑھانا چاہیے روان اول سے آخر اور آخر سے اول کی طرف بھی پڑھائی جائے اور ہر لائن کو اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر بھی پڑھانا چاہیے۔

(ز) ان تختیوں میں بچوں کو حروف کا نام نہ بتایا جائے کیونکہ حروف مفردہ اور مرکبات کی پہچان ان کو ہو چکی ہے اب وہ خود ہر حرف کو پہچانیں اور بتائیں استاد کا کام صرف زیر، زبر، پیش کی آواز بتانا ہے اس سے زیادہ جو بتائے گا وہ بچوں کی استعداد کو خراب کرے گا۔

(۹) جب حرکات کی خوب پہچان ہو جائے تو اب مد اور تشدید بتانا چاہیے کہ جس حرف پر مد ہو اس کو اچھی طرح دراز کیا جائے تشدید وادغام کو بخوبی ادا کیا جائے۔

(۱۰) جب بچوں کو حرکات، مد و تشدید کی خوب شناخت ہو جائے تو اب پارہ عم سامنے رکھ کر سوال کرنا چاہیے کہ یہ لفظ کیا ہے جے کرو، روان بولو، نورانی قاعدہ میں جو مرکبات کلمات دیئے گئے وہ سب قرآن ہی کے الفاظ ہیں اور پارہ عم کے زیادہ ہیں ان الفاظ کو پارہ عم کے اندر بھی ضروری پوچھنا اور بتانا چاہیے اس طریقہ پر قاعدہ پڑھایا جائے تو اس کے بعد پانچ چھ مہینے میں ناظرہ قرآن ختم کرنا معمولی بات ہے۔

### تصحیح مخارج

تنبیہ: قاعدہ پڑھانے والے کو لازم ہے کہ قاعدہ ہی میں بچوں کے مخارج حروف صحیح کر دے بچہ اگر ایک حرف کو غلط بولتا ہے تو تم لاڈ اور پیار میں ہرگز غلط نہ بولو بچے کے سامنے ہر حرف کو ہمیشہ صحیح ادا کرو، بچہ استاد کے لب و لہجہ کی نقل کرنے میں خود کوشش کرتا اور رفتہ رفتہ صحیح تلفظ پر قادر ہو جاتا ہے اور اگر مدرس قاعدہ میں شروع سے آخر تک ہر لفظ کا صحیح تلفظ ادا کرتا رہے اور بچہ کو بھی تاکید کرتا رہے کہ ت ط اور ذ ز ظ - ض۔ س - ص - ث - ق - ک کو الگ الگ صحیح ادا کرے تو یقیناً قاعدہ ختم ہونے سے پہلے بچے کے تمام مخارج ٹھیک ہو جائیں گے ورنہ استاد کی ذرا سی غفلت ہمیشہ کے لئے بچہ کے حق میں وبال جان بن جائے گی اور سارے قرآن میں بھی اس کے مخارج درست نہ ہوں گے اور جس کے مخارج غلط ہوں اس کا قرآن پڑھنا صحیح معنوں میں قرآن پڑھنا نہیں ہے کیونکہ قرآن عربی زبان میں ہے جب تک حروف کو عربی زبان کے قاعدہ سے ادا نہ کیا

جائے گا اس وقت تک صحیح قرآن پڑھنا صادق نہیں آئے گا۔

### ناک میں پڑھنے سے احتراز

تنبیہ: بعض لوگ الف اور واؤ اور یا ساکن کے ساتھ نون کی آواز بھی نکالتے ہیں مثلاً مَـ مَوَـ مِیَـ اور نَاـ نَوَـ نِیَ کو مَآں۔ مَوَں۔ مِیَں اور نَاں۔ نَوَں۔ نِیَں پڑھتے ہیں یہ بڑی غلطی ہے اس سے بچنا چاہیے اور بچوں کو بھی روکنا چاہیے۔

### ناظرہ قرآن پڑھانے کا طریقہ

قاعدہ عربی کا طریقہ تعلیم عرض کر دینے کے بعد اب میں ناظرہ قرآن پڑھانے کے متعلق چند ضروری اصول عرض کرنا چاہتا ہوں۔

(۱) سب سے پہلے مدرس کو اپنا دل قرآن کریم کی عظمت و شوکت سے لبریز کرنا چاہیے اور مدرس جتنا قرآن کا ادب کرے گا بچے بھی اتنا ہی ادب کریں گے۔ بچوں کو تنبیہ کرنا چاہیے کہ سیپارے کے پھٹے ہوئے اوراق کو بے پرواہی سے ادھر ادھر نہ ڈالیں بلکہ ایک صندوق میں رکھ دیں جو اس کام کے لئے بنایا گیا ہو۔

(۲) مدرس کو لازم ہے کہ بے وضو قرآن کو ہرگز ہاتھ نہ لگائے اور سمجھ دار اور ہوشیار بچوں کو بھی وضو کرنے کی تاکید کرے، قرآن کی طرف پیر لمبے کرنا اور پشت کرنا سخت جرم ہے اس سے خود بھی احتیاط لازم ہے اور بچوں کو بھی روکنا چاہیے۔

(۳) ناظرہ قرآن پڑھانے میں حرکات کا صحیح ہونا۔ مخارج کا درست ہونا، اظہار و اخفا و غنہ و غیرہ کا ادا کرنا اور روان کا عمدہ ہونا بہت ضروری ہے، پارہ عم ہی کے اندر بچوں کو رواں اور جے میں تیز کر دینا چاہیے اور آموختہ کو سبق تک روزانہ پڑھ لینے کی تاکید کی جائے۔

(۴) اگر قاعدہ میں جماعت بندی کا اہتمام کی گیا ہو تو پارہ عم میں جماعت بندی سہل ہوگی اس صورت میں ناظرہ قرآن پڑھانے کا سہل طریقہ یہ ہے کہ اول ایک بچہ ایک آیت کو جے اور روان سے پڑھے پھر دوسرا اور تیسرا اسی طرح پڑھے، پھر باقی



بچوں میں سے ہر ایک اس آیت کو روان پڑھے جب ایک بچہ پڑھتا ہو تو ساری جماعت سنتی رہے اس کے بعد دوسری آیت اسی طرح ہر بچہ پڑھے اور باقی سنیں۔ اگر سبق زیادہ دینا ہو تو ایک دم سے نہ دو بلکہ ایک ایک آیت کو سب سے پڑھوا کر دوسری تیسری آیت پڑھاؤ۔

(۵) جماعت بندی کی صورت میں آموختہ کی نگہداشت بہت آسان ہے دو دو بچوں کی جوڑی مقرر کر دی جائے کہ ایک اس کا آموختہ سنے اور دوسرا اس کا سنے۔

(۶) بچوں کو ہدایت کی جائے کہ ایک کلمہ کے بیچ میں وقفہ کبھی نہ کریں۔ شروع پارہ عم میں اگر بچہ کمزور ہو اور رَبِّ الْعَالَمِينَ کو رَبُّ الْعَالَمِينَ پڑھے تو چنداں مضائقہ نہیں مگر مدرس کو خیال رکھنا چاہیے کہ یہ کمزوری پارہ عم کے ختم ہونے تک نکل جائے اور بچہ بخوبی رواں پڑھنے لگے۔ کیونکہ حرفوں کو کاٹ کاٹ کر پڑھنا بڑا عیب ہے۔

(۷) جب ایک پارہ ختم ہو جائے تو اب روزانہ سبق تک آموختہ نہ ہو سکے گا اس لئے اس کی مقدار مقرر کر دیں کہ روزانہ نصف یا ربع پارہ پڑھ لیا جائے۔

(۸) ہفتہ میں ایک دن جمعرات یا اور کوئی دن آموختہ کی دیکھ بھال کے لئے رکھا جائے اس دن سبق نہ دیا جائے۔

(۹) بچوں کو زور زور سے اور ہل ہل کر پڑھنے سے منع لیا جائے اس کو یاد ہونے میں کچھ بھی دخل نہیں بس اتنی آواز سے پڑھنا چاہیے کہ پاس والا سن سکے قرآن کے پڑھنے سے تھوڑی سی حرکت تو بدن کو ضرور ہوتی ہے جس کا منشا نشاط روحانی ہے مگر زیادہ ہلنے سے بچوں کو منع کر دیا جائے۔

(۱۰) قرآن پڑھانے والے کو رسم خط قرآنی سے واقف ہونا چاہیے۔ قرآن تو جس شخص نے کسی استاد سے نہیں پڑھا وہ یقیناً صحیح پڑھنے پر قادر نہ ہوگا کیونکہ قرآن کا رسم خط تمام کتابوں سے الگ ہے۔ ایک یورپین بہادر نے قرآن میں اَلر لکھا ہوا دیکھا تو کہنے لگے یہ کیا ہے؟ آلو! کسی مسلمان نے ہنس کر کہا کہ عرب میں آلو کہاں وہ تو یورپ میں ہوتے ہیں اور اپنا قرآن اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

بہت سے کلمات قرآن کے اندر لکھنے میں اور طرح اور پڑھنے میں اور طرح ہیں مثلاً سورہ کہف میں لکھا ہوا ہے مگر پڑھا جاتا ہے لیکن اس طرح بہت سی جگہ الف لکھا ہوا ہے مگر پڑھا نہیں جاتا اور بعض جگہ صاد لکھا ہوا ہے اس کو مین پڑھا جاتا ہے اس کا جاننا استاد کے بتانے پر موقوف ہے اگر مدرس قرآن کے رسم خط سے ناواقف ہو تو اس کا شاگرد یقیناً غلط خواں ہوگا۔

## حفظ قرآن کے اصول

ناظرہ قرآن پڑھانے کے متعلق میں ضروری باتیں عرض کر چکا۔ چونکہ رنگوں و برما کے سرکاری سکولوں میں حفظ قرآن کا اہتمام نہیں ہے اس لئے اس کے اصول بیان کرنے کی ضرورت نہ تھی مگر یہ باتیں دو خیال سے عرض کرتا ہوں ایک اس لئے کہ میرا مضمون ناقص و نامتمام نہ رہے مکمل ہو جائے۔ دوسری اس لئے کہ شاید یہاں بھی کبھی کسی کو توفیق ہو جاوے۔ حفظ قرآن کا آسان قاعدہ یہ ہے۔

(الف) بچہ کا حافظہ کمزور ہو تو پانچ آیت سے زیادہ سبق نہ دیا جائے اور قوی ہو تو گیارہ آیات تک دے سکتے ہیں اور اس سے بھی زیادہ۔

(ب) بچہ کو تاکید کی جائے کہ ہر آیت کو کم از کم گیارہ بار یاد کرے، پانچ دفعہ دیکھ کر اور چھ دفعہ بغیر دیکھے ایک آیت کو گیارہ بار کہہ کر پھر دوسری آیت کو گیارہ بار اسی طرح کہے۔ پھر دونوں کو ملا کر گیارہ بار کہے پھر تیسری کو گیارہ بار الگ کہہ کر تینوں کو ملا کر گیارہ بار کہے اسی طرح پانچ یا گیارہ آیتوں کو الگ الگ بھی گیارہ بار کہے اور شروع سبق سے ملا کر بھی، انشاء اللہ تعالیٰ ایک گھنٹہ میں سبق پختہ ہو جائے گا۔

(ج) جب تک ایک منزل پوری نہ ہو شروع سے سبق تک روزانہ آموختہ سنا جائے اور بہتر یہ ہے کہ ایک دفعہ استاد سنے اور ایک دفعہ شاگرد خود پڑھ لیا کرے۔ جب ایک منزل پوری ہو جائے تو سبق تک ایک سیپارہ اور سنا جائے اور آموختہ کا بھی کم از کم ایک سیپارہ مقرر کر دیا جائے۔

(د) جب سیپارہ سناتے ہوئے طالب علم کو تشابہ ہونے لگے تو استاد صرف غلطی درست کرنے پر اکتفا نہ کرے بلکہ یہ پوچھے کہ تم کو یہ تشابہ کس سورت اور کس سیپارہ سے لگا ہے؟ وہ سوچ کر بتائے گا اگر نہ بتلا سکے تو استاد خود بتلا دے کہ تم کو فلاں سورت اور فلاں سیپارہ سے لگا تھا۔ یہ آیت وہاں اس طرح ہے اور یہاں اس طرح، اگر متشابہات پر اس طرح روک ٹوک سے کام لیا گیا تو شاید کوئی تشابہات قرآن محفوظ ہو جائیں گے اور آئندہ غلطی سے محفوظ رہیں گے۔

(ه) طالب علم کو تنبیہ کی جائے کہ قرآن نہ اتنا تیز پڑھے کہ حروف کٹنے لپٹنے لگیں اور نہ اتنا آہستہ پڑھے کہ بھولنے لگے، پڑھتے وقت وقف و وصل کی رعایت بہت ضروری ہے۔ بعض آدمی لفظ پر اس طرح سانس توڑتے ہیں کہ معنی بگڑ جاتے ہیں جیسے فی نار جہنم خاء، یہ بہت بڑی غلطی ہے بلکہ فی نار جہنم خالدین کہہ کر سانس توڑنا چاہیے حروف مشدد پر وقف ہو تو تشدید ظاہر کر کے وقف کرنا چاہیے جیسے این المفر، کل امر مستقر، لم یطمثہن انس ولا جان، کو این المفر مُستقر ولا جان پڑھنا غلط ہے۔

(و) حفظ قرآن تمام ہو جانے کے بعد سال بھر تک استاد کو کم از کم ایک پارہ روز سنایا جائے اور اسی سیپارے کو مغرب یا عشاء کی نماز کے بعد نفلوں میں تنہا پڑھنا چاہیے۔

(ز) رمضان شریف میں حافظ کو قرآن سنانا یا سننا نماز تراویح میں بہت ضروری ہے۔ ورنہ حفظ کمزور ہو جائے گا۔ اگر پڑھنے کا اتفاق نہ ہو اور سامع بننا پڑے تو اس سیپارے کو خود بھی نفلوں میں پڑھنا چاہیے۔

(ح) بعض لوگ تنہا بدوں استاد کے حفظ کرنے لگتے ہیں اس طرح قرآن کا حفظ بہت دشوار ہے۔ کسی کو حفظ میں استاد بنانا ضروری ہے ورنہ یا تو حفظ ہی نہ ہوگا یا غلط حفظ ہوگا۔

(ط) جس کو حفظ قرآن میں دشواری ہوتی ہو، اس کو دعائے حفظ قرآن تین چار

ہفتہ تک باقاعدہ ہر جمعہ کی رات میں پڑھنا چاہیے ان شاء اللہ تعالیٰ حفظ آسان ہو جائے گا۔ جس کی ترکیب مناجات مقبول میں تھی ہے۔

(ی) حافظ قرآن کو ضروری ہے کہ قرآن کو دنیا کمانے کا ذریعہ نہ بنائے اور استاد کی بے ادبی نہ کرے۔ اس سے گناہ بھی ہوتا ہے اور تعلیم میں برکت بھی نہیں ہوتی۔ نہ آئندہ کو فیض جاری ہوتا ہے۔

### مطالب قرآن پڑھانے کا طریقہ

جب مسلمان ناظرہ یا حفظ قرآن سے فارغ ہو جائے تو اس کو لازم ہے کہ قرآن سمجھنے کی کوشش کرے جس کا اصلی طریقہ یہ ہے کہ عربی زبان کا ادب و صرف و نحو و لغت پہلے سیکھے پھر قرآن کی معتبر تفاسیر کے ذریعہ اس کے معانی و مطالب کو حل کرے لیکن جس کو اس کی فرصت نہ ہو اسے کم از کم اردو تراجم اور تفاسیر کے ذریعے سے مطالب قرآن سمجھنے کی کوشش کرنا چاہیے اگر کوئی عالم پڑھانے والا مل جائے تو بہتر صورت یہ ہے کہ اس سے سبقاً سبقاً ترجمہ قرآن پڑھ لیا جائے ورنہ خود مطالعہ کیا جائے اور جہاں مطلب سمجھ میں نہ آوے اپنی عقل سے مطلب نہ بنادے بلکہ وہاں نشان کر کے کسی موقع پر محقق عالم سے زبانی دریافت کرے یا بذریعہ خط و کتابت کے حل کر لے۔ سرکاری مدارس کے طلبہ کو معانی قرآن پڑھانے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ ایک پیڑ میں کوئی عالم یا باقاعدہ ترجمہ جاننے والا ماسٹر قرآن مترجم سامنے رکھ کر سب طلبہ کو بطور وعظ و تقریر کے سنا دیا کرے اور اس کے لئے علماء محققین کا ترجمہ اختیار کیا جائے قدیم تراجم میں شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ بہت عمدہ ہے اور جدید تراجم میں حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب دَامِ مَجْدِہُمْ اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہ کا ترجمہ بہترین تراجم سے ہے۔ طریقہ تعلیم بتلادینے کے بعد میں یہ بھی بتلادینا ضروری سمجھتا ہوں کہ قرآن کیا چیز ہے؟ اس کو قرآن کیوں کہتے ہیں؟ اس کی تعلیم کا خلاصہ اور نتیجہ کیا ہے؟

۱۔ اس تقریر کے وقت حضرت اس عالم ناسوت میں تشریف فرما تھے اور اس تقریر کو ملاحظہ فرما کر جاہل اس میں اصلاحات بھی فرمائی ہیں۔

## قرآن کیا چیز ہے؟

قرآن مسلمانوں کی مذہبی کتاب ہے جو زمین و آسمان اور تمام کائنات کے پیدا کرنے والے خدا نے اپنے محبوب پیغمبر خاتم الانبیاء، سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے نازل فرمائی ہے اور اس وقت سے اس وقت تک منتقل متواتر محفوظ چلی آ رہی ہے جس کا ایک لفظ اور شوشہ بھی متغیر نہیں ہوا۔

## قرآن کو قرآن کیوں کہتے ہیں؟

قرآن قرأت سے بنا ہے جس کے معنی ہیں پڑھنا، پس قرآن کے معنی ہوئے پڑھنے کے لائق کتاب ممکن ہے کوئی یہ دعویٰ کرے کہ پڑھنے کے لائق تو اور بھی کتابیں ہیں، اس میں قرآن ہی کی کیا خصوصیت ہے؟ اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ قرآن میں بہت سی ایسی خصوصیات ہیں جن پر غور کرنے کے بعد ہر صاحب انصاف تسلیم کرے گا کہ واقعی سب سے زیادہ پڑھنے کے لائق کتاب قرآن ہی ہے۔

مجملہ قرآن کی بہت سی خصوصیات کے قرآن میں یہ خاص بات ہے کہ اس کا پڑھنا ہر قوم اور ہر شخص کے لئے آسان ہے دنیا میں کوئی کتاب ایسی موجود نہیں ہے جس کو اصلی صورت اور بعینہ الفاظ میں عرب اور عجم یورپ والے اور ایشیا والے مصری اور سوڈانی اور افریقی اور چینی، روس اور امریکہ والے بچے اور جوان، بوڑھے اور ادھیڑ عالم و جاہل، مرد و عورت سب پڑھ سکتے ہوں۔ یہ شرف خاص قرآن ہی کو حاصل ہے کہ اس کو اس کی اصل زبان اور بعینہ الفاظ میں دنیا کا ہر طبقہ سہولت سے پڑھ سکتا ہے بلکہ پڑھ رہا ہے۔

قرآن کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کا پڑھنے والا ایک دو دفعہ پڑھ کر اس سے اکتاتا اور گھبراتا نہیں ہے۔ جو لوگ تلاوت قرآن کے عادی ہیں اور ایسے لوگ ہر ملک میں ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں موجود ہیں وہ اس کو سال بھر میں بار بار ختم کرتے اور شروع کرتے ہیں اور ہر دفعہ نیا لطف حاصل کرتے ہیں۔

نہ خشن غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں      بمیر و تشنہ مستقی و دریا بچناں باقی!

دنیا میں کوئی کتاب ایسی نہیں جس کی تلاوت قرآن کی طرح پابندی کے ساتھ کی جاتی ہو اور ایک دو دفعہ پڑھنے کے بعد دل نہ گھبراتا ہو اگر قرآن کی تلاوت سے اہل عرب ہی کو حظ آتا تو یہ کہہ سکتے تھے کہ اس کی مضامین کی دل کشی ان دو بار بار تلاوت پر مجبور کرتی ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ اس کی تلاوت سے نہ عربی کا دل اکتاتا ہے نہ عجمی کا نہ سمجھنے والے عالم کا نہ کسی جاہل کا نہ بچہ کا نہ عورت کا۔ پس کیا اس سے یہ دعویٰ صاف طور پر ثابت نہیں ہو جاتا کہ واقعی اگر کامل درجہ میں پڑھنے کے لائق کوئی کتاب ہے تو وہ قرآن ہے اور صرف قرآن دوسری کتابوں کے تراجم ہر زبان میں کر دیئے جائیں تو ان کے پڑھنے والے تمام ممالک میں مل سکیں گے لیکن ایسی کوئی کتاب نہیں کہ بدون ترجمہ کے صرف اس کے الفاظ ہی کو تمام ممالک کے لوگ پڑھتے ہیں۔ خواہ سمجھتے ہوں یا نہ سمجھتے ہوں یہ خصوصیت صرف قرآن کے لئے ہے۔

تیسری خصوصیت قرآن میں یہ ہے کہ اس کو دیکھ کر پڑھنے والے بھی بہت ہیں اور بغیر دیکھے پڑھنے والے بہت ہیں کیونکہ قرآن کے الفاظ میں ایسی تلاوت اور دلکشی رکھی ہوئی ہے جس کی وجہ سے اس کا حفظ کرنا بہت آسان ہے۔ قرآن جب سے نازل ہوا ہے اس وقت سے اس وقت تک لاکھوں کروڑوں حفاظ قرآن دنیا میں ہو چکے ہیں جن میں مرد بھی ہیں اور عورتیں بھی بچے بھی ہیں، بوڑھے بھی جوان بھی ادھیڑ بھی عربی بھی ہیں، ہندی بھی، سندھی بھی، بنگالی بھی، مصری بھی اور اس وقت بھی باوجود مسلمانوں کی غفلت مذہبی کے ہر ملک میں ہزاروں حفاظ قرآن موجود ہیں جن کے وجود سے رمضان شریف میں تمام مسجدیں منور اور بارونق بن جاتی ہیں اور یہی حفاظ ہیں جن کے دم سے آج تک قرآن اپنی اصلی صورت میں زندہ ہے اور یہ ایسی بات ہے جس کا اعتراف ہر انصاف پسند طبقہ نے کیا ہے خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم سر ولیم میور نے جہاں قرآن شریف کا ذکر کیا ہے اس بات کو صاف طور سے مانا ہے کہ دنیا میں ایسی کوئی کتاب نہیں جو بلا تغیر و تبدل تیرہ سو سال سے پکی ہو۔ لیکن مسلمانوں کا قرآن اپنے حروف و الفاظ سے ویسا ہی ہے جیسے اول تھا۔ اس کا سبب بجز اس کے اور کیا ہے کہ ہماری قوم میں ہر زمانہ میں لاکھوں زندہ قرآن



موجود رہے، جن کے حفظ نے ایک زیر زبر کا بیہ چیس نہ ہونے دیا۔ وہ زندہ قرآن یہی حفاظ ہیں جن کی بدولت ہمارے دین کی یہ مقدس کتاب آج تک بالکم و کاست ہمارے سینوں میں ہمارے ہاتھوں میں ہے۔

امریکہ کی ایک یونیورسٹی کے پروفیسر مسر ہوڈ نے حال ہی میں اسلامیات پر لیکچر دیتے ہوئے حسب ذیل خیالات کا اظہار کیا ہے۔

ہم لوگ خواہ کتنا ہی انکار کریں مگر واقعات کو پیش نظر رکھ کر تسلیم کرنا پڑے گا کہ اسلام ایک عالم گیر مذہب ہے وہ اس قوم پر حکومت کر رہا ہے جو ازمنہ مظلمہ میں عیسائیوں کے لئے شمع ہدایت بنی رہی اور جس نے اپنے علوم و فنون سے ہمارے دماغوں کو سیراب و شاداب کیا ہے، میرا خیال ہے اگر اسلامی حکومتیں دنیا سے نابود بھی ہو جائیں تو اسلام اور مسلمان فنا نہیں ہو سکتے، کیونکہ جو چیز ان کو حیات تازہ بخشی ہے وہ ان کی کتاب ”قرآن“ ہے جو اپنی اصل کے اعتبار سے ایسی محفوظ ہے جیسا کہ آسمان اپنی پیدائش کے وقت سے اس کا حال بابتل کی طرح نہیں ہے جو اپنی تمام مذہبی اور تاریخی خصوصیات گم کر چکی ہے اور نہ اس کی تعلیم بیرونی تعلیم و عقائد سے ملوث ہوئی ہے عیسائیت اور بت پرستی ان دونوں میں فرق نہیں رہا اور اگر کوئی کرنا بھی چاہے تو نہیں کر سکتا کیونکہ بت پرستی کے جراثیم نے اصلی عیسائیت کو چٹ کر لیا ہے۔ قرآن ایک حیات بخش کتاب ہے، اور مسلمانوں کے نزدیک دنیا کی کوئی چیز بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی مسلمان جس طرح قرآن (شریف) کی عزت کرتے اتنی انجیل کے لئے ہمارے دلوں میں عزت نہیں مسلمان اپنے دل و دماغ کو اسلام کے حوالہ کر چکے ہیں اور عیسائی رسما یا بعض سیاسی وجوہ کی بنا پر اس کو مان رہے ہیں، ہمیں یقین رکھنا چاہیے کہ اگر قرآن کی تعلیم کا صحیح ظہور ہوا تو اس سے عیسائی دنیا کو بھی بہت کچھ فوائد پہنچیں گے۔

### روحانیت اور قرآن

قرآن کریم کی تعلیم کا خلاصہ بیان کرنے سے پہلے میں ایک نکتہ پر تنبیہ کر دینا ضروری سمجھتا ہوں وہ یہ کہ تمام عقلاء اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ انسان جسم و روح سے مرکب ہے روح کا جسم سے الگ ایک چیز ہونا ہر شخص کو اپنے اندر کی تصدیقی آواز سے

معلوم ہو سکتا ہے انسان جب میں یسّا مَنُ کہتا ہے تو اس سے مراد نہ جسم ہے نہ جسم کا کوئی حصہ، بلکہ اور کوئی چیز ہے جو کسی کو نظر نہیں آتی مگر جسم میں اس کی گل کاریاں موجود ہیں جسم کی پرورش اور حیات اسی تعلق پر موقوف ہے جو اس کو روح کے ساتھ ہے اگر یہ تعلق منقطع ہو جائے تو انسان کا بدن اور پتھر برابر ہے جن لوگوں کو روحانی طاقتوں کا انکشاف ہو چکا ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ روح ایک پاکیزہ نورانی شئی ہے۔ مادہ سے مرکب نہیں بلکہ مجرد ہے اور جسم کی ترکیب مادی عناصر سے ہے اس لئے جسمانی طاقت کو روحانی طاقت سے کچھ بھی نسبت نہیں۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ اس کے بعد مجھے یہ کہہ دینے کی اجازت دیجئے کہ جیسا جسم اور اجسام کے لئے ایک مرکز ہے جو اس جسمانی سے ہم کو نظر آتا ہے اور روح کے الگ ہو جانے کے بعد بھی بدن اسی مرکز میں رہ جاتا ہے اور اجزاء جسم کے منتشر ہو کر پانی پانی میں مٹی مٹی میں مل جاتی ہے اسی طرح روح کا بھی ایک مرکز ہے جس کی وہ اسی طرح طالب ہے جیسا جسم اپنے مرکز کا طالب ہے قرآن کی اصطلاح میں مرکز روح کو عالم آخرت اور مرکز اجسام کو عالم دنیا کہا جاتا ہے انسان خواہ کتنی ہی کوشش کرے عالم دنیا میں کسی کے لئے بقا نہیں کیونکہ وہ روح کا مرکز نہیں انسان کی بقا اسی عالم میں ہو سکتی ہے۔ جو اس کی روح کا مرکز اور اصلی وطن ہے، موت کا ہر انسان کو یقین ہے اس میں کسی کو شک کی گنجائش نہیں مگر ایسے بہت کم ہیں جن کو یہ فکر ہو کہ ہم کہاں سے آئے تھے؟ اور کہاں آئے تھے؟ اور کہاں جانے والے ہیں؟ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ۔ ترجمہ، کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ہم نے تم کو فضول ہی پیدا کیا اور تم ہمارے پاس لوٹ کر نہ آؤ گے۔

## قرآن

وَمَا هَذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَهْوٌ وَوَلَعِبٌ ط وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ  
لِهِيَ الْحَيٰوةُ ط لَوْ كَانُوا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٠﴾  
ترجمہ: ”یہ دنیا کی زندگی لہو و لعب کے سوا اور کچھ بھی نہیں زندگی تو

عالم آخرت کی زندگی ہے کاش لوگوں کو اتنی بات معلوم ہو جائے۔  
 ممکن ہے کوئی یہ شبہ پیش کرے کہ عالم آخرت تو آنکھوں سے نظر نہیں آتا بغیر  
 دیکھے ہم اس کو کیونکر مان لیں ان لوگوں سے کہہ دیا جائے کہ تم نے اپنے آپ ہی کو کہاں  
 دیکھا ہے؟ تم صرف اپنے بدن کو دیکھ سکتے ہو مگر جسم کا نام انسان نہیں تم جو کچھ ہو خود اپنی  
 آنکھوں سے بھی مستور ہو اور دوسرے انسانوں کی نگاہ سے بھی۔ جب اپنے وجود کا بدوں  
 دیکھے تم کو یقین ہو گیا تو عالم ارواح و عالم آخرت کا بھی بدوں دیکھے خبر صادق کے کہنے  
 سے یقین کر لینا چاہیے تم نے امریکہ کو نہیں دیکھا مگر دیکھنے والوں کی باتیں سن کر یقین  
 کر لیا۔ اسی طرح عالم ارواح و عالم آخرت کو ان لوگوں کے کہنے سے مان لو جو روحانی  
 منازل طے کر چکے ہیں اور یہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی مقدس جماعت ہے جن میں  
 حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام، سیدنا موسیٰ علیہ السلام، سیدنا عیسیٰ علیہ السلام، اور خاتم  
 الانبیاء سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسما گرامی سے ایک عالم خبردار واقف ہے  
 جن کا صادق، و امین، مقدس و بزرگ ہونا ان کے سوانح حیات سے بخوبی عیاں ہے،  
 ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے؟ جو شخص روح اور روحانی طاقت اور عالم ارواح و عالم آخرت  
 سے واقف بننا چاہے ان کو انبیاء علیہم السلام کے دامن سے آجانا چاہیے ان کی تعلیم و  
 تربیت سے اس کی باطنی آنکھیں کھلیں گی۔ اور جسم و روح میں امتیاز حاصل ہوگا اور معلوم  
 ہوگا کہ جس بدن کے پیچھے وہ لگا ہوا ہے یہ اس سے چھوٹے والا ہے اور عالم آخرت و عالم  
 ارواح میں پہنچ کر اس کو دوسرا جسم ملنے والا ہے جس کی طاقت روح کی طاقت کا ہمیشہ کے  
 لئے ساتھ دینے والی ہوگی۔

### خلاصہ تعلیم قرآن

قرآن کی تعلیم کا مختصر خلاصہ یہی ہے کہ وہ ہم کو اس عالم اجسام دنیا کے سوا ایک  
 دوسرے عالم کی خبر دیتا ہے جس کا نام عالم ارواح و عالم آخرت ہے اور بتلاتا ہے کہ اس  
 انسان! جسم کی پرورش اور اس کی زیب و زینت میں کب تک لگا رہے گا اس کی تکلیف و

راحت کا کب تک بندوست کرتا رہے گا دیکھ ذرا اپنی حقیقت میں غور کر، یہ جسم تو اسی جگہ ایک دن رہ جائے گا اور تو اس سے الگ ہو کر دوسری جگہ پہنچے گا جہاں سے آیا تھا شب و روز تو بدن کی فکر میں اس کی پرورش میں لگا رہتا ہے، ۲۴ گھنٹوں میں سے کوئی لمحہ خود اپنی فکر میں تو صرف کر تو اپنی بیوی بچوں دوستوں کی فکر میں گھلا جاتا ہے حالانکہ وہ صرف تیری صورت کے آشنا ہیں تجھے نہ کسی نے دیکھا نہ کسی نے پہچانا۔

ہر کسے از ظن خود شد یار من! وز درون من نہ جست اسرار من  
ذرا کچھ دیر اپنی فکر بھی کر! اور دیکھ تجھ کو چاہنے والا خدا کے سوا اور کوئی نہیں ہے  
کیونکہ محبت کا مدار معرفت پر ہے اور خدا کے سوا روح انسان کی معرفت کسی کو نہیں خدا کے بعد اگر روح کی معرفت کسی کو ہے تو انبیاء و صدیقین و صلحاء و عارفین کو ہے، مگر انسان خدا و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ دوسروں کا گرویدہ ہے۔ جس کا سبب اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس نے مادی طاقتوں کو روحانی قوتوں پر غالب کر دیا ہے قرآن کریم انسان کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ اپنی روحانی طاقتوں کو مادی طاقتوں پر غالب کرے۔ اس لئے وہ نیک اخلاق اور نیک اعمال کی تاکید کرتا اور برے اخلاق اور برے اعمال سے روکتا ہے کیونکہ نیک اخلاق و اعمال سے خدا راضی ہوتا ہے اور اس کی رضا مندی سے روح کو راحت و طاقت پہنچتی ہے، اور برے اخلاق و اعمال سے خدا کا غضب ہوتا ہے جس سے روحانی طاقتوں کو ضعف اور مادی طاقتوں کو ترقی ہوتی ہے قرآن کریم انسان کو معرفت الہی اور ذات صفات خداوندی کی ایسی اعلیٰ تعلیم دیتا ہے کہ کوئی کتاب اس کی نظیر پیش نہیں کر سکتی قرآن و توحید کا علمبردار ہے اور دعویٰ سے کہا جاتا ہے کہ دنیا کو قرآن نے توحید کا سبق ایسے وقت پڑھایا جب تمام لوگ اس کو بھلا چکے تھے اور اس سے بہتر توحید کی تعلیم کسی کتاب میں اس وقت موجود نہیں۔

قرآن تمام آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور تمام انبیاء علیہم السلام کی تعظیم و تصدیق کو فرض قرار دیتا ہے اس سے ہر منصف کو معلوم ہو سکتا ہے کہ اسلام دنیا کے لئے پیام امن ہے وہ تمام مخلوق کو فرقہ بندی اور اختلاف سے ہٹا کر باہم رواداری کا سبق

پڑھاتا ہے۔ مگر چونکہ پہلے انبیاء کی تعلیمات اپنی اصلی صورت میں اس وقت باقی نہیں  
میں بلکہ لوگوں نے تحریف و تبدیل سے ان کو مسخ کر دیا ہے اس لئے نزول قرآن کے بعد  
ان مسخ شدہ کتابوں پر عمل کے لئے گنجائش نہیں رہی قرآن کریم اپنی حقانیت کے لئے تمام  
عالم کے سامنے صرف ایک بات پیش کرتا ہے کہ تعصب سے علیحدہ ہو کر انصاف کے  
ساتھ اس کی تعلیمات میں تدبر و تامل کیا جائے تو خود بخود انسان اس کی حقانیت کا قائل ہو  
جائے گا۔

﴿قُلْ إِنَّمَا أَعِظُكُم بِوَاحِدَةٍ ۖ أَنْ تَقُومُوا لِلَّهِ مِثْلَ  
فُرَادَىٰ تُثَمَّ تَتَفَكَّرُونَ ۚ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِنْ جِنَّةٍ ۖ إِنْ هُوَ  
إِلَّا نَذِيرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ ۝﴾

”فرماد دیجئے کہ میں تم کو صرف ایک ہی نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ کے  
لئے کھڑے ہو جاؤ دو دو مل کر اور کبھی الگ ہو کر پھر سوچو غور کرو! تو  
تم کو معلوم ہوگا کہ تمہارے صاحب کو جنوں نہیں۔ وہ تو تم کو ایک  
بڑے آنے والے عذاب سے ڈرانا چاہتے ہیں۔“

قرآن کریم بتلاتا ہے کہ راحت عالم آخرت کی راحت ہے جس نے وہاں کی  
راحت کا سامان نہیں کیا وہ خسارہ میں ہے کیونکہ دنیا کی راحت چند روزہ ہے قرآن کریم  
کسی قوم کو دوسری قوم پر نسب پر یا مال و دولت یا رنگ و زبان کی وجہ سے فضیلت نہیں دیتا  
بلکہ تقویٰ و کرم نفس اور روحانی پاکیزگی کو فضیلت بتلاتا اور بقیہ امور میں تمام بنی آدم کو  
مساوی حقوق دیتا ہے۔

### نتیجہ تعلیم قرآن

جب انسان کو تعلیم قرآن میں تامل کرنے سے اپنی حقیقت کا کچھ انکشاف ہوتا  
ہے اور خالق کائنات سے تعلق اور لگاؤ پیدا ہو جاتا ہے تو دنیا کی محبت دل سے نکل جاتی اور  
عالم آخرت کا ہمہ تن مشتاق بن جاتا ہے فنا کا نقشہ پیش نظر رہتا اور یہ عالم باوجود  
وسعت کے ایک تنگ و تاریک جیل خانہ نظر آتا ہے۔

﴿الدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ ۝﴾

”دنیا مومن کا جیل خانہ اور کافر کی جنت ہے۔“

خدا کی یاد اور اس کی محبت میں سرشار اور اعمال صالحہ کے لئے ہمہ تن مستعد و تیار رہتا ہے مصائب و حوادث میں کوہ استقلال بنا رہتا ہے اور جام موت کو خوش گوار سمجھتا ہے۔

غرم آں روز گزریں منزل ویراں بردم راحت جاں ظلم وز پنے جانان بردم  
نذر کردم کہ گر آید، بسرایں غم روزے تا در میکده شادان و غزل خواں بردم  
اگر کوئی مسلمان ان صفات سے خالی نظر آئے تو سمجھ لیجئے کہ اس نے تعلیم قرآن سے پورا سبق حاصل نہیں کیا مگر مجموعی طور پر مسلمان تمام اقوام سے زیادہ دنیا سے بیزار اور آخرت کے لئے تیار ضرور ہیں، دعویٰ سے کہا جاتا ہے کہ غیر مسلم کو روحانیت اور عالم ارواح اور خالق جل و علا کی ذات و صفات کے انوار و تجلیات کی ہوا بھی نہیں لگی، نگار ہنا، سانس بند کر لینا، نکاح نہ کرنا، بھوکا مرنا، ہوا میں ہاتھ سکھالینا روحانیت نہیں۔ اسلام اور قرآن کو فخر ہے کہ وہ نوع انسانی کے تمام شخصی و منزلی و تمدنی و ملکی حقوق کی حفاظت کرتا ہوا روحانیت کی تکمیل کرتا ہے، اسلام میں نہ رہبانیت ہے نہ عریانی نہ جنگل میں رہنے کی ضرورت ہے۔ نہ جس دم کی، تاجر تجارت میں بادشاہ بادشاہت میں، کاشتکار زراعت میں مشغول رہ کر بھی روحانیت اور منازل معرفت طے کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ قرآن اور پیغمبر اسلام کی اطاعت و تابعداری کا حلقہ گلے میں ڈال لے قرآن مجید نے جہاں حضرت بال حبشی، ابوبکر غفاری، شبلی اور جنید، جیسی فقیر ہستیوں کو روحانیت کے آسمان پر پہنچایا اسی طرح حضرت ابوبکر، عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم جیسے خلفاء و سلاطین کو روحانی منازل کا ایسا آفتاب و مآب تاب بنا دیا کہ دنیا ان کی نظیر پیش نہیں کر سکتی۔

﴿وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي

الْآخِرَةِ مِنَ الْخَسِرِينَ ۝﴾

”جو شخص اسلام کے سوا دین اختیار کرے گا خدا کے نزدیک ہرگز



مقبول نہ ہوگا اور وہ آخرت میں خسارہ میں رہے گا۔

مہمندار سعدی کہ راہ صفا! تو ان یافت جز بر پے مصطفیٰ  
خلاف پیغمبر کے رہ گزید کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید  
بَلَّغِ الْعُلَمَاءِ بِكَمَالِهِ كَشَفِ الدُّجَى بِجَمَالِهِ  
حَسَنَتْ جَمِيعُ خِصَالِهِ صَلُّوا عَلَيْهِ وَآلِهِ!

### قرآن مجید غیر مسلم لوگوں کی نگاہ میں

خوشتر آں باشد کہ سر دلبران! گفتہ آید در حدیث دیگران!

چیمبرز نے ان سائیکلو پیڈیا میں لکھا ہے کہ ”مذہب اسلام کا وہ حصہ بھی جس میں بہت کم تغیر و تبدل ہوا ہے اور جس سے اس کے بانی کی طبیعت نہایت صاف صاف معلوم ہوتی ہے اس مذہب کا نہایت کامل اور روشن حصہ ہے اس سے ہماری مراد قرآن کریم کے اخلاق سے ہے، نا انصافی، کذب، غرور، انتقام، غیبت، استہزاء، طمع، اسراف، عیاشی، بے اعتباری، بدگمانی، نہایت قابل ملامت بیان کی گئی ہیں۔

نیک نیتی، فیاضی، تحمل، صبر، بردباری، حیا، کفایت شعاری، سچائی، راستبازی، ادب، صلح، سچی محبت اور سب سے پہلے خدا پر ایمان لانا اور اس کی مرضی پر توکل کرنا سچی ایمان داری کا رکن اور سچے مسلمان کی نشانی خیال کی گئی ہے۔

راڈ ویل لکھتا ہے کہ ”قرآن میں ایک نہایت گہری حقانیت ہے جو ان لفظوں میں بیان کی گئی ہے جو باوجود مختصر ہونے کے قوی اور صحیح رہنمائی الہامی حکمتوں سے مملو ہیں۔

مسٹر جان ڈیون پورٹ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ:

منجملہ ان خوبیوں کے جن پر قرآن فخر کر سکتا ہے دو نہایت ہی عیاں ہیں، ایک تو وہ مودبانہ انداز اور عظمت جس کو قرآن اللہ کا ذکر یا اشارہ کرتے ہوئے ہمیشہ مد نظر رکھتا ہے کہ وہ اس کی طرف خواہشاتِ رذیلہ اور انسانی جذبات کو منسوب نہیں کرتا کہ وہ تمام

نامہذب اور ناشائستہ خیالات، حکایات اور بیانات سے بالکل پاک ہے جو بدقسمتی سے یہود کے صحیفوں میں عام ہیں قرآن تمام ناقابل انکار میوب سے مبرا ہے۔ اس پر خفیف سے خفیف حرف گیری نہیں ہو سکتی اس کو شروع سے آخر تک پڑھ لیا جائے مگر تہذیب کے رخساروں پر ذرا بھی چھینپ کے آثار نہیں پائے جائیں گے۔“

مشہور جرمن فاضل گوئے لکھتا ہے:

”قرآن بہت جلد اپنی طرف متوجہ کر لیتا ہے اور متحیر کر دیتا ہے اور آخر میں ہم اس کی عزت و احترام کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اس طرح یہ کتاب تمام زبانوں میں نہایت قوی اثر کرتی رہے گی۔“

لڈولف کریہل (جس نے ۱۸۸۴ء میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات شائع کئے تھے) لکھتا ہے۔

قرآن میں عقائد، اخلاق، اور ان کی بنا پر قانون کا مکمل مجموعہ موجود ہے، اس میں ایک وسیع جمہوری سلطنت کے ہر شعبہ کی بنیادیں بھی رکھ دی گئی ہیں، تعلیم عدالت، حربی انتظامات، مالیات، اور نہایت محتاط قانون، غرباء وغیرہ کی بنیادیں خدائے واحد کے یقین پر رکھی گئی ہیں۔

ڈاکٹر گستاوی بان فرانسیسی اپنی کتاب تمدن عرب میں لکھتا ہے۔

”کسی مذہبی کتاب کے فوائد عامہ کا اندازہ کرتے وقت یہ نہیں دیکھنا چاہیے کہ اس میں فلسفی خیالات کیسے ہیں (کیونکہ یہ عموماً بہت ہی کمزور ہوا کرتے ہیں) بلکہ یہ دیکھنا چاہیے کہ جن اعتقادات دینی کی تعلیم اس کتاب میں دی گئی ہے انہوں نے دنیا میں کیا اثر پیدا کیا؟ اور جس وقت اسلام کو اس نظر سے دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ دنیا کے ان مذاہب میں جنہوں نے قلوب پر حکومت کی ہے، یہ ایک نہایت عالیشان مذہب ہے۔ البتہ اسلام میں بھی نیکی، انصاف، عبادت وغیرہ کی ویسی ہی تعلیم ہے جیسی کل اور ادیان میں لیکن یہ تعلیم ایسی سادگی اور وضاحت کے ساتھ کی گئی ہے کہ ہر شخص کی سمجھ میں آتی ہے۔ اسلام قلوب میں اس قسم کا اندازہ اور پر جوش ایمان پیدا کر دیتا ہے کہ پھر اس میں

مطلقاً شک اور تذبذب کی گنجائش نہیں رہتی، اسلام وہ مذہب ہے جس کی اعتقادات کا خاصہ یہ ہے کہ ہمارے اخلاق کو نرم کریں اور ہم میں نیکی اور انصاف اور دوسرے مذاہب کے ساتھ رواداری پیدا کریں۔ مذہب اسلام کے اعتقادات کو زمانہ مٹا نہیں سکا اور آج بھی ان کا اثر ویسا ہی پر زور ہے جیسا پہلے تھا۔ ہمارے اس زمانہ میں جب کہ اسلام سے کہیں پرانے مذاہب کی حکومتیں قلوب پر کم ہوتی جاتی ہیں قانون اسلام کی وہی پہلی حکومت اس وقت تک قائم ہے ان آیات قرآنی میں جو اوپر نقل کی گئی ہم دیکھ چکے ہیں کہ پیغمبر اسلام نے اپنے ماقبل کے مذاہب کی اور ملی انخصوص مذہب یہود و نصاریٰ کی بے انتہا رواداری کی ہے۔ یہ اس قسم کی رواداری ہے جو اور مذاہب کے بانیوں میں نہایت شاذ ہے۔“

راڈ ویل اپنے انگریزی ترجمہ قرآن پاک کے دیباچہ میں لکھتا ہے۔  
یہ ضرور تسلیم کرنا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ کا جو تخیل بلحاظ صفات، قدرت، علم، عام رُبوبیت اور وحدانیت کے قرآن میں موجود ہے اس بنا پر قرآن بہترین تعریف اور توصیف کا مستحق ہے اس کتاب میں آسمان و زمین کے واحد خدا پر کامل یقین اور بھروسہ کی گہری اور پر جوش تعلیم موجود ہے قرآن نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اس کتاب کی تعلیم میں ایسے عناصر موجود ہیں جن کے ذریعہ سے زبردست اقوام اور فتوحات کرنے والی سلطنتیں بن سکتی ہیں۔ قرآن مجید اس قوت عظیم کا حامل ہے اور اس کی تعلیم میں وہ اصول موجود ہیں جو عملی قوتوں کا سرچشمہ ہے۔ یہ حیثیت ایک مجموعہ قوانین ہونے کے اور بحیثیت اپنی مذہبی نظام تعلیم کے اس کتاب کی فوقیت اور خوبیوں کا اندازہ ان تبدیلیوں سے ہو سکتا ہے جو اس کی کتاب کے ذریعہ سے ان لوگوں کے عادات و اطوار اور عقائد میں واقع ہوئیں۔ جنہوں نے اس کتاب کو قبول کیا۔ قرآن بے شک اپنے پیرو کے لئے باعث رحمت اور برکت ہے۔“

حضرات! میں اس بحث کو پوری طرح بیان کرنا چاہوں تو عرصہ دراز کی ضرورت ہوگی۔ غیر مسلموں کی شہادات کا ہمارے پاس کافی ذخیرہ موجود ہے مگر میں سمجھتا

ہوں کہ عاقل کے لئے یہ چند نمونے کافی ہو گئے۔ جو اس وقت پیش کئے گئے۔ تو کیا اس وقت میں یہ کہہ دینے میں حق بجانب نہ ہوں گا کہ ہمارے نو تعلیم یافتہ مسلمان بھائی جو دوسروں کی تقلید کو ذریعہ ترقی اور دیگر اقوام کی در یوزہ گری کو سبب عروج سمجھتے ہیں۔ در حقیقت انہوں نے قرآن کو اتنا بھی نہیں سمجھا، جتنا امریکہ اور یورپ کے عیسائی محققین نے سمجھا ہے ہمارے یہ بھائی اپنی گھر کی دولت سے اس قدر غافل ہیں کہ دیگر اقوام ان سے کہیں زیادہ اس سے خبردار ہیں۔ اقوام عالم فیصلہ کر چکی ہیں کہ مسلمانوں کی ترقی و عروج کا راز قرآن کریم کی تعلیم میں مضمر ہے مگر خود مسلمانوں کی بے خبری ملاحظہ ہو کہ دریائے شیریں کے کنارے پر بیٹھے ہوئے پیاسے ہیں، بس اب مجھ کو اپنی تقریر ختم کر دینا چاہیے کہ وقت بھی پورا ہو گیا ہے اور جو کچھ بھی میں کہنا چاہتا تھا وہ بھی بقدر ضرورت ادا ہو گیا ہے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا مولینا محمد و  
 علی الہ و اصحابہ و اہل بیتہ اجمعین۔ و آخر دعوانا ان  
 الحمد لله رب العالمین۔



پاکستان اور قرآن





## ﴿پاکستان اور قرآن﴾

از حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ

یہ مضمون حضرت مولانا موصوف نے اسلامک سیمینار کے لئے لکھ کر بھیجا تھا۔

جو کہ ۱۰، ۹، ۸ ستمبر کو ڈھاکہ میں منعقد ہوئی۔

اس کانفرنس کے انعقاد میں گورنر مشرقی بنگال اور وزراء شریک تھے۔ اس حیثیت سے یہ مضمون نہایت اہم ہے کہ اس میں حکومت اور عوام ہر دو کو اپنے اپنے فرائض کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اگر اہلیان پاکستان اس قرآنی پروگرام کو اپنالیں جو اللہ تعالیٰ نے اس مختصر سی سورت یعنی سورۃ الکوتر میں بیان فرمائی ہے اور جس کی بہترین تفسیر اور تشریح نہایت واضح اور سہل الفاظ میں حضرت مولانا موصوف نے بیان فرمائی ہے تو آج ہی پاکستان کا مستقبل روشن ہو سکتا ہے۔

اب چونکہ اسلامی دستور کی بنیاد رکھی جا چکی ہے۔ اس لئے اس مضمون کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ ضرورت ہے کہ اس مضمون کو ہزاروں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں طبع کر کے ہر پاکستانی کے ہاتھ پہنچایا جائے۔ ہم حضرت مولانا کے بے حد ممنون ہیں کہ انہوں نے میں ضرورت کے وقت پر اس مقالہ کو مرتب فرما کر ادارہ الصدیق کو نشر کے لئے عطا فرمایا۔ جزا ہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

عن قریب ادارہ نشر و اشاعت اس مضمون کو رسالہ کی شکل میں طبع کرے گا۔

انشاء اللہ تعالیٰ (ادارہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

۰ اِنَّا اَعْطٰیْکَ الْکُوْثَرَ ۰ فَصَلِّ لِربِّکَ وَاَنْحَرُ ۰ اِنَّ

شَانِکَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۰ ۰

## تمہید

حضرات! اس وقت ہم جس غرض کے لئے جمع ہوئے ہیں وہ بڑا عظیم الشان مقصد ہے۔ اور اگر آج ہم نے اس مقصد کا راستہ اتفاق کے ساتھ طے کر لیا تو یقیناً جاننے کہ یہ اس اجتماع کا بڑا کارنامہ ہوگا۔ جو آئندہ نسلوں کے لئے مشعل راہ ثابت ہوگا۔

## چند ذہنی سوالات و شبہات

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس وقت پاکستان جس نازک دور سے گزر رہا ہے وہ سخت پریشان کن ہے جس کی وجہ سے بعض لوگوں کے دلوں میں اس قسم کے سوالات پیدا ہونے لگے ہیں کہ پاکستان کے وجود سے مسلمانوں کو کیا فائدہ پہنچا۔ پاکستان بننے سے پہلے مسلمانوں کی ذہنی اور اخلاقی اور اقتصادی حالت کیسی تھی؟ پاکستان بننے کے بعد اس میں کچھ ترقی، ہوئی یا تنزل ہوا؟ پاکستان کا مستقبل روشن ہے یا تاریک؟ کیا پاکستان میں کسی جدید انقلاب کے نمودار ہونے کا خطرہ ہے؟ پاکستان کے موجودہ ادبار کا علاج کیا ہے؟ دنیا میں خصوصاً عالم اسلام میں پاکستان کی ساکھ قائم ہونے کا کیا طریقہ ہے؟ یہ سوالات اور اس قسم کے دوسرے خیالات لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو رہے تھے۔ مگر حکومت کی طرف سے خاموشی ہی خاموشی تھی جس سے یہ گمان ہونے لگا تھا کہ ہمارا برسرِ اقتدار طبقہ انجام کی طرف سے بالکل غافل ہے۔ اسے کچھ خبر نہیں کہ پاکستان ترقی کر رہا ہے یا تنزل کی طرف جا رہا ہے۔ پاکستان کے باشندے اپنے مستقبل کی طرف مطمئن ہیں یا پریشان؟ مقامِ شکر ہے کہ یہ گمان غلط ثابت ہوا۔ حکومت نے اس اجتماع کو دعوت دے کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ پاکستان کی ترقی اور تنزل اور مستقبل کی طرف سے غافل نہیں، اس کو نزاکتِ حال کا احساس ہے اور اس کے علاج کا بھی فکر ہے۔ اس لئے ہمارا فرض ہے کہ حقیقتِ حال کو صاف صاف بیان کر کے اس مقصد کو پورا کرنے کی کوشش کریں جس کے لئے یہ اجتماع بروئے کار لایا گیا ہے۔

## پاکستان سے قبل مسلمانوں کی حالت

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ وجودِ پاکستان سے پہلے متحدہ ہندوستان میں مسلمانوں کی ذہنی و اخلاقی اور اقتصادی حالت اچھی تھی مگر سیاسی حیثیت سے وہ محض ایک اقلیت تھے۔ اس لئے قومی اندیشہ تھا کہ وہ متحدہ ہندوستان میں کمزور سے کمزور تر ہو جائیں گے۔ اسی لئے حصولِ پاکستان کی جدوجہد کی گئی تاکہ ان کا دین، مذہب، تمدن، کلچر، زبان محفوظ رہے وجودِ پاکستان سے ایک نئی اسلامی سلطنت نقشہ عالم پر ظہور پذیر ہو گئی۔ جو بقیہ تمام اسلامی سلطنتوں میں سب سے بڑی ہے۔ اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ پاکستان بننے کے وقت پاکستانی مسلمانوں میں بہت زیادہ اتفاق و اتحاد تھا۔ ہر شخص خلوص دل سے پاکستان کی ترقی میں کوشاں تھا۔ ذاتی مفاد کو پاکستان کے مفاد پر قربان کر رہا تھا۔ جذبہ داری، اقربانوازی، وغانا، فریب، رشوت وغیرہ سے احتراز کیا جا رہا تھا۔ شعائر اسلام کا احترام تھا اور پاکستان کو حقیقی معنوں میں اسلامی مثالی حکومت بنانے کا جذبہ ترقی پر تھا۔ جس کے نتیجے میں ”قرارداد مقاصد“ دنیا کے سامنے آگئی اور دیکھتے ہی دیکھتے چند سال کے عرصہ میں پاکستان نے یہ مقام حاصل کر لیا جو دوسری سلطنت دس سال میں بھی حاصل نہ کر سکتی تھی۔ حالانکہ شروع میں پاکستان کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ مگر اتحاد و اتفاق اور خلوص و اخلاص اور شعائر اسلام کے رقبہ نے مشکلات کے باوجود پاکستان کو دن دو دن رات چوگنی ترقی سے ہم کنار کر دیا۔ ہمارا ہمسایہ ملک مرعوب تھا اور فوجی سامان کی قوت و طاقت کا لوہا مان چکا تھا۔

قائد ملت کی کوشش تھی کہ تمام ممالک اسلامی باہم متحد ہو کر ایک جان ہو جائیں۔ اگر وہ اس مقصد میں کامیاب ہو جاتے تو آج دنیا بجائے دو کیمپوں میں تقسیم ہونے کے تین کیمپوں میں تقسیم ہو جاتی۔ مسلمان و امریکہ و روس۔ مگر افسوس! اب ہم بجائے مستقل کیمپ ہونے کے انہی دو کیمپوں میں سے کسی ایک میں شامل ہونے کا خواب دیکھ رہے ہیں۔

## پاکستان کی موجودہ حالت

لوگ کہتے ہیں پاکستان ترقی کر رہا ہے اور ترقی کے نشانات میں کاغذ مل، جوت مل، شوگر مل، سوئی گیس اور کوئٹہ بیراج کا نام لیا جاتا ہے مگر بحیرہ رین کی نظر میں یہ ایسی ترقی نہیں جس پر ناز کیا جائے کیونکہ دوسری طرف وہ ہندوستان کو مسندِ شمشیر میں پہلے سے زیادہ بے باک اور دلیر پاتے ہیں۔ پاکستان کی کیمنٹ میں آنے دن تبدیلی سے دنیا ہمارا مذاق اڑا رہی ہے۔ دستور آج تک مکمل نہیں ہوا جس کی وجہ سے مکمل آزادی کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔ پاکستان میں اس وقت کوئی ایسا لیڈر نہیں جو قوم کا محبوب ہو جس کے ایک اشارہ پر قوم ہر قسم کی قربانی دینے کو تیار ہو جائے۔ حکومت اور رعیت میں وہ ارتباط نہیں جس سے دوسرے مرعوب ہوں۔ عصیت کا دور دورہ ہے۔ اتحاد و اتفاق ہمدردی و اخوت مفقود ہے۔ ہر شخص کو اپنا ذاتی مفاد پیش نظر ہے پاکستان کی بربادی یا آبادی سے کچھ غرض نہیں۔ اقتصادی اعتبار سے بھی اکثریت تنزل ہی میں ہے۔ ایک خاص طبقہ کلیدی اسمیوں پر قابض ہے۔ اقربا نوازی، جنبہ داری، صوبانیت سے کام ہو رہا ہے۔ اہلیت اور قابلیت کو نظر انداز کیا جا رہا ہے جس کے پاس کچھ وسائل ہیں وہ کامیاب ہے اگرچہ نا اہل ہو۔ جس کے پاس وسائل نہیں وہ ناکام ہے گو کیسا ہی قابل ہو۔ زمام اقتدار ان لوگوں کے ہاتھ میں ہے جنہوں نے حصول پاکستان کے لئے کچھ بھی جدوجہد نہیں کی بلکہ بعض تو اس نظریہ ہی کے خلاف تھے۔ ظاہر ہے کہ ان لوگوں کو پاکستان کا درد نہیں ہو سکتا۔ نہ ان کو اس مقصد سے ہمدردی ہو سکتی ہے جس کے لئے پاکستان حاصل کیا گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ دو تین سال کے اندر متعدد انقلابات سے پاکستان کو دو چار ہونا پڑا۔ اگر یہی لیل و نہار ہیں تو مستقبل روشن نہیں بلکہ سخت تاریک ہے اور ہر دم حدید انقلاب کا خطرہ لگا ہوا ہے۔

## آسمانی آفتیں

قدرتِ آسمانی آفتوں سیلاب وغیرہ کے ذریعہ ہم کو بار بار تنبیہ کرتی ہے مگر کوئی

نہیں سمجھتا کہ یہ آفتیں ہماری شامت اعمال کا نتیجہ ہیں۔ ان کو محض اتفاقات پر محمول کر لیا جاتا ہے حالانکہ قرآن میں صاف صاف کہہ دیا گیا ہے کہ جو مصیبت بھی آتی ہے ہمارے اعمال کی وجہ سے آتی ہے۔

﴿وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ ۝ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ ط وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۝﴾

حضرات! میں آپ کو بتلا دینا چاہتا ہوں کہ ہندوستان میں سیلاب کی تباہ کاریوں کا واحد سبب حیدر آباد و جونا گڑھ اور کشمیر پر اس کا ناجائز قبضہ ہے اور مسلمانان ہندوستان پر ظلم و ستم۔ وہ اس ظلم سے باز آ جائے تو یہ مصیبت خود ہی ٹل جائے گی اور پاکستان میں سیلاب وغیرہ کی تباہ کاری کا واحد سبب وہ وعدہ خلافی ہے جو دستور اسلامی اور قانون شرعی کے اجراء میں تاخیر کی جارہی ہے۔ پاکستان میں آج قانون شرعی کا اجراء کر دیا جائے، شراب خانے، قحبہ خانے، سینما اور فلم سازی، بے حیائی، بے پردگی، رشوت و ظلم وغیرہ وغیرہ بند کر دیئے جائیں اسی وقت یہ آفتیں دور ہو جائیں گی۔ خدا کو ناراض کر کے ہم جتنی بھی ترقی کریں گے وہ دم کے دم میں اس کو ملیا میٹ کر کے رکھ دے گا۔ مگر افسوس ہے کہ آج ہم خدا کی قدرت کو بھلا بیٹھے ہیں۔

### سورت کی تفسیر

اس تمہید کے بعد میں اس سورت کی تفسیر کرنا چاہتا ہوں جو میں نے شروع میں تلاوت کی تھی جس میں بہت اختصار کے ساتھ بڑے بلیغ عنوان سے مسلمانوں کو سہل راستہ بتلایا گیا ہے جس پر چل کر وہ بہت جلد کامیاب ہو جائیں اور ان کے دشمن ناکام و دم بریدہ ہو جائیں۔

یہ بات خیال میں رکھی جائے کہ اس سورت کا نزول منیٰ میں ہوا ہے جہاں حج کے موقع پر ہر طرف کے آدمی جمع ہوتے ہیں۔ اس میں اشارہ ہے کہ اس سورت کے

مضمون کو ایسے اجتماعات میں ضرور بیان کیا جائے جہاں ہر طرف سے نمائندے جمع ہوں تاکہ وہ اطراف عالم کے مسلمانوں میں اس کو پھیلائیں اور اس پر عمل کرنے کے لئے سب کو ابھاریں۔ کسی بات کا پھیلا دینا ہی کافی نہیں بلکہ اس پر عمل کرنا اور ساری قوم کو مل کر عمل کرنا ضروری ہے۔ اسی وقت ثمرہ مرتب ہو سکتا ہے۔ اس لئے اس اجتماع ہونے والے ارکان کو سب سے پہلے اس سورت کے مضمون پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو جانا چاہیے۔ پھر قوم میں پوری طرح اشاعت کر کے اس کو بھی اس پر عمل پیرا کرنا چاہیے۔ ورنہ محض تقریر و گفتار پر کفایت کر کے اجتماع کو ختم کر دینا نشستند و گفتند کا مصداق ہوگا جیسا کہ آج کل ہمارے اکثر اجتماعات کا یہی حشر ہو رہا ہے اسی لئے کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔

اب سنئے اس سورت میں تین آیتیں ہیں۔ دو آیتوں میں طریق عمل بتلایا گیا ہے تیسری میں ثمرہ اور نتیجہ کا ذکر ہے۔ پہلی آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ اے رسول! ہم نے آپ کو بہت بڑی خیر دی ہے جس سے قرآن کریم مراد ہے۔ دوسری آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ پھر آپ اپنے پروردگار کے لئے نماز پڑھتے رہئے اور قربانی کرتے رہئے۔ تیسری آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ یقیناً آپ کا دشمن ہی دم بریدہ ہے بے نام و نشان ہے (آپ ان اعمال کے ساتھ ناکام نہیں ہو سکتے)

### (تفسیر پہلی آیت) ”قرآن کریم سب سے بڑی خیر“ ہے

پہلی آیت میں قرآن کو ”سب سے بڑی خیر“ کہا گیا ہے۔ مسلمانوں کو لازم ہے کہ اس کے متعلق اپنے عقیدہ کو پختہ کریں، قرآن ہی کو بڑی خیر سمجھیں اور عقیدہ وہی پختہ ہے جس کا ثبوت عمل سے بھی ہو رہا ہو۔ حکومت پاکستان کو اپنے عمل سے اس کا ثبوت دینا چاہیے کہ اس کے نزدیک قرآن ہی سب سے بڑی خیر ہے انسان جس چیز کو سب سے بڑی خیر سمجھتا ہے اس کا اہتمام و احترام سب سے زیادہ اور سب سے پہلے کرتا ہے۔ اگر ہم واقعی قرآن کو سب سے بڑی خیر سمجھتے ہیں تو ہم کو اس کی تعلیم و تحصیل اور تحقیق اور

مدیر کا سب سے پہلے اور سب سے زیادہ اہتمام کرنا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں یَرْفَعُ اللَّهُ بِهِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهِ الْآخَرِينَ کہ قرآن کی وجہ سے حق تعالیٰ بہت سی قوموں کو رفعت و بلندی عطا فرماتے ہیں (جو اس کو سب سے بڑی خیر سمجھ کر اس کے سمجھنے اور اس کے موافق عمل کرنے کا اہتمام کرتی ہیں) اور بعض قوموں کو پستی اور ذلت کی طرف پہنچا دیتے ہیں (جو قرآن کو پس پشت ڈال کر دوسرے علوم کو مقدم کرتے اور ان کا زیادہ اہتمام کرتے ہیں)

حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے پاس جب کوئی مسجد میں آ کر بیٹھتا وہ اس سے یہ دریافت کیا کرتے تھے کہ تمہارے پاس قرآن کا کتنا حصہ ہے؟ تاکہ ہر شخص سے اس کے درجہ کے موافق برتاؤ کیا جائے۔ ان کے نزدیک فضیلت کا معیار قرآن ہی تھا۔ جس کو جتنا حصہ قرآن سے حاصل ہوتا اسی کے موافق اس کی عزت کی جاتی تھی۔ آج کل معاملہ برعکس ہے۔ فضیلت کا معیار ہی بدل گیا۔ جو اصلی معیار تھا اس کو نہ صرف بھلا دیا گیا بلکہ اس کو حقیر سمجھا جاتا ہے۔ ہمارے اسلاف نے کتاب الہی کی پوری عظمت و عزت کی تھی تو خدا نے بھی ان کو وہ عزت و شوکت دی جس کی نظیر تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ جب سے ہم مسلمانوں نے قرآن کی عظمت اپنے دلوں میں کم کر دی خدا نے بھی ان کی عزت و دنیا والوں کے دلوں سے نکال دی۔

وہ معزز تھے زمانے میں مسلمان ہو کر

اور ہم خوار ہوئے تارک قرآن ہو کر

﴿إِنَّكَ الْكَلْبُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِلْمُتَّقِينَ﴾

”یہ کتاب کامل ہے اس میں ذرا بھی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ جن

کے دل میں اللہ کا خوف ہے ان کے لئے ہدایت ہے۔“

قرآن مضبوط محبت ہے، ہمیشہ رہنے والا معجزہ ہے یہ ہم کو انسان کی ابتداء و انتہا

کی خبر دیتا ہے۔ یہ بتاتا ہے کہ انسان کیا ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ کیوں آیا ہے؟ اس کی

ڈیوٹی کیا ہے؟ کہاں جانے والا ہے؟ نیک انجام اور بد انجام سے خبر دار کرنے والا ہے،



قوموں کے تنزل و ترقی کے اسباب کو روشن دلائل سے بیان کرتا ہے۔ چپے ہوئے مجیدوں کو ظاہر کرتا ہے۔ جس نے اس کی ہدایت پر عمل کیا اس نے نجات پائی، نفع حاصل کیا، دنیا میں بھی چین پایا، مرنے کے بعد بھی راحت سے ہمکنار ہوا جو اس سے ہٹ گیا پشیمان ہوا، خدا سے الگ ہو گیا، اور اپنے کو بھی بھول گیا۔ نَسُوا اللَّهَ فَنَسِيَهُمْ أَنْفُسَهُمْ أُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝ جو اس پر عمل کرتا ہے خدا اس کے ساتھ ہوتا ہے اور جس کے ساتھ خدا ہو اس کی کامیابی میں کیا شبہ ہے؟ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ ۝

### قرآن مجید کے ساتھ روحانیت زندہ ہے

بزرگو! جب تک قرآن دنیا میں موجود ہے روحانیت باقی رہے گی۔ اگر یہ اٹھا لیا گیا جیسا حدیث میں آتا ہے ایک دن قرآن دنیا سے اٹھالیا جائے گا اس وقت دنیا مادیت سے بھر جائے گی اور مخلوق کمر اہی میں بھٹکتی اور راہ حق سے بھٹکتی رہے گی۔ آج کل سب مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ اس وقت وہ روحانیت باقی نہیں رہی جو پہلے تھی بلکہ مادیت کا غلبہ ہے مگر کسی کو اصل حقیقت کا پتہ نہیں کہ روحانیت کا سرچشمہ کہاں ہے؟ ایک زمانہ میں قرآن کے سمجھنے والے بھی زیادہ تھے پڑھنے والے اور عمل کرنے والے بھی بہت تھے اس وقت کا تو پوچھنا ہی کیا؟ اس کے بعد دوسرا زمانہ آیا جس میں سمجھنے والے عمل کرنے والے کم اور پڑھنے والے زیادہ تھے۔ اس وقت بھی مسلمانوں کی حالت آج سے بہتر تھی۔ اب یہ تیسرا زمانہ ہے کہ قرآن کے سمجھنے والے بھی کم عمل کرنے والے بھی کم اور پڑھنے والے بھی کم ہیں۔ بلکہ بعض تو اس کے پڑھنے پڑھانے کو بے فائدہ سمجھتے ہیں تو کیا ہم اپنی اس بے توجہی اور بے پروائی سے یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ قرآن کی ضرورت نہیں رہی اور اس کو اٹھالیا جائے؟ مگر یاد رکھو اگر خدا نے قرآن کو دنیا سے اٹھالیا تو مسلمانوں کی کچھ بھی بستی اور قیمت باقی نہ رہے گی۔ مجھے امید نہیں ہے کہ کوئی مسلمان بھی اس کو گوارا کر سکتا ہے کہ قرآن دنیا سے اٹھالیا جائے۔

## قرآن کریم کی طرف سب کو توجہ کرنی چاہیے

پھر سب کو مل کر اس کی طرف توجہ کرنی چاہیے جس کا طریقہ خود قرآن ہی نے بتلادیا ہے۔

﴿كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنْكُمْ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا  
وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمُ  
مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ﴾

”جیسا ہم نے تمہارے اندر تم ہی سے ایک رسول بھیجا جو تمہارے سامنے ہماری آیات کی تلاوت کرتا ہے اور تمہارا تزکیہ کرتا ہے اور تم کو کتاب اللہ کی تعلیم دیتا ہے اور حکمت کی باتیں سکھاتا ہے اور تم کو وہ باتیں بتلاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔“

اس میں قرآن کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند فرائض بتلائے گئے ہیں اول تلاوت آیات - (۲) تزکیہ ظاہر و باطن (۳) کتاب اللہ کی تعلیم (۴) حکمت کی تعلیم (۵) ایسی باتیں بتلانا جو بغیر آپ کے بتلائے کوئی بھی قرآن سے نہ سمجھ سکتا تھا۔ اگر ہم قرآن پر توجہ کرنا چاہتے ہیں تو ان پانچوں اجزاء کو جمع کرنا چاہیے۔ تلاوت قرآن کا اہتمام کرنا چاہیے۔ سرکاری اسکولوں میں قرآن کی صحیح تلاوت کا انتظام کیا جائے اس کو بے کار نہ سمجھنا چاہیے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے آیات قرآن کی تلاوت ہی کا فرض ادا کیا ہے اور تجربہ کر کے دیکھ لیا جائے کہ صرف قرآن کی تلاوت سے بھی دل کو راحت اور سکون و اطمینان حاصل ہوتا ہے کیونکہ یہ ذکر اللہ کی اعلیٰ فرد ہے اور ذکر اللہ سے قلوب کو اطمینان حاصل ہونا قرآن کا دعویٰ ہے اور خدا کی بات اٹل ہے جس کا خلاف ناممکن ہے۔ اَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ۔ یہ تو سمجھدار آدمی کی تلاوت کا فائدہ ہے اور بچوں کو ابتداء میں قرآن پڑھانے سے ان کا ذہن تیز اور صاف ہوتا ہے بچپن ہی سے ان کو کتاب اللہ کے ساتھ تعلق ہوگا تو ان کے دل میں جذبہ دینی جڑ پکڑ لے گا۔ اس کے بعد تعلیم قرآن کا اہتمام کیا جائے۔ اس کے معانی و مطالب سے

اسکولوں اور کالجوں کے طلبہ کو باخبر کیا جائے جس کے لئے ماہرین تعلیم قرآن کی خدمات حاصل کی جائیں۔ سرکاری ملازموں اور حکمران طبقہ کے لئے بھی انتظام کیا جائے کہ وہ بھی معافی و مطالب قرآن سے واقف ہوں اور یہ واقفیت صرف ترجموں اور تفسیروں کے مطالعہ سے حاصل نہ ہوگی باقاعدہ پڑھنے سے ہوگی۔ حدیث میں ہے۔

﴿انما العلم بالتعلم﴾

”علم تو سیکھنے ہی سے آتا ہے“

تجربہ شاہد ہے کہ از خود ترجمے دیکھنے سے نہ کوئی حج بن سکتا ہے نہ ڈاکٹر نہ طبیب اور نہ بیرسٹر ہر علم باقاعدہ سیکھنے ہی سے آتا ہے۔ بغیر استاد کے تو قرآن کا صحیح پڑھنا بھی نہیں آتا سمجھنا تو بہت دور ہے اور اس سے وَلَقَدْ يَسِّرْنَا الْقُرْآنَ کے تعارض شبہ نہ کیا جائے۔ کیونکہ کسی چیز کے آسان ہونے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس کے لئے ارادہ اور ہمت اور طلب اسباب کی بھی ضرورت نہ ہو۔ قرآن کریم قوم عرب کی زبان میں ہے مگر ان کو بھی تعلیم رسول کی احتیاج تھی۔ اسی لئے يَسْلُوْا عَلَيْهِمُ الْيَتَا کے بعد وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ فرمایا گیا ہے۔ اور بھلا جس کو قرآن کی حقیقت ہی معلوم نہیں نہ اس کے نازل ہونے کو جانتا ہے نہ نازل کرنے والے کو پہچانتا ہے نہ اس کو جس پر قرآن نازل ہوا وہ قرآن کو کیا سمجھے گا؟

قرآن ایک بحر محیط ہے جس کے کناروں پر غیر و اگر ہر قسم کی خوشبوئیں ہیں اس کے درمیانی جزیروں میں قسم قسم کے جواہرات ہیں قرآن کا ایک ظاہر ہے ایک باطن۔ ایک حد ہے ایک مطلع۔ ان ہی چار بنیادوں پر قرآن کا سمجھنا موقوف ہے۔ ظاہر تو یہی عبارت ہے جو نازل کی گئی۔ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ۔ باطن وہ ہے جس کو تفسیر کہا جاتا ہے۔ جیسا حدیث میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے متعلق وارد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں یہ دعا کی تھی۔

اللهم فقهه في الدين و علمه ناول الكتاب

”اے اللہ! ان کو دین کی سمجھ دے۔ اور کتاب اللہ کی تفسیر کا علم دے۔“

یہ دعا قبول ہوئی اور عبداللہ بن عباسؓ حبر الامۃ اور ترجمان القرآن کے لقب سے ممتاز ہوئے۔

حدودہ مقام ہے جہاں سمند عقل کی باگ روک دینا اور ٹھہر جانا ضروری ہے۔  
 نہ ہر جائے مرکب تو اس تاخیر  
 کہ جاہا سپر باید انداختن  
 یہی وہ موقعہ ہے جو تشبیہ اور تعطیل کو الگ الگ کر دیتا ہے کہ انسان نہ تو خدا کو مخلوق کے مشابہ سمجھے نہ صفات سے خالی اور معطل۔

مطلع، وہ دروازہ ہے جس سے کشف والہام غیبی اور روحانی روشنی حاصل ہوتی ہے جو سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھی اور آپؐ کے بعد اس عالم مومن کو اس سے حصہ ملتا ہے جو تقویٰ کے ساتھ کمال اتباع سنت سے رنگا ہوا ہو۔

قرآن کی حقیقت کو وہی جان سکتا ہے جس کو الہام اور مشاہدہ سے حصہ ملا ہو جس کا دم تمام روگوں سے صحیح سالم اور سچا تابع دار ہو کر اللہ کے آگے جھک گیا ہو۔ قَالَ  
 اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ۔

﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرًا لِّمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌۭ﴾

”بے شک قرآن میں اس شخص کے لئے نصیحت ہے جس کے پاس (اچھا) دل ہو یا توجہ کے ساتھ (اہل دل کی باتوں کی طرف) کان جھکا دے۔“

قرآن سمجھنے کا پہلا درجہ یہ ہے کہ قرآن کی عبارت کو سمجھے۔ زبان عربی کے قواعد نحو و بلاغت وغیرہ سے واقف ہو۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ علم تفسیر میں مہارت حاصل کرے۔ تفسیر کی بنیاد عبارت قرآن ہی ہے اس لئے صحیح تفسیر عبارت کی موافقت سے باہر نہیں ہو سکتی ورنہ قرآن کا مطلب کچھ سے کچھ ہو جائے گا اور ہر شخص جو چاہے گا مطلب بنا لے گا۔ جیسا آج کل بعض مدعیان فہم قرآن کی تفسیروں کا حال ہے کہ وہ عبارت قرآن ہی کو

نہیں سمجھتے اور ایسی تفسیر کرتے ہیں جو عبارات قرآن سے اصلاً موافقت نہیں کرتی۔ تیسرا درجہ درمیانی ہے یعنی اس حد کو معلوم کرنا جو قرآن کی ظاہری عبارت اور باطنی تفسیر کو جامع اور تشبیہ و تعطیل وغیرہ سے مانع ہے۔ چوتھا درجہ یہ ہے کہ قرآن کا نور تقویٰ کے ساتھ مطالعہ کیا جائے اور ظاہر ہے کہ یہ نور سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھا۔ تو سب سے پہلے اس تفسیر کو معلوم کرنا ضروری ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث میں منقول ہے۔ اسی راستہ سے یہ نور حاصل ہوتا ہے جو متقی علماء کے سوا کسی کے پاس نہیں پایا جاتا۔ **وَاتَّقُوا اللَّهَ وَيَعْلَمُ اللَّهُ**

### تفسیر رسول کے خلاف قرآن کی نئی تفسیر مقبول نہیں

قرآن میں کہا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ”کتاب اللہ“ کے ساتھ حکمت کی بھی تعلیم دیتے ہیں اس سے مراد وہی علوم ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن سے سمجھے ہیں جن کو دوسرے نہیں سمجھ سکتے تھے۔ **وَيَعْلَمُكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ** اب جو لوگ تفسیر رسول کے خلاف قرآن کی نئی تفسیر کرتے ہیں وہ اپنے آپ کو رسول کے برابر یا ان سے بھی بڑھ کر سمجھتے ہیں ان کو اپنے ایمان کی خیر منانا چاہیے۔ تعلیم قرآن کے ساتھ ساتھ ہمیں خود کو اور اپنے طلبہ کو تقویٰ اور پاکیزہ اخلاق کا عادی بنانا چاہیے جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو متقی اور پاکیزہ اخلاق، نیک کردار، خوش اطوار بنادیا تھا، اگر قرآن کو سمجھ کر پڑھا اور پڑھایا جائے تو اس سے خوف خدا ضرور پیدا ہوگا جس کا لازمی نتیجہ تقویٰ اور پاکیزگی اخلاق ہے۔

### (تفسیر دوسری آیت) نماز

دوسری آیت میں اول نماز کا حکم ہے **فَصَلِّ لِرَبِّكَ** اہل علم جانتے ہیں کہ عربی زبان میں حرف فاء ترتب کے لئے آتا ہے جس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اگلا مضمون پہلے مضمون پر مرتب ہے۔ اس میں بتلایا گیا ہے کہ جب ہم نے تم کو اتنی بڑی خیر دی ہے تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ اپنے رب کے لئے نماز پڑھو۔ یہ قرآن کا بھی تقاضا ہے۔ چنانچہ

قرآن میں سینکڑوں جگہ نماز کی تاکید آئی ہے اور امت کا بھی اتفاق ہے کہ طاعات بدنہ میں سب سے افضل اور سب سے مقدم نماز ہے۔ یہ ایمان کا تقاضا ہے لا الہ الا اللہ کے معنی یہی ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ تنہا ہی عبادت کے لائق ہے۔ تو ہر مسلمان کو عمل سے اس کا ثبوت دینا چاہیے کہ وہ اللہ ہی کی عبادت کرتا ہے جس کا طریقہ یہ ہے کہ نماز کی پابندی کی جائے۔ نماز ہی سے اسلام ظاہر ہوتا ہے۔ حدیث میں صاف اعلان ہے کہ ہمارے اور مشرکین و کافرین کے درمیان امتیاز پیدا کرنے والی چیز نماز ہی ہے جو مسلمان نماز نہیں پڑھتا اس کا ظاہر کافروں سے ممتاز نہیں۔ دوسری حدیث میں ارشاد ہے۔

### ﴿لا خیر فی دین لا صلوة فیہ﴾

”جس کے دین کے ساتھ نماز نہ ہو اس میں کچھ خیر نہیں۔“

نماز سے دل کو راحت، اطمینان اور قوت حاصل ہوتی ہے۔ وہ بے حیائی اور برے کاموں سے روک دیتی ہے۔ بشرطیکہ اللہ کے واسطے نماز ہو۔ یعنی اس طرح ادا کی جائے کہ جس کو دیکھ کر ہر شخص محسوس کرے کہ یہ اللہ کے لئے نماز پڑھ رہا ہے۔ افسوس ہے کہ مسلمانوں نے نماز کی طرف سے توجہ ہٹالی ہے۔ بہت سے تو نماز پڑھتے ہی نہیں اور جو پڑھتے ہیں وہ بھی اس طرح نہیں پڑھتے جیسی اللہ کے لئے نماز پڑھنی چاہیے۔ نہ خشوع ہے نہ خضوع، نہ دل کو نماز کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے۔ نماز میں علاوہ انفرادی مصالح کے اجتماعی مصالح بھی بہت ہیں۔ جو نماز باجماعت سے حاصل ہوتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء اسلام نمازوں میں خود امام بنتے تھے۔ اسی طرح ہر حاکم پانچ وقت مسلمانوں کو خود نماز پڑھاتا تھا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ سب مسلمان نماز کے پابند تھے۔ کیونکہ حکومت جس کام کی پابند ہوتی ہے رعایا کو بھی اس کا اہتمام ہوتا ہے۔ پھر اس صورت میں ہر حاکم اور خلیفہ پبلک کا آدمی ہو جاتا ہے پبلک سے جدا نہیں معلوم ہوتا۔ اس طرح حاکم و محکوم میں ارتباط اور تعلق یگانگت پیدا ہوتا ہے اور رعایا کے قلوب میں حکام سے محبت پیدا ہوتی ہے۔



## حکومت پاکستان کو عوام سے شکایت اور اس کے ازالہ کی صورت

آج کل حکومت پاکستان کو یہ شکایت ہے کہ عوام حکومت کے ساتھ تعاون نہیں کرتے۔ اگر وہ عوام کا تعاون دل سے چاہتی ہے تو اوپر سے نیچے تک تمام کام نماز باجماعت کی پابندی شروع کر دیں اور نماز پڑھانے کا طریقہ سیکھ کر خود نماز پڑھائیں۔ انشاء اللہ چند روز میں معلوم ہو جائے گا کہ عوام حکومت کے ساتھ کس درجہ تعاون پر آمادہ ہوتے ہیں۔ تعلیمات قرآن کی خوبی ہی یہ ہے کہ ان پر عمل کرنے سے ہر مسلمان کی انفرادی حالت بھی درست ہوتی ہے اور اجتماعی حالت بھی ترقی پذیر ہوتی ہے۔ چونکہ یہ سورت مکی ہے اس لئے اس میں روزہ اور زکوٰۃ و حج کا ذکر نہیں کیا گیا کہ یہ اعمال بعد کو مدینہ میں نازل ہوئے ہیں اس لئے یہ سمجھنا چاہیے کہ اس سورت میں اعمال بدنیہ میں سے صرف نماز کو اس لئے بیان کیا گیا کہ وہ بہت مہتمم بالشان ہے جو اس کی پوری پابندی کرتا ہے وہ دوسرے اعمال کو بھی شوق سے کرنے لگتا ہے۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنے عمال کو ایک خط لکھا تھا:-

ان اہم امور کم عندی الصلوٰۃ فمن حافظ علیہا کان

لما سواہا احفظ ومن ضیعہا کان لما سواہا اضع

”مجھے تمہارے تمام کاموں میں سب سے زیادہ فکر نماز کا ہے کیونکہ

جو اس کی پوری پابندی کرتا ہے وہ دوسرے کاموں کی بھی خوب

نگہداشت کرتا ہے اور جو اس کو برباد کرتا ہے وہ دوسرے کاموں کو

زیادہ برباد کرتا ہے۔“

اگر نماز قاعدہ سے ادا کی جائے تو اس کی یہی خاصیت ہے کہ اس سے سب

کاموں کی نگہداشت کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔

## تفسیر تیسری آیت (زکوٰۃ و قربانی)

اس کے بعد قربانی کا حکم ہے کہ اللہ کے لئے قربانی کرو۔ اس میں طاعات مالیہ



کی تاکید ہے کہ طاعات بدنہ کے ساتھ طاعات مالیہ کا بھی اہتمام کیا جائے۔ چونکہ مکہ میں قربانی ہی واجب تھی۔ اس لئے اس کا ذکر کر دیا گیا۔ مدینہ پہنچ کر زکوٰۃ مسلمانوں پر فرض ہو گئی۔ اس میں اختلاف ہے کہ زکوٰۃ فرض ہونے کے بعد قربانی بھی لازمی رہی یا اس کا وجوب ساقط ہو گیا۔ حنفیہ کے نزدیک قربانی بھی واجب ہے زکوٰۃ کے فرض ہونے پر امت کا اجماع ہے۔ قرآن میں نماز کے ساتھ ہی زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم جا بجا آیا ہے۔ مانعین زکوٰۃ سے حضرت صدیق اکبرؓ کے زمانہ میں مسلمانوں کا جہاد کرنا تاریخ کا مشہور واقعہ ہے۔

علماء سلف نے فرمایا ہے کہ لوگوں میں غنی زیادہ ہوتے ہیں اور فقیر کم۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مال کی زکوٰۃ میں صرف چالیسواں حصہ فرض کیا ہے وہ بھی جب کہ مال بقدر انصاب ہو کہ چاندی پانچ اوقیہ ہو (یعنی دوسو درہم جس کی مقدار ساڑھے باون تولہ ہوتی ہے) اور سونا بیس مثقال (ساڑھے سات تولہ) ہو اور اس پر ایک سال پورا گزر جائے۔ اور باغات و زمین کی پیداوار میں (دسواں یا بیسواں حصہ فرض کیا ہے اور ظاہر ہے کہ خدائے علیم و قدیر رحمٰن و رحیم اپنے غریب بندوں کے لئے ایسی مقدار فرض نہیں کر سکتا جو ان کے لئے کافی نہ ہو۔ حالانکہ وہ ان کا شمار بھی جانتا ہے اور حالت سے بھی باخبر ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ فقیر کم ہوں گے اور جتنے بھی ہوں گے ان کو مال داروں کی دولت کا چالیسواں حصہ اور باغات و زمین کی پیداوار کا دسواں بیسواں حصہ کافی ہو جائے گا تو یہی مقدار فرض کر دی گئی۔ اب اگر مال دار اور زمیندار مسلمان سب کے سب زکوٰۃ و عشر باقاعدہ نکالتے رہیں تو کبھی کسی مسکین کو بھیک مانگنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔

### ایک شبہ کا ازالہ

یہ شبہ نہ کیا جائے کہ آج کل تو مسلمانوں میں غریب زیادہ ہیں امیر کم ہیں۔ اس صورت میں مال داروں کی زکوٰۃ و عشر سب غریبوں کے لئے کیوں کر کافی ہوگی؟ جواب یہ ہے کہ آج کل مال داروں میں لکھ پتی اور کروڑ پتی بھی تو ہیں۔ اگر سب کے سب

باقاعدہ زکوٰۃ، عشر نکالیں اور دیانت و امانت کے ساتھ اس کو فقراء میں تقسیم کیا جائے یقیناً تمام فقراء کو کافی ہو جائے گی۔ اس وقت مسلمانوں میں افلاس زیادہ ہونے کا ایک سبب تو یہ ہے کہ انخیا، پابندی کے ساتھ پوری زکوٰۃ عشر نہیں نکالتے اور یہ مرض صدیوں سے چلا آ رہا ہے۔ اسی لئے مسلمانوں میں افلاس بڑھ رہا ہے۔ اور چوری ڈکیتی ترقی کر رہی ہے۔ دوسرے یہ کہ ہندوؤں کی دیکھا دیکھی مسلمانوں کی ایک جماعت نے بھیک مانگنے کو بنہ سمجھ لیا ہے۔ اس کو عیب نہیں سمجھتے بلکہ مستقل پیشہ بنا لیا ہے۔ ان سے لاکھ کہا جائے کہ بٹے کٹے تندرست آدمی کو بھیک مانگنا جائز نہیں۔ تم کو مزدوری کرنی چاہیے یا کوئی دست کاری سیکھ کر پیٹ پالنا چاہیے مگر ان کی عقلیں مسخ ہو گئی ہیں کہ بھیک مانگنے ہی کو اچھا سمجھتے ہیں۔ مسلمان مال داروں کی زکوٰۃ و خیرات کا زیادہ حصہ انہی کے قبضہ میں جاتا ہے۔ یہ لوگ ہزار ہا روپے جمع کرنے کے بعد بھی بھیک ہی مانگتے رہتے ہیں جب وہ مرتے ہیں ان کی جھوپڑیوں میں بڑی دولت نکلتی ہے۔ ان کو غریب فقیر سمجھنا غلط ہے ان کو زکوٰۃ و خیرات دینا رقم برباد کرنا ہے۔ مسلمانوں کو سب سے پہلے زکوٰۃ کا باقاعدہ انتظام کرنا چاہیے۔ پھر ہر بستی کے فقراء کی تحقیق کرنی چاہیے۔ تحقیق کے بعد زکوٰۃ دی جائے۔ اور فقراء کو زکوٰۃ دے کر ان سے صاف کہہ دیا جائے کہ زکوٰۃ کے بھروسہ ہی پر نہ رہو بلکہ جو کچھ اس وقت دیا جا رہا ہے اس سے کوئی کاروبار شروع کرو تا کہ اپنے پیروں پر کھڑے ہو جاؤ۔ پہلے زمانہ کے فقیر ایسے ہی تھے وہ بار بار زکوٰۃ نہیں لیتے تھے بلکہ بہت جلد اپنے پیروں پر کھڑے ہو جاتے تھے۔ البتہ یتیم بچے، بیوہ عورتیں، بوڑھے اور اپانج زکوٰۃ کے بھروسہ پر رہتے تھے۔ مگر یتیم بچے تعلیم و تربیت پا کر بالغ ہوتے ہی اپنے پیروں پر کھڑے ہو جاتے اور بیوہ عورتیں نکاح ثانی کو عیب نہ جانتی تھیں وہ بھی کچھ دنوں کے بعد شادی کر کے زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہو جاتی تھیں۔ اگر اب بھی اس کا رواج پوری طرح ہو جائے تو بیوہ عورتیں بہت کم رہ جائیں۔ زکوٰۃ کے بھروسہ پر صرف اپانج اور معذور رہ جائیں گے تو ان کی تعداد زیادہ نہیں ان کو مال داروں، زمین داروں کی زکوٰۃ عشر یقیناً کافی ہو جائے گی۔ مگر حکومت پاکستان کو نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا بھی باقاعدہ انتظام کرنا چاہیے۔ مگر

جب تک دستور اسلامی اور قانون شرعی نافذ نہ کیا جائے اور حکومت کے افسر نماز کے پابند نہ ہو جائیں اس وقت تک نہ حکومت کو مسلمانوں سے زکوٰۃ لینے کا حق ہے نہ مسلمان ہی اپنی زکوٰۃ حکومت کے حوالہ کریں گے۔

### پہلے سوال کا جواب اور خلاصہ

یہاں تک پہلے سوال کا جواب تھا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حکومت پاکستان قرآن کی عظمت کا حق ادا کرے، تلاوت قرآن، تعلیم قرآن، درس قرآن کا اہتمام کرے، نماز کی تاکید کرے، ملک میں دستور اسلامی اور قانون شرعی نافذ کر کے زکوٰۃ و صدقات کا باقاعدہ انتظام کرے۔ شعائر اسلام کی پوری تعظیم کرے تو اس کے دشمن ناکام ہو جائیں گے، دنیا میں اس کی عزت و شوکت کا پرچم لہرائے گا، آسمانی بلائیں بھی ٹل جائیں گی، خدا کی مدد اس کے ساتھ ہوگی، رعایا اور حکومت میں محبت و الفت پیدا ہو جائے گی۔ مخالف طاقتیں مرعوب ہو جائیں گی۔ اَلَّذِينَ اِنْ مَكَّنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَامَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُورِ

### دوسرے سوال کا جواب اور اسلام و کمیونزم

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ اسلام اور کمیونزم میں کچھ مناسبت نہیں۔ اسلام کو کمیونزم سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اعتقادی طور پر کمیونزم کی بنیاد خدا دشمنی اور مذہب دشمنی پر ہے اور اسلام سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور توحید کا سبق دیتا ہے۔ پابندی مذہب کا ہر حال میں حکم دیتا ہے۔ اسلام میں مذہب اور سیاست الگ الگ نہیں بلکہ ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ سیاست بھی اسی طرح مذہب کا جز ہے جس طرح عبادات و معاملات اور اخلاق و معاشرت اس کے اجزاء ہیں بشرطیکہ اسلامی سیاست ہو کا فائدہ سیاست نہ ہو۔ عملی طور پر کمیونزم ذاتی ملکیت کا دشمن ہے اور اسلام ذاتی ملکیت کا دشمن نہیں۔ اسلام مال داروں، زمین داروں کو ان کے اموال و جائیداد کا مالک قرار دیتا ہے

اور ان میں فقراء کا حق بھی لازم کرتا ہے۔

﴿نَأْتِيهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفُقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا  
أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ﴾

”اے ایمان والو! جو کچھ تم کماؤ اور جو کچھ ہم زمین کی پیداوار میں  
سے تم کو دیں اس کا پاکیزہ عمدہ حصہ (اللہ کے راستہ میں) خرچ کیا  
کرو۔“

حکم انفاق کا مطلب ہی یہ ہے کہ مال دار اپنے اموال کے اور زمین دار اپنی  
زمینوں کے مالک مان لئے گئے۔ پھر ان کو اس میں سے فقراء پر کچھ خرچ کرنے کا حکم دیا  
جا رہا ہے۔ میت کے ترکہ میں میراث و وصیت کا جاری ہونا۔ مالکان زمین کو اپنی جائیداد  
کے وقف یا ہبہ کرنے کا اختیار ہونا ذاتی ملکیت کی کھلی دلیل ہے۔ زکوٰۃ میں ۱/۴ اور مملوکہ  
زمین کی پیداوار میں ۱۰/۱۰۰ یا ۲۰/۱۰۰ فقراء کے لئے تجویز کرنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ باقی  
سب مال والے اور زمین والے کا ہے۔ البتہ سمندر، دریا، پہاڑ اور جنگلات، دور افتادہ  
زمینیں اور معادن حکومت کے تحت ہوں گے۔ ان پر بغیر حکومت کی اجازت کے کسی کو  
قبضہ کرنے کا حق نہیں۔

اسلام معاشی مساوات کا قائل نہیں۔ قرآن میں صاف صاف کہا گیا ہے۔

﴿نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا  
بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا  
سُخْرِيًّا﴾

”ہم نے ہی لوگوں کے درمیان معاشی تقسیم کی ہے اور بعض کو بعض  
پر رفعت دی ہے تاکہ ایک دوسرے سے کام لے سکے۔ (اور اس طرح  
نظام عالم قائم رہے)۔“

اگر معاشی تقسیم برابر کر دی جاتی کہ سارے دولتمند ہی ہوتے تو کوئی بھی کسی کا  
کام نہ کرتا۔ اب حالت یہ ہے کہ ایک کے پاس دولت ہے طاقت و قوت نہیں۔ ایک کے

پاس طاقت ہے دولت نہیں۔ ہر ایک کو دوسرے کی ضرورت ہے اسی طرح نظام قائم ہے۔ مگر آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ اسلام ذاتی ملکیت کو برقرار رکھتے ہوئے اس کی اجازت نہیں دیتا کہ دولت مند طبقہ ساری دولت کو اپنے ہی اوپر خرچ کرتا رہے۔ بلکہ وہ اس کی دولت میں، زمین کی پیداوار میں فقراء کا حق بھی قائم کرتا ہے تاکہ معیشت میں توازن قائم رہے۔ اسلام دولت مندوں کو اس کی بھی اجازت نہیں دیتا کہ سودی کاروبار سے دولت کو بڑھائیں۔

۞ يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُزْبِي الصَّدَقَاتِ ۖ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ  
كَفَّارٍ آثِمٍ ۝

”اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا اور صدقات کو بڑھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ناشکر، گنہگار کو پسند نہیں کرتا۔“

تاریخ شاید ہے کہ جب تک اسلامی بیت المال میں زکوٰۃ و عشر کی آمدنی جمع ہوتی رہی اور باقاعدہ فقراء پر تقسیم ہوتی رہی تو ایک وقت ایسا بھی آگیا تھا کہ زکوٰۃ و صدقات لینے والا کوئی بھی نظر نہ آتا تھا۔ کیونکہ آج تک ایسی مثال قائم نہیں کر سکا، اور اس کا دعویٰ معاشی مساوات محض ڈھونگ ہے۔

### آخر میں ایک بات پر تنبیہ

اخیر میں ایک بات پر اور تنبیہ کر دینا چاہتا ہوں کہ اسلام میں دولت بڑھانے کا طریقہ زراعت، تجارت و صنعت و حرفت ہے۔ سرکاری ملازمت نہیں۔ ملازمان سرکاری کو ضرورت سے زیادہ تنخواہ نہیں دی جاتی تھی۔ خلیفہ اسلام کی تنخواہ اتنی ہی ہوتی تھی کہ متوسط درجہ کے آدمی کی طرح گزر کر سکے۔ حکام کو تاکید تھی کہ ویسا ہی کھانا کھائیں جیسا عام مسلمان کھاتے ہیں اور ویسا ہی لباس پہنیں جیسا عام مسلمان پہنتے ہیں۔ جو شخص سرکاری ملازمت اپنی دولت بڑھانے کے لئے اختیار کرتا ہے وہ اسلام کو بدنام کرتا ہے۔ اسی طرح اسلام نے تاجروں کو بھی اس کی اجازت نہیں دی کہ اپنے مال کی قیمت اتنی بڑھا

دیں جس سے خریدار نین فاحش (سخت نقصان) کا شکار ہو جائیں۔ جو تا جر ایسا کریگا، اسلامی حکومت اس کو تجارت کی اجازت نہیں دے گی۔ ان اصول پر کام کیا جائے تو آپ دیکھیں گے کہ چند روز میں اقتصادی حالت درست ہو جائے گی۔

حکومت پاکستان کو اسلامی اصول کے موافق ملک میں مذہبی تعلیم عام کرنا، بے کاری اور بے روزگاری کو دور کرنا چاہیے۔ شراب خواری، زنا کاری، جو بازار، ریس، سود خواری، سینما، فلم سازی کو بند کر دینا چاہیے کہ اس سے رعایا کی دولت بھی برباد ہوتی ہے۔ عادات و اخلاق بھی بگڑتے ہیں، خدا کی پھٹکار بھی برسی ہے۔

اب میں اپنی تقریر ختم کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو اور سب مسلمانوں کو صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

اعجاز القرآن





## ﴿اعجاز القرآن﴾

بقلم العلامة مولانا ظفر احمد عثمانى

الرحمن علم القرآن خلق الانسان علمه البيان فالحمد  
للّٰه الذى نصر عبده و انجز وعده وهزم الاحزاب  
وحده والصلوة والسلام على من لا نبى بعده.

اما بعد فاعلموا ان المعجزة امر خارق للعادة مقرون  
بالتحدى سالم عن المعارضة وهى اما حسية كاكثر  
معجزات الانبياء من بنى اسرائيل او عقلية كاكثر  
معجزات سيدنا محمد صلى الله عليه وسلم و من  
اكبرها القرآن الذى لا يأتیه الباطل من بين يديه ولا من  
خلفه تنزيل من حكيم حميد. قال النبى صلى الله عليه  
وسلم. ما من الانبياء نبى الا اعطى ماثله آمن عليه  
البشر و انما كان الذى اوتيته وحيا او حاه الله الى  
فار جوان اكون اكثرهم تابعا يوم القيمة اخرجه  
البخارى عن ابى هريرة اى الآية التى تحدت بها القوم  
هى الوحي الذى انزل على وهو القرآن لما اشتمل عليه  
من الاعجاز الواضح وليس المراد حصر معجزاته فيه  
ولا انه لم يؤت من المعجزات ما اوتى من تقدمه بل  
المراد انه المعجزة العظمى التى اختص بهادون غيره  
لان كل نبى اعطى معجزة خاصة به لم يعطها غيره  
تحدى بها قومه و كانت معجزة كل نبى تقع مناسبة

لحال قومہ کما انه كان السحر فاشيا عند فرعون وقومہ فجاءہم موسیٰ علیہ السلام بالعصىٰ علی صورة ما یصنع السحرة لكنها تلقفت ما صنعوا (والسحر لا یأکل السحر فألقى السحرة سجداً) ولم یقع ذلك بعینه لغيره و كذلك احياء عیسیٰ علیہ السلام الموتیٰ وابراء ہالا کما و والا برص لکون الاطباء والحکماء فی ذلك الزمان فی غایة من الظهور فاتاہم من جنس عملہم بمالم تصل قدر تہم الیہ وهكذا لما کان العرب الذین بعث فیہم النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الغایة من البلاغة جاءہم بالقرآن الذی تحداہم ان یأتوا بحديث مثله ان كانوا صادقین ثم قرعہم بقولہ "ام یقولون افترأہ قل فاتوا بعشر سور مثله مفتریات وادعوا من استطعتم من دون اللہ ان کنتم صادقین". حین قالوا "لو نشاء لقلنا مثل هذا ان هذا الاساطیر الاولین". ای ونحن قوم امیون لا علم لنا باخبار الا وائل ولو کان لنا بذلك من علم لقلنا مثل هذا فقال تعالیٰ فلیأتوا بعشر سور مثله مفتریات من غیر تقييد بكونه مطابقا للواقع ولا شک ان اتیان المفتری من اسهل ما یتکلم بہ الانسان و ینطق بہ فان لم یتجیروا لکم فاعلموا انما انزل بعلم اللہ وان لا الہ الا ہر فهل انتم مسلمون. ثم تحداہم بقولہ "فاتوا بسورة من مثله وادعوا شہداء کم من دون اللہ ان کنتم صادقین فان لم تفعلوا ولن تفعا وافاتقوا النار

التي وقودها الناس و الحجارة اعدت للكافرين“ و في ذلك رد صريح على من زعم ان التحدى لم يقع ببلاغة القرآن وفصاحته وانما وقع بعلومه و معارفه التي قد اودعت فيه وجه الرد ان الله تعالى قد اطلق لهم ان يأتوا به مثله مفترى. والمشتمل على العلوم و المعارف الصحيحة لا يكون مفترى و اذا جاز لهم المعارضة بالمفترى فلا يكون هو مثله الا في بلاغته وفصاحته وسلاسته وجريانه و بديع اسلوبه فهذا هو الذى وقع به التحدى، وكيف يجوز ان يطالب الا اميون يأتوا بالعلوم و المعارف التي لم يعرفوها قط، ولم يحوموا حولها وانما يتحدى القوم بما لهم معرفة به وهم يدعون فيه الكمال و هذا تاريخ العرب قبل الاسلام بين ايديكم لم يدعوا العلم و المعرفة ساعة من الدهر وانما كانوا يفتخرون ببلاغة لسانهم و فصاحته وبراعته فتحداهم القرآن ان يأتوا بمثله في ذلك فافهم. ثم دلائل اعجاز القرآن على وجوه منها ماتعرفه العرب و العجم لكونه هدى للناس و هدى للعالمين ومنها ماتعرفه العرب خاصة لكونه قرآنا عربيا بلسان عربى مبين ومنها ماتعرفه المهرة من البلغاء وليس لعامة العرب فيه نصيب ولذا قال و ادعوا شهداءكم من دون الله اى اعوانكم و انصاركم من مهرة البلغاء و كملة الشعراء فان الدرجة العليا في البلاغة لا يعرفها الا البليغ. فاذا وقف مثله على ما فيه من البلاغة ظل

خاضعاً بين يديها. و اعترف بانها مماليس مقدوراً  
للشعر ونحن لما جئنا بعد العرب الاول ما كنا لنصل الى  
كنه ذلك ولكن القدر الذى علمناه ان استعمال  
الكلمات والتركيبات الجزلة العذبة مع اللطافة وعدم  
التكلف فى القرآن العظيم مما لا نظير له فى قصائد  
المتقدمين والمتأخرين ومن الغرابة فيه انه يلبس  
المعانى من انواع التذكير والمخاصمة فى كل موضع  
لباساً يناسب اسلوب السورة و نقصر يد المتطاول عن  
ذيلة تأمل ايراد قصص الانبياء فى سورة الاعراف وهود  
والشعراء، ثم انظر تلك القصص فى الصفات ثم فى  
الذاريات ونحوها. يظهر لك الفرق وكذلك ذكر  
تعذيب العصاة وتنعيم المطيعين فانه يذكر فى كل مقام  
باسلوب جديد و يذكر مخاصمة اهل النار فى كل  
موضع على حدة والكلام فيه يطول و ايضا نعلم انه  
لا يتصور رعاية مقتضى المقام الذى تفصيله فى علم  
المعانى و رعاية الاستعارات والكنيات التى تكفل لها  
علم البيان مع رعاية حال المخاطبين الاميين الذين  
لا يعرفون هذه الصناعات احسن مما يوجد فى القرآن  
العظيم فان المطلوب هل هنا ان يذكر فى المخاطبات  
المعروفة التى يعرفها كل من الناس نكتة رائعة للعامة  
مرضية عند الخاصة وهذا كالجمع بين النقيضين وههنا  
نكتة بدیعة لا بد من التنبيه عليها لكون بعض العلماء من  
اهل الهند قد غفل عنها فضلوا واسلوا وهى ان دراسة

القرآن ونحوه و صرفه واسلوبه انما هي دراسة عالية لا تنلقاها الا طبقة خاصة من المهرة البلغاء فكما ان للقرآن اسلوباً خاصاً قد انفرد به من بين اساليب العربية فان له نحواً خاصاً يسمو في كثير من المواضع عن القواعد التي نقرأها في كتب النحو المتداولة بين المدارس حتى اننا لا نتجاوز الحق اذا قلنا ان هذه الكتب و حدها لا تكفي لاعراب بعض آيات القرآن بل لا بعد للتمكن من اعرابها من الاستعانة بالتفسير والا فكيف نعرب كلمة الصابرين المنصوبة في قوله تعالى "والموفون بعهدهم اذا عاهدوا والصابرين في البساء والضراء مع كونها معطوفة على جميع المرفوعات التي سبقتها الا اذا عاوننا المفسرون ولا شك ان اصاب الدراسة العالية في الادب والنحو وقفه اللغة يتعلمون فيما يتعلمونه اصول القواعد و تطوراتها و يقفون على الادوار التي مرت بها فاذا اقرأ احدهم ان هذان لساحران وهي قراءة معترف بها الى جانب القراءة الثانية ان هذان لساحران لا يقف حائراً عند هذان كما يقف المبتدى في النحو. نعم ان صاحب الدراسة العالية لا يقف عند هذا الرفع الذي يبدو شذوذاً وما هو بشذوذ بل سيعلم من اول نظرة ان الكتاب الكريم قد نزل بمختلف لغات العرب و ان من تلك اللغات لغة قبيلة بني الحارث التي كانت تلزم المثنى الالف في جميع حالاته و ان في قوله ان هذان لساحران استعمالاً

لقاعدة كانت موجودة عن العرب الاول لا تحتويها  
 كتب النحو المتداولة وذكرها المفسرون واللغويون  
 العارفون بفقهاء اللغة العربية و تطوراتها و ادوارها التي  
 مرت بها. فاعلم ذلك والله يتولى هداك ومنها مالا  
 يتيسر فهمه لغير المتقين المتدبرين في اسرار الشرائع  
 ولذا قال تعالى ذلك الكتب لاريب فيه هدى للمتقين  
 فالعلوم الخمسة التي بينها القرآن العظيم بطريق  
 التنصيص عليها تدل على ان القرآن تنزيل من الله هداية  
 الانسان كما ان الطبيب اذا انظر في القانون لابن سينا  
 ولا حظ تحقيقه و تدقيقه في بيان الامراض و اسبابها و  
 علاماتها و وصف الادوية لا يشك في ان المؤلف  
 كامل في صناعة الطب كذلك عالم اسرار الشرائع قد  
 وقعت موقعها بوجه لا يتصور احسن منها والنور يدل  
 بنفسه على نفسه فكل من اراد تهذيب النفوس لا بدله  
 من الرجوع الى القرآن فترى اقلام الفلاسفة والحكماء  
 قد انشقت و انكسرت بنزوله وظلت اعناقهم له  
 خاضعين فقالوا لا حاجة لنا الى بيان الحكمة العملية فان  
 الشريعة المصطفوية قد قضت الوطر عنها ولو اوتى  
 هؤلاء حظاً من التقوى لا عترفوا بان القرآن قد قضى  
 الوطر عن كل حكمته ما فرطنا في الكتاب من شيء ﴿١﴾

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانى

شيخ الحديث دارالعلوم الاسلاميه نذواله يار



ذلت يهود



## ﴿ذلتِ یہود اور عربوں کی حالیہ شکست﴾

حامد او مصلیا و مسلما، اما بعد:

عرصہ سے حکومت اسرائیل کی وجہ سے بعض لوگوں کے دلوں میں یہ شبہات پیدا ہو رہے ہیں کہ قرآن میں تو اس قوم کے لئے ذلت و مسکنت کو لازم کہا گیا ہے، پھر ان کو حکومت و سلطنت کیسے مل گئی؟ زبانی جواب سے سوال کرنے والوں کی تسلی کر دی گئی مگر اب یہ سوال الصدیق (لکھنؤ) مورخہ ۵ ربیع الثانی ۱۳۸۷ھ میں شائع ہوا ہے تو تحریری جواب کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس شبہ کے چند جوابات ہیں۔

(۱) ایک تو یہ کہ قرآن کریم میں جہاں یہود کے لئے ذلت کو لازم کہا گیا ہے

وہاں دو حالتوں کا استثناء بھی موجود ہے، چنانچہ سورۃ آل عمران میں ارشاد ہوا ہے:

﴿ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَمَا تُقِفُوا إِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللَّهِ وَ  
حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَاءُ وَابْغَضِبِ مِّنَ اللَّهِ وَ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ  
الْمَعْسَكَةُ﴾

”ان پر ذلت جمادی گئی ہے جہاں کہیں بھی پائے جاویں گے، مگر

ہاں (دو ذریعوں سے یہ ذلت رفع ہو جائیگی) ایک تو ایسے ذریعے

کے سبب جو اللہ کی طرف سے ہو اور ایک ایسے ذریعے کے سبب جو

آدمیوں کی طرف سے ہو۔“

اللہ کی طرف کا ذریعہ تو یہ ہے کہ کوئی یہودی اسلام لے آئے یا جزیہ دے کر

ممانت لئے اسلام میں داخل ہو جائے تو حکومت اسلام اس کی جان و مال و آبرو کی محافظ

ہوگی اور آدمیوں کی طرف کے ذریعے سے مراد یہ ہے کہ کسی قوم کی پشت پناہی ان کو

حاصل ہو جائے تو اس صورت میں بھی ذلت رفع ہو جائے گی۔ اب ظاہر ہے کہ اس وقت

جو اسرائیل کی حکومت ہے اس کو برطانیہ اور امریکہ کی پشت پناہی حاصل ہے اور پہلے روس

کی پشت پناہی حاصل تھی۔ اب قرآن پر کوئی اشکال نہیں۔ اگر کسی قوم کی پشت پناہی ان کو حاصل نہ ہو تو ایک دن بھی حکومت اسرائیل قائم نہیں رہ سکتی اور جیسے یہودی پہلے ذلیل تھے ویسے ہی ذلیل کے ذلیل رہیں گے۔

(۲) مسلم شریف میں صحیح حدیث موجود ہے۔

عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال تقاتلکم الیہود فتسلون علیہم حتی یقول الحجریا مسلم هذا یہودی ورائی فاقتلہ (ح ۲ ص ۳۹۶)

”عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سے یہود جنگ کریں گے پھر تم ان پر مسلط اور غالب ہو جاؤ گے۔ یہاں تک کہ پتھر (اور درخت) بولیں گے اے مسلم! یہ یہودی میرے پیچھے (چھپا ہوا) ہے اس کو قتل کر دے!“

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ: ”قیامت قائم نہ ہوگی جب تک تمہارے اور

یہود کے درمیان جنگ نہ ہو جائے۔“

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک وقت ایسا آئے گا جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ یہود کو مسلمانوں سے جنگ کرنے کا حوصلہ ہوگا۔ (اور اس کا سبب وہی ہوگا جو قرآن نے بتلادیا ہے کہ کوئی دوسری قوم ان کی پشت پناہی کرے گی۔ خواہ وہ دوسری قوم مسلمانوں ہی میں سے کچھ غدار ہوں یا انصاری و ہنود وغیرہ ہوں)۔ رہا یہ سوال کہ حدیث میں تو مسلمانوں کے غلبہ کی ہر دی گئی ہے اور صورت حال یہ ہے کہ یہود غالب اور قوم عرب مغلوب ہو رہی ہے! اس کا جواب یہ ہے کہ ابھی جنگ کا خاتمہ کہاں ہوا ہے؟ جنگ کے دوران ایسا ہوا کرتا ہے۔ آپ کو سیرت رسولؐ سے فتح خیبر کا حال معلوم کرنا چاہیے کہ اس کا ایک قلعہ کئی دن تک فتح نہ ہوا، یہود غالب رہے اور مسلمان بغیر فتح کے واپس آتے آتے تھے۔ ان حضرت علیؑ نے اس قلعہ کو فتح کیا تو جنگ کا

خاتمہ ہوا۔ اب بھی انشاء اللہ انجام کار مسلمان ہی غالب رہیں گے۔ والعاقبة للمتقين آثار بتلا رہے ہیں کہ یہ جنگ ختم نہیں ہوگی بلکہ ملکہ کبریٰ (جنگ عظیم) بن کر رہے گی اور یہود ایسے ذلیل ہوں گے کہ درخت اور پتھر بھی ان کے قتل کے لئے مسلمانوں کو پکاریں گے۔ وانتظروا اتنا مستظرون! اس وقت مسلمانوں کو جو عارضی شکست ہوئی ہے، اس کے اسباب میں غور کرنا بھی مسلم حکومتوں کا فرض ہے۔ میرے خیال میں اس کے چند اسباب ہیں۔

(۱) عرب حکومتوں میں پورا اتحاد نہیں ہے یہ بڑی سخت بات ہے۔ اس کا بہت جلد متدارک ہونا اور جملہ سلاطین عرب کا متحد ہو جانا ضروری ہے۔ اور سلاطین عرب کے ساتھ تمام مسلم سربراہوں کو اسرائیل کے مقابلہ کے لئے متحد کیا جائے کیونکہ امریکہ اور برطانیہ اس کی مدد پر ہیں اور ان دونوں کے ساتھ دوسری مغربی طاقتیں بھی ہیں۔

(ب) جو حکومتیں اسرائیل سے برسر پیکار ہیں ان میں بھی جذبہ جہاد اسلامی نہ تھا بلکہ سوشلزم یا نیشنلزم کا جذبہ تھا۔ وہ قومیت عرب کا نعرہ لگا رہے تھے، اسلامی نعرہ نہیں! بجائے یا خیل اللہ ار کبی کے یا خیل العرب ار کبی ان کا مطمع نظر تھا۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت کا وعدہ اسلامی جہاد میں ہے! سوشلزم یا نیشنلزم کی جنگ پر نہیں! حدیث میں صاف آچکا ہے کہ جو شخص محبت قومی یا اپنی ناموری کے لئے جنگ کرے وہ جہاد فی سبیل اللہ نہیں۔ جہاد فی سبیل اللہ صرف وہ ہے جو اللہ کا بول بالا کرنے کے لئے کیا جائے (بخاری) اسی پر نصرت الہی کا وعدہ ہے۔

﴿إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ﴾ يَا أَيُّهَا  
الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا أَنْصَارَ اللَّهِ كَمَا قَالَ عِيسَى بْنُ مَرْيَمَ  
لِلْحَوَارِيِّينَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ  
أَنْصَارُ اللَّهِ فَأَمْنَتْ طَائِفَةٌ مِّنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَكَفَرَتْ  
طَائِفَةٌ فَأَيَّدْنَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَىٰ عَدُوِّهِمْ فَأَصْبَحُوا

ظاہرین ۰۰

”اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا۔ اور تمہارے قدم جمادے گا (سورہ محمد) اے ایمان والو! تم اللہ کے دین کے مددگار ہو جاؤ جیسا کہ عیسیٰ بن مریم نے ان حواریین سے فرمایا کہ اللہ کے واسطے میرا کون مددگار ہوتا ہے وہ حواری بولے ہم اللہ کے دین کے مددگار ہیں سو اس کوشش کے بعد بنی اسرائیل میں سے کچھ لوگ ایمان لائے اور کچھ لوگ منکر رہے سو ہم نے ایمان والوں کی ان کے دشمنوں کے مقابلہ میں تائید کی سو وہ غالب رہے۔“ (سورۃ الصف)

(ج) آپ کو غزوہ احد کا حال پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ پہلے حصہ میں کفار کو شکست فاش ہوئی تھی۔ وہ میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے مگر ایک مورچہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن تیر اندازوں کو متعین فرمایا تھا وہ کفار کی شکست کا منظر دیکھ کر اس مورچہ سے ہٹ گئے حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تاکید تھی کہ بغیر میری اجازت کے یہاں سے نہ ہٹنا۔ اتنی ذرا سی غلطی پر جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور فتح کے بعد شکست کا سامنا ہوا۔ حق تعالیٰ نے اس حقیقت کو اس طریقے سے بیان فرمایا ہے:

﴿وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللَّهُ وَعْدَهُ إِذْ تَحُسُّوهُم بِأُذُنِهِ ط حَتَّىٰ  
إِذَا فَسِلْتُمْ وَنَسَرَأْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِنْ بَعْدِ مَا  
أَرَاكُمْ مَا تُحِبُّونَ ۚ مِنْكُمْ مَنْ يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَنْ  
يُرِيدُ الْآخِرَةَ ط ثُمَّ صَرَّفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَسْتَلِيَكُمْ وَلَقَدْ عَفَا  
عَنْكُمْ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ۝﴾

”اور یقیناً اللہ تعالیٰ نے تو تم سے اپنے وعدہ کو سچا کر دکھلایا تھا جس وقت کہ تم ان کفار کو بحکم خداوندی قتل کر رہے تھے یہاں تک کہ جب تم خود ہی کمزور ہو گئے اور باہم حکم میں اختلاف کرنے لگے اور تم کہنے پر نہ چلے بعد اس کے کہ تم کو تمہاری خواہ بات دکھلا دی تھی، تم میں سے بعض وہ شخص تھے جو دینا چاہتے تھے اور بعض تم میں

وہ شخص تھے جو آخرت کے طلب گار تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے انہی کے لئے اپنی نصرت کو بند کر دیا اور پھر تم کو ان کفار سے ہٹا دیا تاکہ خدا تعالیٰ تمہاری آزمائش فرمادے اور یقین سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو معاف کر دیا اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں مسلمانوں پر“ (سورہ آل عمران)

معلوم ہوا کہ معصیت سے رسولؐ کی موجودگی میں فتح شکست میں بدل جاتی ہے۔ اب ہم مسلمان اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ ہماری اس وقت کیا حالت ہے؟ سود خوری، قمار بازی، شراب خوری، زنا کاری، عریانی بے پردگی اور فحاشی کا بازار ہم میں گرم ہے۔ ہماری صورت دیکھ کر بھی کوئی یہ نہیں کہہ سکتا یہ غلامان محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ باطن کا تو پوچھنا ہی کیا! پھر میدان جنگ میں بھی ہم توبہ کر کے نہیں جاتے، ویسے ہی چلے جاتے ہیں جیسے دوسری قومیں میدان میں آتی ہیں۔ مگر ہمارے اسلاف کی یہ حالت تھی کہ میدان جنگ میں توبہ، استغفار اور دعائیں کر کے اترتے تھے، نماز کا پورا احترام کرتے تھے، اللہ کی یاد سے غافل نہ ہوتے تھے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ اللَّهُ تَعَالَىٰ كَاوَعْدِهِ ۚ وَإِنَّ جُنَدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ ۝﴾

”اے ایمان والو! جب تم کو کسی جماعت سے مقابلہ کا اتفاق ہوا کرے تو ثابت قدم رہو اور اللہ کا خوب کثرت سے ذکر کرو اور امید ہے کہ تم کامیاب ہو“

کہ ہمارا لشکر ہی غالب ہوگا، اس لئے ہمیں خدائی لشکر بننے کی کوشش کرنی چاہیے کہ صورت دیکھ کر لوگ بول اٹھیں کہ یہ اللہ والے ہیں۔ میدان جنگ میں قائدین حرب کو اتحاد و اتفاق سے کام کرنا چاہیے۔ اختلاف و نزاع سے بچنا چاہیے۔



﴿وَاطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾

”اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کیا کرو اور نزاع مت کرو ورنہ کم ہمت ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جاوے گی اور صبر کرو، بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے“ (سورۃ انفال)

(د) اتحاد و اتفاق کی یوں تو ہر حال میں ضرورت ہے مگر میدان جنگ میں اس کی بہت ضرورت ہے۔ طلحہ بن خویلد اسدی مدعی نبوت کی سرکوبی کے لئے چار پانچ ہزار کا لشکر مدینہ سے بھیجا گیا تو اس نے چالیس ہزار کا لشکر جرار لے کر مقابلہ کیا مگر شکست کھا کر بھاگا تو اپنے وزیر سے پوچھا کہ یہ بھی عرب ہیں، ہم بھی عرب ہیں اور ہماری تعداد ان سے آٹھ گنا زیادہ تھی پھر ہمیں یہ شکست کیوں ہوئی؟ وزیر نے کہا مسلمان تو یہ کہتے ہیں کہ اللہ کی مدد ان کے ساتھ ہے مگر اتنی بات تو میں نے بھی دیکھی ہے کہ ہماری فوج کا ہر سپاہی یہ چاہتا تھا کہ میں زندہ رہوں، میرے پاس والے چاہے مارے جائیں اور مسلمانوں کا ہر فرد یہ چاہتا تھا کہ وہ شہید ہو جائے مگر اس کے بھائی محفوظ رہیں اور جو قوم موت کی مشاق ہو اس کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا اور اس اشتیاق شہادت کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ہر شخص دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتا ہے کہ میں پہلے مارا جاؤں، دوسرے زندہ رہیں یا میرے بعد شہید ہوں۔

اسی الفت و محبت سے پہلے مسلمان سرفراز تھے حق تعالیٰ فرماتے ہیں:-

﴿هُوَ الَّذِي آتَاكَ بِنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ وَالْفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَوْ أَنْفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَا أَلْفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ أَلْفَ بَيْنَهُمْ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾

”وہ وہی ہے جس نے آپ کو اپنی امداد سے اور مسلمانوں سے قوت دی اور ان کے قلوب میں اتفاق پیدا کر دیا۔ اگر آپ دنیا بھر کا مال خرچ کرتے تب بھی ان کے قلوب میں اتفاق پیدا نہ کر سکتے لیکن

اللہ ہی نے ان میں باہم اتفاق پیدا کر دیا۔ بے شک وہ زبردست  
ہیں حکمت والے ہیں۔“

(۵) دشمن کے مقابلے کے لئے قوت حرب (جنگی قوت) کو اس حد تک بڑھانا  
چاہیے کہ دشمن پر ہبت چھا جائے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ  
تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ ۝﴾

”اور ان کافروں کے لئے جس قدر تم سے ہو سکے ہتھیار سے اور  
پلے ہوئے گھوڑوں سے سامان درست رکھو کہ اس کے ذریعہ سے تم  
رعب جمائے رکھو، ان پر جو کہ اللہ کے دشمن ہیں اور تمہارے دشمن  
ہیں۔“ (سورہ انفال)

ہمارے پہلے خلفاء و سلاطین اس حکم پر پوری طرح عامل تھے، حضرت معاویہؓ  
نے خلافت عثمانؓ میں پانچ سو بحری جہازوں کا جنگی بیڑہ تیار کر رکھا تھا۔ دشمن کی جنگی قوت  
کی مدافعت کا پورا سامان تیار رکھتے۔ ہمارے سلاطین جنگی سامان خود تیار کرتے تھے۔  
دوسروں کے دست نگر نہ تھے جیسا آج کل ہم دوسروں کے محتاج ہیں سب مسلمان  
سربراہوں کو مل کر اسلحہ سازی کے کارخانے اور بحری و ہوائی جہاز بنانے کے کارخانے  
قائم کرنے چاہئیں اور نئی نئی ایجادیں بھی کرنی چاہئیں۔ یہ سب وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا  
اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ میں داخل ہے۔

(ز) مگر سامان پر یا سامان دینے والے پر بھروسہ نہ کرنا چاہیے بھروسہ اللہ کی  
مدد پر کرنا چاہیے۔ غزوہ حنین میں اسلامی لشکر کی تعداد بارہ ہزار تھی۔ بعض صحابہؓ کو خیال ہو گیا  
کہ اب تو ہماری بڑی فوج ہے اس کا مقابلہ کون کر سکتا ہے؟ اس اعجاب کا نتیجہ یہ ہوا کہ  
پہلے حملہ میں مسلمانوں کو شکست ہو گئی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اور مشقت  
خاک سے فتح ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ  
شَيْئًا وَضَافَتْ عَلَيْكُمْ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ

مُذَبِّرِينَ ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى  
الْمُؤْمِنِينَ وَأَنْزَلَ جُنُودًا أَلَمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا  
وَذَلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ﴿١٠﴾

”تم کو اللہ تعالیٰ نے بہت موقعوں پر غلبہ دیا اور حنین کے دن بھی  
جب کہ تم کو اپنے مجمع کی کثرت سے غرہ ہو گیا تھا پھر وہ کثرت  
تمہارے کچھ کارآمد نہ ہوئی اور تم پر زمین باوجود اپنی فراخی کے تنگی  
کرنے لگی۔ پھر تم پیٹھ دے کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد  
اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر اور دوسرے مومنین پر اپنی تسلی نازل  
فرمائی اور ایسے لشکر نازل فرمائے جن کو تم نے نہیں دیکھا اور کافروں  
کو سزا دی اور یہ کافروں کی سزا ہے۔“

مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ فتح اور غلبہ اللہ کی مدد سے ہوتا ہے۔  
﴿إِنْ يَنْصُرْكُمُ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَإِنْ يَخْذُلْكُمْ فَمَنْ  
ذَٰلِكَ يَنْصُرْكُمْ مِنْ بَعْدِهِ﴾

”اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد پر ہو تو کوئی تم پر غالب نہیں آ سکتا اور اگر  
وہی ساتھ چھوڑ دے، اس کے بعد کون مدد کر سکتا ہے۔“

(ح) میدان جنگ میں نعرہ تکبیر دل سے بلند کرنا چاہیے اور بلند آواز سے  
سب مل کر نعرہ بلند کریں، انشاء اللہ کفار کے دلوں پر رعب طاری ہو جائے گا۔ اسلامی جہاد  
کا یہی طریقہ تھا۔ بینڈ باجے بجانا اسلامی جہاد میں نہ تھا۔

﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَانَهُمْ  
بُنْيَانٌ مَرصُوعٌ﴾

”اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کے راستے میں  
یعنی اس کا بول بالا کرنے کے لئے ایسی مضبوط صف بندی کرتے  
ہیں جیسے سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہو۔“

وہ بھاگنا جانتے ہی نہیں، مضبوطی کے ساتھ اپنی جگہ ڈٹے رہتے ہیں۔ موت سے نہیں گھبراتے بلکہ شہادت کے طالب ہوتے ہیں۔ مگر قاعدہ سے لڑتے ہیں، بے فائدہ اپنی جان نہیں گناتے۔

(ی) اگر کبھی مسلمانوں کو شکست ہو جائے جیسا اس وقت ہو گئی ہے تو اس سے افسردہ و پشیمردہ نہ ہو جانا چاہیے۔ الحرب سجال: جنگ میں ایسا بھی ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾

”پست حوصلہ نہ ہو، غم گین و پریشان نہ ہو تم ہی غالب ہو گے اگر ایمان پر مضبوطی سے جمے رہے۔“

### مجاہد کے دن اور رات

غزوہ یرموک کے موقع پر رومی میسائیوں کی تعداد دو لاکھ اسی ہزار تھی اور مسلمان صرف چالیس ہزار تھے معلوم ہوتا تھا کہ نہتے انسانوں کا ایک مٹھی بھر گروہ اٹھتے ہوئے طوفان کا مقابلہ کرنے جا رہا ہے۔ جنگ کی ابتداء حضرت مقدادؓ نے سورۃ انفال کی آیات جہاد پڑھ کر کی اور پورے دن کے خونریز معرکے کے بعد رومیوں کے پاؤں اکھڑ گئے، بعض روایات میں ہے کہ ان کے صرف اسی آدمی بچ سکے، اور جب یہ اپنے بادشاہ ہرقل کے پاس پہنچے تو اس نے پوچھا کہ وسائل کی اس بہتات کے باوجود تمہاری شکست میری سمجھ سے باہر ہے، خدا کے لئے بتاؤ کہ تم کیسے ہارے؟ اس پر رومی فوج کے ایک افسر نے کہا:

عالیجاہ! ہم ان لوگوں سے نہیں لڑ سکتے جن کی کیفیت یہ ہے کہ دن کے وقت ان سے بہتر شہسوار کوئی نہیں ہوتا اور رات کے وقت ان سے بڑھ کر عبادت گزار کوئی نہیں ہو سکتا۔ (البدایہ والنہایہ)

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی مدظلہم



تقلید کے بارے میں ایک گفتگو





## ﴿ تقلید کے بارے میں ایک گفتگو ﴾

ہمارے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ کا ایک بھانجا مظاہر علوم سہارنپور سے فارغ ہو کر علی گڑھ میں ایک ڈاکٹر کا کمپونڈر بن گیا۔ یہ ڈاکٹر صاحب جماعت اہل حدیث سے منسلک تھے۔ اس نے اپنے کمپونڈر کو بھی جماعت اہل حدیث میں شامل کرنے کی کوشش کی اور اپنے منسلک کی کتابیں مطالعہ کرنے کی ترغیب دی۔ تین سال تک وہ اس منسلک کی کتابیں دیکھتا رہا بالآخر غیر مقلد بن گیا۔ تین سال کے بعد حضرت مولانا سے ملنے سہارنپور آیا اور آتے ہی صاف کہہ دیا کہ اب میں خفی نہیں ہوں بلکہ جماعت اہل حدیث میں شامل ہو گیا ہوں۔ حضرت مولانا کو بہت افسوس ہوا اور مدرسہ مظاہر علوم کے علماء سے فرمایا کہ اپنے اس شاگرد کو سمجھاؤ اور اس کے شبہات کا ازالہ کرو تین دن تک وہ علماء مظاہر سے گفتگو کرتا رہا اور اپنے منسلک جدید پر جمارہا۔ اتفاق سے اسی زمانے میں یہ بندہ بھی حضرت سے ملنے کو تھانہ بھون سے سہارنپور پہنچ گیا مجھے دیکھ کر بڑے خوش ہوئے اور فرمایا تم بڑے اچھے موقع پر آئے۔ یہ تمہارا شاگرد حقیقت سے بیزار ہو کر جماعت اہل حدیث میں شامل ہو گیا ہے۔ تین دن سے علماء مظاہر علوم اس کو سمجھا رہے ہیں مگر وہ اپنی بات پر جما ہوا ہے تم بھی اس کو سمجھاؤ۔“ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ وہ بھی مجھ سے ملنے آگیا۔ میں نے کہا بعد عشاء کے مجھ سے ملو۔ جب وہ وعدہ کر کے چلا گیا۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ اس نے تین سال تک اہل حدیث کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے اس لئے نظر وسیع ہو گئی ہے۔ گفتگو میں اس کا لحاظ رہے۔ میں نے کہا انشاء اللہ اس کا لحاظ رکھوں گا کہ آپ بھی دعا و توجہ سے مدد فرمائیں چنانچہ حسب قرار داد بعد عشاء کے وہ میرے پاس آیا جبکہ میں بستر پر لیٹ گیا تھا۔ وہ پاؤں دبانے لگا۔ میں نے بھی انکار نہ کیا۔ آخر تو شاگرد تھا۔ اب حسب ذیل گفتگو ہوئی:

ظفر:- ہاں صاحبزادے بتاؤ اب تمہارا مسلک کیا ہے؟

شاگرد:- عمل بالحدیث <sup>الصحيح</sup> صحیح۔

ظفر:- بس عمل بالحدیث <sup>الصحيح</sup> صحیح؟ عمل بالقرآن نہیں؟

شاگرد:- جناب والا! عمل بالقرآن تو سب سے پہلے ہے۔ اس کے بعد عمل بالحدیث <sup>الصحيح</sup> صحیح ہے۔

ظفر:- اگر تمہارا یہ مسلک ہوتا تو پہلے عمل بالقرآن کو بیان کر کے پھر عمل بالحدیث کا نام لیتے۔

شاگرد:- وہ تو ظاہر ہے اس لئے بیان کی ضرورت نہ سمجھی۔

ظفر:- یہ تو تم نے بات بنائی ہے ورنہ واقعہ یہ ہے کہ اہلحدیث قرآن پر عمل نہیں کرتے۔ لیکن حنفیہ کا اصول یہ ہے کہ وہ اول قرآن کو دیکھتے ہیں۔ پھر احادیث کو۔ اور جس حدیث کو نص قرآن کے موافق پاتے ہیں اس کو ترجیح دیتے ہیں اور بقیہ احادیث کو محال حسنہ پر محمول کرتے ہیں۔ اب میں تم کو بتاتا ہوں کہ جن مسائل مشہورہ میں ہمارا اور اہل حدیث کا اختلاف ہے۔ ان کے لئے ہم نے اول قرآن کو دیکھا اور جن احادیث کو نصوص قرآنیہ کے موافق پایا ان کو ترجیح دی۔ قراۃ خلف الامام بنی کا مسئلہ لے لو۔ ہم نے اس کے لئے قرآن کو پہلے دیکھا۔ سورہ اعراف میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے

﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾

”جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو۔ امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔“

اس سے صاف معلوم ہوا کہ امام کے ساتھ ساتھ قرأت نہ کرنا چاہیے بلکہ قرآن کو سننا اور خاموش رہنا چاہیے۔ امام احمد بن حنبل کا قول ہے کہ یہ آیت بالاتفاق قرأت خلف الامام کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس کے بعد ہم نے احادیث کو دیکھا تو کسی حدیث میں بھی یہ نہیں آیا کہ إِذَا قُرِئَ الْإِمَامُ فَاقْرَءُوا (جب امام قراءت کرے تم بھی

قرأت کرو)۔ اِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا وَاِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا وَاِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُولُوا رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ وَاِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوا۔ تو حدیثوں میں موجود ہے کہ جب امام تکبیر کہے تم بھی تکبیر کہو، جب رکوع کرے، رکوع کرو جب سمع اللہ لمن حمدہ کہے تم ربنا ولک الحمد کہو۔ جب سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو۔ مگر یہ کہیں نہیں کہ جب وہ قرأت کرے تو تم بھی قرأت کرو۔ بلکہ اگر ہے تو اذافرأنا نستمع ہے کہ جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔ امام مسلم اور امام احمد نے اور بہت سے محدثین نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ حنفیہ نے اس کو ترجیح دی اور بقیہ احادیث کو محال حسنہ پر محمول کیا۔ آمین کے مسئلہ میں بھی حنفیہ نے اول قرآن کو دیکھا۔ چنانچہ آمین دعا ہے جیسا امام بخاری نے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے۔ اس لیے دعا کے بارے میں قرآن کو دیکھا تو اس میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ملا۔ اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً (اپنے رب سے تضرع کی ساتھ آہستہ دعا کرو) تو ہم نے اس مسئلہ میں شعبہ کی روایت کو ترجیح دی جس میں وارد ہے فقال امين و خفض بها صوته (آپ نے سورہ فاتحہ کے ختم ہونے پر آمین کہی اور آواز کو پست کیا یعنی آہستہ سے آمین کہی۔ یہ حدیث ترمذی میں ہے) نماز کے اندر رفع یدین کے بارے میں بھی ہم نے اول قرآن کو دیکھا تو حق تعالیٰ کا ارشاد ملا۔ قَوْمُوا لِلّٰهِ قَانِتِينَ اور الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ۝ پہلی آیت میں ارشاد ہے کہ اللہ کے سامنے سکوت اور سکون کے ساتھ کھڑے ہو۔ دوسری آیت میں فرمایا گیا کہ جو لوگ نماز میں خشوع کرنے والے ہیں وہ کامیاب ہیں اور خشوع کے معنی بھی سکون ہی کے ہیں۔ اس کے بعد احادیث کو دیکھا تو صحیح مسلم میں روایت موجود ہے کہ صحابہ نماز میں سلام کے وقت ہاتھ اٹھا کر السلام علی فلان السلام علی فلان فلان کہتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مالی اراکم رافعی ایدیکم کائنہا اذْ نَابُ خَيْلٍ شَمْسٍ اُسْكُنُوا فِي الصَّلَاةِ (یہ کیا حرکت ہے کہ تم اس طرح ہاتھ اٹھاتے ہوئے جیسے گھوڑے دم اٹھاتے ہیں۔ نماز میں سکون سے رہو۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں سلام کے وقت بھی ہاتھ اٹھانا سکون کے خلاف ہے حالانکہ سلام کا وقت نماز

میں داخل بھی ہے اور خارج بھی ہے تو رکوع کے وقت ہاتھ اٹھانا کیسے مناسب ہوگا کہ رکوع تو بالکل داخل صلوٰۃ ہے۔ ہاں تکبیر تحریمہ میں ہاتھ اٹھانا درست ہے کہ وہ داخل صلوٰۃ یعنی رکن نہیں بلکہ شرط صلوٰۃ ہے۔ اس لئے حنفیہ نے ان روایات کو ترجیح دی ہے جن میں رکوع کے وقت ترک رفع یدین آیا ہے۔ اسی پر اور مسائل کو قیاس کرو کہ حنفیہ اول قرآن کو دیکھتے ہیں پھر احادیث میں سے جو نص قرآن سے موافق یا قریب ہوں ان کو ترجیح دیتے ہیں۔

شاگرد:- واقعی میں نے اب تک اس نکتہ پر غور نہیں کیا تھا مگر یہ شبہ اب بھی باقی ہے کہ حنفیہ بعض مسائل میں صحیح احادیث کے خلاف عمل کرتے ہیں۔  
ظفر:- عزیز من! پہلے تم صحیح حدیث کی تعریف تو بیان کرو مگر دیکھو حدیث صحیح کی تعریف میں کسی کی تقلید نہ کرنا۔

شاگرد:- یہ سن کر کچھ دیر خاموش رہا اور پسینہ پسینہ ہو گیا پھر کہنے لگا کہ میں سمجھ گیا۔ واقعی بغیر تقلید کے کسی حدیث کو صحیح کہنا مشکل ہے۔ پھر بخاری مسلم و ترمذی وغیرہ کی تقلید تو جائز ہو اور امام ابو حنیفہ امام مالک اور امام شافعی کی تقلید ناجائز ہو۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ اب میں مسلک اہل حدیث کو چھوڑتا ہوں اور مسلک حنفی اختیار کرتا ہوں۔

ظفر:- تم بہت جلدی سمجھ گئے اس سے دل خوش ہوا مگر میں اس کی اچھی طرح وضاحت کر دینا چاہتا ہوں کہ جو لوگ تقلید کا انکار کرتے اور تقلید کی مذمت کرتے ہیں وہ بھی کسی حدیث کو صحیح یا ضعیف یا حسن بغیر تقلید کے نہیں کہہ سکتے۔ رہا یہ عذر کہ حق تعالیٰ نے خبر صادق اور شہادت عادل کو قرار دیا ہے تو یہ تقلید نہیں بلکہ اتباع حجت ہے۔ میں کہتا ہوں کہ حدیث کو صحیح یا ضعیف کہنا محض حجت خبر نہیں بلکہ اس کا مدار محدث کے ظن و اجتہاد پر ہے۔ بعض دفعہ سند کے راوی سب ثقہ ہوتے ہیں مگر حدیث معلل ہوتی ہے اور حجت کی معرفت حاذقین ہی کو ہوتی ہے، ہر محدث کو نہیں ہوتی۔ ابن ابی حاتم نے کتاب العلل میں عبد الرحمن بن مہدی کا قول نقل کیا ہے کہ حدیث کی معرفت بھی الہام ہے۔ ابن نمیر نے کہا واقعی سچ ہے اگر محدث سے پوچھو کہ تم نے کیسے کہا (کہ یہ حدیث صحیح ہے یا معلل

ہے) تو اس کے پاس کچھ جواب نہ ہوگا۔ احمد بن صالح فرماتے ہیں کہ حدیث کی معرفت بھی ایسی ہی ہے جیسے سونے اور پیتل کا پہچاننا۔ کیونکہ جوہر کو جوہری ہی پہچانتا ہے۔ پر کھنے والے سے اگر پوچھا جائے کہ تم نے اس کو کھرا اس کو کھونا کیسے کہا تو وہ کوئی دلیل نہیں بیان کر سکے گا۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ ائمہ حدیث کا کسی حدیث کو صحیح یا معطل کہنا محض خبر نہیں بلکہ ان کا یہ قول ان کے ظن اور اجتہاد پر مبنی ہوتا ہے تو اس باب میں ان کی بات پر اعتماد کرنا عین تقلید ہے۔ علامہ ابن القیمؒ کا یہ فرمانا کہ یہ احکام میں تقلید نہیں، اس لئے صحیح نہیں کہ حدیث صحیح پر عمل کرنا شرعاً واجب اور ضعیف پر عمل کرنا غیر واجب اور موضوع پر عمل کرنا حرام ہے تو یہ تقلید احکام ہی میں ہے۔ غیر احکام میں تو نہیں۔ اسی لئے فقہاء نے بحث سنت کو اور اس کے قبول و رد کے قواعد کو اصول فقہ میں بھی بیان کیا ہے۔ علامہ ابن القیمؒ کا اس کو اتباع کہنا تقلید نہ کہنا لفظوں کا ہیر پھیر ہے۔ حقیقت ایک ہی ہے۔

عبار اتناشتی و حسنک واحد۔ و کل الی ذاک الجمال یشیر،

عزیز من! قرآن کا صحیح پڑھنا واجب ہے یا نہیں؟ یقیناً واجب ہے اور غلط پڑھنا حرام ہے۔ اب تم بتاؤ کہ بغیر ائمہ قرأت کی تقلید کے تم قرآن صحیح پڑھ سکتے ہو؟ ہرگز نہیں! اور یہ بھی تقلید فی الاحکام ہی ہے۔ اسی طرح حدیث کو پہچاننا اور صحیح کو ضعیف سے الگ کرنا بھی واجب ہے اور اس میں تقلید ائمہ سے چارہ نہیں۔ پھر جماعت اہل حدیث کس منہ سے تقلید کا انکار کرتی ہے؟ پھر تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ محدثین نے جو اصول حدیث کی صحت و ضعف کے لئے مقرر کئے ہیں وہ آسمانی وحی سے مقرر نہیں کئے بلکہ اپنے ظن و اجتہاد سے مقرر کئے ہیں ایسے ہی ہمارے فقہاء نے بھی صحت و ضعف و حدیث کے لئے کچھ اصول مقرر کئے ہیں جو اصول فقہ کی بحث السنہ میں مذکور ہیں تو ہو سکتا ہے کہ ایک حدیث محدثین کے اصول پر صحیح ہمارے اصول پر ضعیف ہو تو اس میں نزاع کرنا غلط ہے دلائل میں غور کرنا چاہیے کہ دلیل سے کس کے اصول قوی ہیں آخر میں اتنا اور بتلا دوں کہ حنفیہ سے زیادہ حدیث کا اتباع کوئی نہیں کرتا۔ حنفیہ تو قرونِ ثلاثہ میں مرسل اور منقطع کو بھی حجت مانتے ہیں جس کو اہل حدیث رد کر دیتے ہیں اور مراہیل مقاطع کا ذخیرہ احادیث

مرفوعہ سے کم نہیں، کچھ زیادہ ہی ہے تو یہ لوگ حدیث کے آدھے ذخیرے کو چھوڑتے ہیں۔ پھر مرفوعات میں سے بھی یہ لوگ صحیح یا حسن ہی کو لیتے ہیں۔ ضعیف کو رد کر دیتے ہیں اور حنفیہ کے نزدیک ضعیف حدیث بھی قیاس سے مقدم ہے بلکہ قول صحابی و قول تابعی بھی قیاس سے مقدم ہے اب تم ہی بتاؤ کہ عامل بالحدیث کون ہے اور تارک حدیث کون؟ رہا یہ کہ بعض مسائل میں حنفیہ حدیث صحیح کو چھوڑ دیتے ہیں اس کا جواب میں پہلے دے چکا ہوں کہ اس صورت میں جس حدیث پر حنفیہ نے عمل کیا ہے۔ وہ ان کے اصول پر صحیح تھی گو محدثین کے نزدیک ضعیف ہو۔ حنفیہ کے نزدیک صحت حدیث کا مدار صرف سند پر نہیں بلکہ اس کے لئے کچھ اور بھی شرائط ہیں جو اصول فقہ میں مذکور ہیں اور ہم نے مقدمہ اعلاء السنن میں بھی ان کو بیان کر دیا اور مقدمہ اعلاء السنن کے دوسرے حصہ میں تقلید و اجتہاد پر مفصل کام کیا گیا ہے جو زیر طبع ہے۔

شاگرد:- الحمد للہ اب میری آنکھیں کھل گئی ہیں اور میں اہل حدیث کے مغالطہ سے نکل گیا ہوں۔ والحمد للہ رب العلمین۔

(از حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ)

منکرین حدیث خارجی ہیں





## ﴿منکرین حدیث خارجی ہیں﴾

حضرت مولانا موصوف رحمہ اللہ کا یہ مضمون کافی عرصہ سے دفتر الصدیق کو موصول ہو چکا تھا لیکن بعض وجوہ (جن کا ذکر سابقہ اشاعتوں میں ہو چکا ہے) کی بناء پر اس مضمون کے طبع ہونے میں تاخیر در تاخیر ہوتی گئی۔ ادارہ الصدیق حضرت مولانا سے اس تاخیر کے لئے معذرت خواہ ہے نیز حضرت والا کا ایک اور مضمون ”تاریخ الخطیب کا پس منظر“ کے نام سے منکرین حدیث کے رد میں دفتر کو موصول ہو چکا ہے انشاء اللہ تعالیٰ الصدیق کے آئندہ شمارہ میں وہ بھی شائع کیا جائے گا۔ واللہ هو المستعان۔ (مدیر)

خاتمة الحفاظ علامہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ صفحہ ۳۵۸ جلد الفتح الباری میں ارشاد فرماتے ہیں۔

﴿وَيَقَالُ لِمَنْ يَعْتَقِدُ مَذْهَبَ الْخَوَارِجِ حُرُورٌ لِأَنَّهُمْ خَرَجُوا عَلَىٰ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ بِالْبُلْدَةِ الْمَذْكُورَةِ أَيْ حُرُورًا عَلَىٰ مِيلِينَ مِنَ الْكُوفَةِ فَاشْتَهَرُوا بِالنِّسْبَةِ إِلَيْهَا وَهُمْ فِرَقٌ كَثِيرَةٌ لَكِنْ مِنْ أَصُولِهِمُ الْمُتَّفَقُ عَلَيْهَا بَيْنَهُمْ الْإِخْذُ بِمَا دَلَّ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ وَرَدَّ مَا زَادَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَدِيثِ مُطْلَقًا ۝﴾

ترجمہ ”جو لوگ مذہب خوارج کے معتقد ہیں ان کو حروری کہا جاتا ہے کیونکہ ان کی پہلی جماعت نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مقابلہ میں اسی شہر حروراء سے خروج کیا تھا جو کوفہ سے دو میل پر تھا اسی کی طرف ان کی نسبت مشہور ہو گئی ان کے بہت سے فرقے ہیں لیکن اس اصول پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ اسی بات کو مانتے ہیں کہ جو قرآن سے ثابت ہو وہی صحیح ہے اور حدیث سے جو کچھ اس کے

علاوہ معلوم ہو اس کو مطلقاً رد کر دیتے ہیں۔“

ہندوستان اور پاکستان میں یہ فرقہ اہل قرآن کے نام سے مشہور ہے ان کا بھی یہی اصول ہے کہ صرف قرآن کو حجت کہتے ہیں۔ حدیث رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو حجت نہیں مانتے اس فرقے کی ابتداء ہندوستان میں عبداللہ چکڑالوی سے ہوئی تھی۔ علمائے وقت نے اس کے دعویٰ کی قلعی اچھی طرح کھول دی تھی اور عام طور سے سب مسلمان اس کو نفرت کی نگاہ سے دیکھنے لگے تھے۔ چنانچہ اس کی موت کے ساتھ ہی اس کا مذہب بھی مردہ ہو گیا تھا۔ مگر اب کچھ دنوں سے پھر اس مذہب نے سر ابھارا ہے جس کے مابنائے اور ہفتہ وار رسالے شائع ہو رہے ہیں۔ مسلمانوں کو ہوشیار ہو جانا چاہیے۔ یہ جماعت خارجی ہے اور اسی خارجی فرقہ کی یادگار ہے جس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔

يُخْرِجُ قَوْمٌ فِي آخِرِ الزَّمَانِ أَحْدَاثَ الْأَسْنَانِ سَفَهَاءَ

الْأَحْلَامِ يَقْرَأُونَ الْقُرْآنَ لَا يَجَاوِزُ حَنَا جَرَهُمْ يَمَاقُونَ مِنْ

الدِّينِ مَرُوقِ السَّهْمِ مِنَ الرَّمِيَةِ يَقْتُلُونَ أَهْلَ الْإِسْلَامِ

وَيَدْعُونَ أَهْلَ الْأَوْثَانِ لِنَا أَدْرَكَتْهُمْ لَا قَتْلَنَهُمْ قَتْلَ

عَادٍ رَوَاهُ الشَّيْخَانُ وَغَيْرُهُمَا۔

آخر زمانے میں ایک قوم نکلے گی جو جوانوں کا جتنا ہوگا عقل کے کورے ہوں گے قرآن پڑھیں گے مگر گلے سے آگے (دل میں) نہ اترے گا۔ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیریشکار میں سے نکل جاتا ہے مسلمانوں کو قتل کریں گے بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے (چنانچہ خارجیوں نے ہمیشہ مسلمانوں ہی کے مقابلہ میں تلوار اٹھائی کفار سے کبھی جہاد نہیں کیا) اگر میں نے ان کو پالیا تو اس طرح قتل کروں گا جیسا (خدا نے) قوم عاد کو تباہ کیا (یہ حدیث بخاری و مسلم اور جملہ کتب صحاح میں موجود ہے) تاریخ اسلام شاہد ہے کہ خارجیوں نے سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقابلہ کیا پھر برابر خلفائے اسلام پر خروج کرتے رہے یہ لوگ حضرت عثمان اور حضرت علی اور حضرت معاویہ سب کو کافر کہتے تھے اس لئے کوئی عثمانی یا علوی اور سید کبھی خارجی (منکر حدیث)

نہیں ہو سکتا اسی طرح صدیقی، فاروقی خانوادے بھی منکر حدیث (خارجی) نہیں ہو سکتے کیونکہ یہ سب کے سب تمام صحابہ کا احترام کرتے ہیں اور ان کی پوری عزت کرتے ہیں۔ ہندوستان اور پاکستان میں یہ فتنہ خیمی لوگوں کا لایا ہوا ہے۔ عربی خاندان اس سے بالکل بے زار ہیں وہ برابر حدیث نبوی کا درجہ قرآن کے بعد مانتے آئے ہیں اور حدیث کو دینی حجت سمجھتے ہیں۔ یہ جماعت گو حضرت علی حضرت عثمان حضرت معاویہ کو کافر نہیں کہتی مگر انکار حدیث میں اسی خارجی فرقہ کی یادگار ہے کیونکہ حدیث نبوی کو حجت نہ سمجھنا فرقہ خوارج ہی کا اصول ہے ورنہ تمام مسلمان برابر قرآن کے بعد حدیث نبوی کو دوسرے درجہ میں دینی حجت مانتے آئے ہیں۔ خارجیوں کے سوا کسی نے یہ جرات نہیں کی کہ حدیث شریف کے دینی حجت ہونے سے انکار کر دے اور گو یہ جماعت ظاہر میں عبد اللہ چکڑالوی کی جماعت سے اپنے کو الگ کرتی ہے اور اس کا دعویٰ ہے کہ ہم اہل قرآن کی طرح حدیثوں کو اٹھا کر نہیں پھینکتے مگر حقیقت میں دوسرے عنوان سے یہ لوگ اسی مذہب کو فروغ دینا چاہتے ہیں اور جس حیثیت سے وہ حدیث کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں وہ نہ ماننے سے بھی بدتر ہے۔ کیونکہ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ قرآن نے صرف دین کے اصول دیئے ہیں اور بجز چند احکام کے باقی امور کی جزئیات خود متعین نہیں کیں بلکہ اسے قرآنی نظام (یعنی اسلامی اسٹیٹ) پر چھوڑ دیا ہے۔ ان جزئیات کو سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین کیا تھا۔ اب یہ چیز قرآنی نظام (اسلام اسٹیٹ) کے دیکھنے کی ہوتی ہے کہ کسی پہلے سے متعین شدہ جزئیات میں زمانہ کے تقاضوں کے مطابق کسی تبدیلی کی ضرورت ہے یا نہیں الخ (ملاحظہ ہو طلوع اسلام مورخہ ۵ فروری ۱۹۵۵ء صفحہ ۱۰)

یہ بات اس شخص کے جواب میں کہی جا رہی ہے جو پوچھتا ہے کہ اگر تمام حدیثوں کو اٹھا کر پھینک دیں تو نماز کیسے پڑھیں؟ جواب کا حاصل یہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ قرآن کی تشریح میں فرمایا ہے وہ بحیثیت رسول و نبی کے نہیں بلکہ بحیثیت ہیڈ آف دی اسٹیٹ کے فرمایا ہے اور جب کبھی طلوع اسلام کی تجویز کے مطابق قرآنی نظام (اسلامی اسٹیٹ) قائم ہوگا اس کے ہیڈ آف دی اسٹیٹ کو حق حاصل ہوگا کہ اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متعین کردہ جزئیات

میں رد و بدل کر دے اور یہ اختیار صرف سیاسیات ہی میں نہیں بلکہ عبادات و معاملات میں بھی اسے رد و بدل کرنے کا پورا اختیار ہے خدا نخواستہ اگر طلوع اسلام کا تجویز کردہ نظام قائم ہو گیا (جس میں سنت رسول اور حدیث نبوی کی یہ درگت بنائی جائے گی) تو مسلمانوں کو ہوشیار ہو جانا چاہیے کہ اس جماعت کے نزدیک اس وقت کے ہیڈ آف اسٹیٹ کو نماز کی صورت بدلنے کا بھی حق حاصل ہوگا۔ روزہ اور حج و زکوٰۃ و نکاح و طلاق سب کی صورتیں بدل کر نئی نئی جزئیات متعین کرنے کا بھی پورا اختیار ہوگا یقیناً اس صورت حال کے متعلق ہر مسلمان کا فیصلہ یہی ہوگا کہ حدیث رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی یہ درگت بنا کر اس جماعت کا یہ کہنا کہ ہم حدیث کو مانتے ہیں اس کے ماننے سے بدتر ہے قرآنی نظام اگر ایسی ہی موم کی ناک ہے جس کو ہر ہیڈ آف اسٹیٹ جب چاہے جس طرح چاہے بدل سکتا ہے تو ایسا نظام طلوع اسلام ہی کو مبارک ہو۔

مسلمانان عالم ایسے نظام کو قرآنی نظام ہرگز نہیں مان سکتے۔ چودہ سو برس سے تمام مسلمانوں کا یہی عقیدہ ہے کہ نماز، روزہ، حج، اور زکوٰۃ کے فرائض و ارکان میں کسی نظام کو بھی رد و بدل کرنے کا کوئی حق نہیں۔ اسی طرح نکاح و طلاق، بیوع و میراث اور حدود شرعیہ میں کسی کو تبدیلی کا کوئی حق نہیں۔ نصوص قرآن کی جو تشریح، تعلیم، جزئیات کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادی ہے اس کو نہ کوئی خلیفہ بدل سکتا ہے نہ ہیڈ آف دی اسٹیٹ کیونکہ آپ کی یہ تشریح خدا کے حکم سے خدا کا رسول و نبی ہونے کی حیثیت سے ہے۔ **وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ** (سورہ نحل) اور ہم نے آپ پر یہ قرآن نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کے سامنے اس چیز کو بیان کر دیں جو ان کی طرف نازل کی گئی ہے۔ اس حیثیت میں کوئی خلیفہ یا ہیڈ آف دی اسٹیٹ آپ کا شریک نہیں آپ پر نبوت و رسالت ختم ہو چکی ہے تو آپ کی تشریح و تعلیم کے بدلنے کا بھی کسی کو حق نہیں۔ خلیفہ یا اس کی جماعت اہل شوری کو اگر ان میں اجتہاد کی اہلیت ہو صرف ایسے امور میں اجتہاد کا حق ہے جن کے متعلق قرآن و حدیث میں کوئی نص موجود نہ ہو اور اگر اہلیت اجتہاد مفقود ہو تو ان کو خود اجتہاد کرنے کا حق نہ ہوگا بلکہ آئمہ مجتہدین کا اتباع لازم ہوگا جن کے متعلق قرآن کا حکم ہے **فَاَسْئَلُوا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا**

تَعْلَمُونَ اگر تم کو کسی بات کا علم نہ ہو تو جاننے والوں سے پوچھو۔ طلوع اسلام کی ناواقفیت ..... ملاحظہ ہو کہ وہ ایک طرف تو زہری جیسے حافظ حدیث امام و حجت پر اپنے تحفیات میں جرح و تنقید کے لئے قلم تیز کرتا ہے اور دوسری طرف خطیب بغدادی جیسے مورخ کی تاریخ سے امام ابو حنیفہ کی طرف ایسے رکیک اور بے ہودہ اقوال منسوب کرتا ہے جن سے بظاہر امام ابو حنیفہ حدیث نبوی کے ساتھ گستاخی اور بے ادبی کرنے والے نظر آتے ہیں اور اس طرح وہ اپنے لئے حدیث نبوی کے ساتھ گستاخی و بے ادبی کی سند جواز حاصل کرنا چاہتا ہے اس کو معلوم ہونا چاہیے کہ تاریخ خطیب بغدادی کی ان ہفوات اور خرافات کا رد سب سے پہلے ملک معظم عیسیٰ بن ابی بکر ایوبی نے اپنی کتاب السہم المصیب فی کید الخطیب میں کیا ہے۔ جو خدیو مصر کے حکم سے تاریخ خطیب کے ساتھ ہی طبع کر دی گئی تھی۔ مگر طلوع اسلام کی بلا کو غرض پڑی تھی کہ جو اس رد کو مطالعہ کر لیتا؟

یہ بادشاہ صلاح الدین ایوبی کے خاندان میں بہت بڑا عالم محدث و فقیہ حنفی تھا۔ نیز اسی زمانہ میں علامہ سبط بن الجوزی نے بھی اپنی کتاب الانصار لامام ائمہ الامصار میں تاریخ خطیب کی ان روایات و ہفوات کی اچھی طرح قلعی کھولی ہے۔ پھر ابولمؤید خوارزمی نے جامع مسانید الامام کے مقدمہ میں اس کا پوری طرح رد کیا ہے اور حال ہی میں علامہ مصر شیخ محمد زاہد کوثری رحمہ اللہ علیہ نے (جن کا ابھی دو سال ہوئے انتقال ہو گیا ہے) اپنی کتاب تانیب الخطیب فی ماساقہ ترجمہ ابی حنیفہ من الاکاذیب میں ثابت کر دیا ہے کہ خطیب نے جن راویوں کو خود ہی کذاب اور وضاع قرار دیا ہے ان ہی کے واسطے سے اس کتاب میں امام ابو حنیفہ کی شان میں غلط اور جھوٹ باتیں روایت کر کے اپنی تاریخ کو دانداز کر دیا ہے۔ ماقبل کے لئے اتنا اشارہ کافی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ نمبروں میں طلوع اسلام اور اس کی جماعت کی غلط بیانیوں کا پردہ اچھی طرح چاک کیا جائے گا۔

ظفر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ شیخ الحدیث دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار سندھ  
 ضروری نوٹ :- قسط نمبر ۱۸ کے بعد مزید کوئی قسط شائع ہوئی یا نہیں؟ یہ بات بھی قابل تحقیق ہے۔ سنا ہے کہ اس کے بعد حضرت کو لکھنے کا موقع نہیں مل سکا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔





منکرین حدیث کے رد میں



## ﴿خطیب بغدادی اور منکرین حدیث﴾

از مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ

الصدیق کے مدح صحابہ نمبر میں امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں منکرین حدیث کی ہرزہ سرائیوں کا اجمالی جواب مذکور ہو چکا ہے۔ اب اجمالی جواب کے بعد کسی عاقل کے لئے تو تفصیلی جواب کی ضرورت باقی نہیں رہتی مگر عوام کی تسلی کے لئے میں طلوع اسلام بابت دسمبر ۱۹۵۳ء کے ایک مقالہ پر جس کا عنوان ”مقام حدیث امام اعظم ابو حنیفہ کی نظر میں“ ہے۔ تفصیل کے ساتھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ (مولف)

الف:- طلوع اسلام نے دعویٰ کیا ہے کہ امام اعظم نے تدوین فقہ میں حدیثوں سے بہت کم مدد لی ہے۔ یہ محض افتراء ہے امام صاحب سے زیادہ حدیث کا اتباع کرنے والا کوئی بھی نہیں۔ دنیا جانتی ہے کہ امام صاحب کے نزدیک کتاب اللہ کے بعد حدیث حتیٰ کہ حدیث مرسل بھی حجت ہے ضعیف حدیث بھی حجت ہے جو چند طرق سے مروی ہو۔ قول صحابی بھی قیاس سے مقدم ہے۔ امام صاحب کا یہ قول عام و خاص ہر طبقہ کے علماء میں مشہور ہے کہ

ہ کان ابو حنیفۃ یقول ما جاءنا عن اللہ و رسولہ قبلناہ  
علی الرأس و العین و ما جاءنا عن الصحابة اخترنا  
احسنہ و لم نخرج عن اقوالہم و ما جاءنا عن التابعین  
فہم رجال و نحن رجال و قال ایضاً من کان من الائمة  
التابعین افسی فی زمن الصحابة و زاحمہم فی الفتوی  
و سو غوالہ الاجتہاد فانا اقلدہ مثل شریح و مسروق و

علقمة من مقدمة البخارى و اعلاء السنن نقلا من كتب  
الاصول للحنفيه كالتوضيح وغيره۔

”ہمارے پاس جو کچھ اللہ کے پاس سے آیا ہے (قرآن) اور اس  
کے رسول کے پاس سے آیا ہے (حدیث) ہم اس کو سر آنکھوں پر  
رکھ کر قبول کرتے ہیں اور جو کچھ صحابہ کی باتیں آئی ہیں ہم ان میں  
سے بہتر کو لے لیتے ہیں (اور سب ہی بہترین ہیں) اور ان کے  
اقوال سے باہر نہیں جاتے اور جو باتیں تابعین سے آتی ہیں تو وہ  
بھی آدمی ہیں۔ ہم بھی آدمی ہیں۔ نیز یہ بھی فرماتے تھے کہ آئمہ  
تابعین میں سے جو حضرات صحابہ کے زمانہ میں فتویٰ دیتے تھے اور  
صحابہ کے فتاویٰ سے مزاحمت کرتے تھے اور صحابہ نے ان کو اجتہاد کا  
اہل قرار دیا تھا میں ان کی بھی تقلید کرتا ہوں جیسے قاضی شریعہ اور  
مسروق و عاتقہ ۱۲۔“

”قال ابن حزم جميع الحنفية مجتمعون على ان مذهب  
ابى حنيفة ان ضعيف الحديث عنده اولى من الراى  
فتمامل هذا الاعتناء العظيم بالا حادith و جلالتها  
وموقعها عنده من الخيرات الحسان (ص ۷۸) وقال  
على القارى فى المرقاة ان مذهبهم القوى تقديم  
الحديث الضعيف على القياس المجرد الذى يحتمل  
التزييف (ص ۳ ج ۱)“

”ابن حزم کہتے ہیں کہ سب حنفیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ امام ابوحنیفہ  
کا مذہب یہ ہے کہ ضعیف حدیث ان کے نزدیک رائے سے مقدم  
ہے۔ حدیث کے اس قدر اہتمام اور اس کی عظمت و جلالت کو دیکھو  
جو اس امام کے نزدیک تھی (خیرات حسان) علی قاری مرقاة میں

فرماتے ہیں۔ حنفیہ کا مذہب قوی یہ ہے کہ ضعیف حدیث اس تنہا قیاس پر مقدم ہے جس میں غلطی کا احتمال ہے۔ (۱۰۴)

وقال ابن القيم في اعلام الموقعين واصحاب ابى حنيفة مجتمعون على ان مذهب ابى حنيفة ان ضعيف الحديث عنده اولى من القياس والرأى وعلى ذلك بنى مذهبه كما قدم حديث القهقهة مع ضعفه على القياس والرأى وقدم حديث الوضوء بنيد التمر في السفر مع ضعفه على الرأى والقياس ومنع قطع السارق بسرقة اقل من عشرة دراهم والحديث فيه ضعيف الى ان قال وليس المراد بالضعيف في اصطلاح السلف هو الضعيف في اصطلاح المتأخرين بل ما يسميه المتأخرون حسنا (لغيره اذا تأيد بالشواهد ونحوها) قد سميہ المقتدمون ضعيفا كما تقدم بيانه (ح ۱ ص ۲۷)

ابن القيم امام الموقعین میں فرماتے ہیں امام ابو حنیفہ کے اصحاب کا اس پر اتفاق ہے کہ ابو حنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ ان کے نزدیک ضعیف حدیث قیاس و رائے سے مقدم ہے۔ اسی قاعدہ پر ان کے مذہب کی بنیاد قائم ہے۔ چنانچہ انہوں نے حدیث قبۃ بہ کو باوجود ضعف کے رائے اور قیاس پر مقدم کیا (امام صاحب کے نزدیک نماز میں قبۃ بہ سے نماز کے ساتھ وضو بھی لوٹ جاتا ہے) اسی طرح نبیذ تم سے سفر میں وضو کو جائز کہتے ہیں یہاں بھی ضعیف حدیث کو رائے اور قیاس پر مقدم کیا۔ اسی طرح دس درہم سے کم قیمت کا مال چوری کرنے سے ہاتھ کاٹنے کو منع کرتے ہیں۔ یہاں بھی ضعیف حدیث کو رائے پر مقدم کیا مگر سلف کی احکامات میں ضعیف سے وہ

مراد نہیں جس کو متاخرین ضعیف کہتے ہیں بلکہ جس کو متاخرین حسن (الغیرہ) کہتے ہیں اس کو متقدمین ضعیف کہتے ہیں۔

وقال ايضا ان لم يخالف الصحابي صحابي آخر فاما ان يشتهر قوله في الصحابة او لا يشتهر فان اشتهر فالذي عليه جماهير الطوائف من الفقهاء انه اجماع وحجة و ان لم يشتهر قوله او لم يعلم هل اشتهر ام لا فاختلف الناس هل يكون حجة ام لا فالذي عليه جمهور الامة انه حجة هذا قول جمهور الحنفية صرح به محمد ابن الحسن و ذكر عن ابي حنيفة نصاً وهو مذهب مالک و اصحابه وهو منصوص الامام احمد في غير موضع عنه و اختيار جمهور اصحابه وهو منصوص الشافعي في القديم والجديد اهـ

”نیز امام الموقعین میں ہے اگر کسی صحابی (کے قول) کی مخالفت دوسرے صحابہ نے نہ کی ہو۔ تو اس کی دو صورتیں ہیں یا تو وہ قول صحابہ میں مشہور ہو گیا تھا یا مشہور نہیں ہوا، اگر مشہور ہو گیا ہے تو فقہاء کی سب جماعتوں کا مذہب ہے کہ ایسا قول حجت ہے اور اجماع ہے۔ اور اگر مشہور نہیں ہوا یا ہم کو خبر نہیں کہ مشہور ہوا یا نہیں اس میں اختلاف ہے کہ ایسا قول حجت ہے یا نہیں؟ سو جمہور امت کا قول یہ ہے کہ یہ بھی حجت ہے۔ جمہور حنفیہ کا یہی مذہب ہے۔ امام محمد نے اس کی تصریح کی ہے اور امام ابو حنیفہ سے واضح طور پر اس کو روایت کیا ہے یہی امام مالک اور ان کے اصحاب کا مذہب ہے۔ اسی کی امام احمد نے مختلف مقامات میں اور امام شافعی نے قدیم و جدید کتابوں میں تصریح کی ہے۔“ (احص ۲۱۴ ج ۲)

علامہ ذہبی نے امام ابو حنیفہ کو اپنی کتاب تذکرۃ الحفاظ میں حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے۔ جن کے اجتہاد و رائے کی طرف حدیث کی تصحیح و تضعیف میں رجوع کیا جاتا ہے۔ ابن خلدون مؤرخ لکھتا ہے کہ امام ابو حنیفہ کا فن حدیث میں بڑا مجتہد ہونا اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ امت کو ان کے مذہب پر اعتماد اور بھروسہ ہے۔ ابن القیم نے اعلام الموقعین میں یحییٰ بن آدم کا قول نقل کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے اپنے شہر کی تمام حدیثیں جمع کر لی تھیں۔ ان میں اول سے آخر تک خوب نظر کی تھی۔ خطیب نے اسرائیل میں یونس سے نقل کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ بڑے ہی اچھے تھے۔ ان احادیث کے بڑے حافظ تھے جن میں احکام کا ذکر ہے اور ایسی حدیثوں کو بہت تلاش کرتے اور ان کے فقہی احکام کو خوب جانتے تھے۔ یحییٰ بن معین (امام اہل نقد) کا قول ہے کہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا جسے کسب پر ترجیح دوں اور وہ امام ابو حنیفہ کی رائے پر فتویٰ دیتے اور ان کی سب حدیثوں کے حافظ تھے ابو حنیفہ سے انہوں نے بہت حدیثیں سنیں تھیں۔ یحییٰ بن معین سے کسی نے پوچھا کیا ابو حنیفہ سے حدیث سنی جائے؟ کیا وہ ثقہ ہیں میں نے کسی کو انہیں ضعیف کہتے نہیں سنا۔ یہ شعبہ ابن الحجاج ان کو لکھتے ہیں کہ میرے حکم سے حدیث کا درس دو اور شعبہ تو شعبہ ہی ہیں (جن کا لقب امیر المومنین فی الحدیث ہے یعنی حدیث کے بادشاہ) محمد بن ساعد کا قول ہے کہ امام نے اپنی تصانیف میں (یعنی ان مسائل میں جو شاگردوں کو لکھوائے تھے) ستر ہزار سے اوپر حدیثیں بیان کی ہیں اور کتاب الآثار کو چالیس ہزار احادیث میں سے انتخاب کیا ہے۔ اھ

امام صاحب کے املا کردہ مسائل کا یہ مجموعہ تو اب ناپید ہو گیا مگر امام محمد کی ظاہر روایت اور نوادر اور امام ابو یوسف کی امالی و کتاب الخراج اور کتب ابن المبارک وغیرہ سے ان مسائل کا انتخاب کیا جائے جو حدیث و آثار کے موافق ہیں خواہ صراحۃً ہوں یا دلالتاً تو امید ہے کہ ستر ہزار کے اوپر ہی ہوں گے اور اتنی بڑی مقدار کا حدیث کے موافق ہو جانا بغیر اس کے ممکن نہیں کہ امام صاحب نے ان احادیث کو روایت کیا ہو۔



## عقود الجمان

یہ تو وہ احادیث ہیں جن کو امام صاحب نے فقیہانہ طرز پر اپنے جوابات میں بطور فتویٰ کے بیان فرمایا ہے اس کے بعد ان احادیث کا جائزہ لیا جائے جو آپ نے محدثانہ طریقہ پر روایت کی ہیں تو حافظ محمد بن یوسف صالحی شافعی عقود الجمان میں فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کا برحفاظ حدیث میں بڑے درجہ کے لوگوں میں تھے۔ اگر ان کو حدیث کا اس قدر اہتمام نہ ہوتا تو اس کثرت سے مسائل فقہیہ کا استنباط ممکن نہ تھا۔

## مسانید الانام

اس کے بعد انہوں نے بہت سی روایات بیان کیں جن سے امام ابو حنیفہ کے پاس احادیث کا بڑا ذخیرہ جمع ہونا ثابت ہوتا ہے۔ انہوں نے امام صاحب کے سترہ مسانید کی سندات بڑی تفصیل سے بیان کیں جو ان مسانید کے جمع کرنے والوں تک پہنچتی ہیں۔ جن کے اسما گرامی یہ ہیں۔ حماد بن ابی حنیفہ۔ امام ابو یوسف، امام محمد بن حسن، حسن بن زیاد بولوی، حافظ ابو محمد حارثی، حافظ ابن ابی العوام، حافظ طلحہ بن محمد (العدل)، حافظ ابن المظفر، حافظ ابن عدی، حافظ ابو نعیم اصبہانی، عمر بن الحسن اشنانی، ابو بکر کلاخی، ابو بکر بن المقرئ، حافظ ابن خسر، ابو علی البکری پھر فرماتے ہیں کہ ہم ان مسانید کو اجازۃ حافظ خیر الدین الری کے طریق سے محمد بن سراج عمر حانوتی سے روایت کرتے ہیں حافظ شمس بن لمولون نے بھی ان سترہ مسانید کی سندیں فہرست اوسط میں بیان کی ہیں۔ بلکہ خطیب بھی جب دمشق گئے اپنے ساتھ دارقطنی کا مسند ابی حنیفہ لے گئے تھے اور مسند ابی حنیفہ ابن شاہین بھی ہمراہ تھا اور ایک مسند ابی حنیفہ خود خطیب نے بھی لکھا ہے یہ ان سترہ مسانید کے علاوہ ہیں۔ جن کا ذکر عقود الجمان میں ہے۔

## ابن عقدہ

اور علامہ بدر الدین عینی نے اپنی تاریخ کبیرہ میں لکھا ہے کہ حافظ ابن عقدہ

نے جو مسند ابی حنیفہ جمع کیا ہے وہ تنہا ایک ہزار احادیث سے زائد پر مشتمل ہے یہ بھی مسانید مذکورہ کے علاوہ ہے۔ حافظ سیوطی نے تعقبات اعلیٰ الموضوعات (میں فرمایا ہے کہ ابن مقدہ حفاظ حدیث میں بڑے درجہ پر بے لوگوں نے اس کو ثقہ کہا ہے۔ متعصب کے سوا کسی نے اس کو ضعیف نہیں کہا۔ اھ

(امام محمد و ابو یوسف کے علاوہ) امام زفر کی بھی ایک کتاب الاثر ہے جس میں وہ اثبات سے امام صاحب کی احادیث روایت کرتے ہیں اور حدیث میں امام زفر کے دو نسخوں کا تذکرہ حاکم کی علوم الحدیث میں بھی موجود ہے (یہ کتاب الاثر کے علاوہ ہیں) ان مسانید و آثار کے سوا امام محمد کی موطا اور کتاب انج اور امام ابو یوسف کی امالی اور کتاب الرزق علی سیر الاوزاعی اور کتاب اختلاف ابن لیلیٰ و ابی حنیفہ۔ اور مسند و کعب بن الجراح اور کتب ابن المبارک اور کتب حسن بن زیاد اور مصنف ابن ابی شیبہ و مصنف عبدالرزاق اور مستدرک حاکم اور صحیح ابن حبان و ثقات ابن حبان اور سنن کبریٰ بیہقی اور کتب دارقطنی اور معجم ثنائی طبرانی اور جامع سفیان اور سنن کبریٰ للنسائی وغیرہ کتب احادیث سے امام صاحب کی حدیثوں کو جمع کیا جائے تو بڑی ضخیم کتاب تیار ہو جائے گی۔ اس کے باوجود بھی جو بعض محدثین نے امام صاحب کو قلیل الحدیث کہا ہے (کہ ان کی حدیثیں کم ہیں) اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ عام محدثین کی طرح حدیث و خبر نا کہہ کر ہر باب کی ہزاروں حدیثیں بیان کرتے تھے نہ ان کی طرح درس حدیث کا ایسا حلقہ جماتے جس میں ہر کس و ناکس جلاہا۔ تلی۔ موی۔ بزار۔ حلاق و حجام اور ہر طبقہ کے لوگ جمع ہو کر حدیث سنا کریں بلکہ وہ صرف فقہ حاصل کرنے والے مخصوص علماء کے سامنے احادیث احکام و آثار احکام بیان کرتے اور ان سے مسائل کا استنباط کرتے اور استنباط کا طریقہ بتاتے تھے۔ چنانچہ امام شافعی اور امام مالک سے بھی عام محدثین کی طرح زیادہ حدیثیں روایت نہیں کی گئیں۔

ب۔ طلوع اسلام میں دوسرا عنوان یہ قائم کیا گیا ہے کہ امام ابو حنیفہ احادیث کو ناقابل تبدل نہیں سمجھتے تھے اور ضرورت پڑنے پر سختی سے رد کر دیا کرتے تھے۔ پھر سفیان بن عیینہ کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے ابو حنیفہ سے زیادہ کسی کو اللہ پر جرات کرنے والا نہیں

دیکھا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کے لئے مثالیں گھڑتے اور ان کو رد کر دیا کرتے تھے ان کو معلوم ہوا کہ میں یہ حدیث روایت کرتا ہوں البیعان بالخیار مالہ یفسر قباؤ حنیفہ کہنے لگے ذرا ہٹاؤ تو سہی اگر دونوں کسی ایک کشتی میں سفر کر رہے ہوں۔“  
اس روایت سے یہ اخذ کرنا کہ امام صاحب احادیث کو ناقابل تبدیل نہیں جانتے تھے۔ ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ کا مصداق ہے۔ اس کے کس نقطہ سے یہ مفہوم پیدا کیا گیا۔؟ رہا سفیان بن عیینہ کی طرف یہ قول منسوب کرنا کہ امام صاحب حدیث کو رد کر دیتے تھے۔ سو یہ سفیان بن عیینہ وہی ہیں جو فرماتے ہیں۔

• اول من اقعدن للحدیث و فی رواۃ اول من صیرنی  
محدثا ابو حنیفہ قدمت الکوفۃ فقال ابو حنیفہ ان هذا  
اعلم الناس بحدیث عمرو بن دینار فاجتمعوا علی  
فحدثتهم •

(ترجمہ) ”مجھے سب سے پہلے جس شخص نے درس حدیث کے لئے بٹھلایا۔ ایک روایت میں یہ کہ جس نے سب سے پہلے مجھے محدث بنایا وہ ابو حنیفہ ہیں کیونکہ میں جب کوفہ پہنچا تو ابو حنیفہ نے فرمایا یہ شخص عمرو بن دینار کی حدیثوں کو سب سے زیادہ جانتے والا ہے۔ اس بات کے سنتے ہی لوگ میرے پاس جمع ہو گئے اور میں نے ان سے حدیث بیان کی۔“ (خطیب)

جس سے معلوم ہوا کہ امام صاحب فقط محدث ہی نہیں بلکہ محدث گزر بھی تھے۔ جس کی تعریف کر دیتے لوگ اس کے گرد جمع ہو جاتے سفیان بن عیینہ امام صاحب کے شاگرد ہیں مسانید ابی حنیفہ میں امام صاحب سے ان کی روایات موجود ہیں۔ بالخصوص مسند حارثی میں سب سے زیادہ ہیں (ابن ابی العوام ابن عبد البر ملاحظہ ہو تانیب الخطیب للہ ثری ص ۱۵۵) اس لئے تاریخ بغداد کی یہ روایات ہرگز قابل اعتبار نہیں اس کی سند میں ابراہیم بن بشار رمادی دھرا ہوا ہے۔ جس کے متعلق ابن ابی حاتم نے امام احمد کا یہ قول

نقل کیا ہے کہ یہ شخص ہمارے ساتھ سفیان کے درس میں آتا تھا۔ پھر لوگوں کو وہ حدیثیں املا کراتا تھا جو سفیان سے سنی گئی تھیں۔ تو بعض دفعہ ایسی باتیں بھی املا کرا دیتا جو لوگوں نے نہیں سنی تھیں میں نے اس سے کہا تو خدا سے نہیں ڈرتا ایسی باتیں لکھواتا ہے جو لوگوں نے سفیان سے نہیں سنی اور اس کی بہت سخت مذمت کی اسے۔ تو جو شخص حدیث رسول میں زیادتی کرنے سے بھی نہیں ڈرتا وہ ابو حنیفہ اور سفیان کی باتوں میں کیا خاک احتیاط کرے گا؟ ص ۸۲۔ پھر اس مسئلہ میں امام صاحب نے حدیث کو رد کب کیا ہے؟ ان کے نزدیک اس میں تفرق سے مراد تفرق بالابدان نہیں بلکہ تفرق بالاقوال ہے شافعیہ نے تفرق بالابدان مراد لیا ہے۔ حدیث کو سب مانتے ہیں تفسیر میں اختلاف ہے اہل علم اس امر سے بخوبی واقف ہیں۔ اگر اس کا نام حدیث کو رد کرنا ہے تو امام ابو حنیفہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ جو لوگ تفرق بالقول مراد لیتے ہیں وہی اس حدیث کو رد کرتے ہیں کیونکہ ہمارے پاس قرآن و حدیث سے بہت دلائل موجود ہیں جو ہماری تفسیر کی تائید کرتے ہیں۔ پھر اس حدیث کا جو مطلب امام صاحب نے سمجھا ہے امام سفیان ثوری اور امام مالک نے بھی وہی سمجھا ہے (ملاحظہ ہو ترمذی وغیرہ) امام ابو حنیفہ اس مسئلہ میں تنہا نہیں ہیں۔ فقہاء کوفہ و اہل مدینہ ان کے ساتھ ہیں۔ تو یہ الزام سب پر عائد کرنا چاہیے۔

اس عنوان کے تحت طلوع اسلام نے مفضل بن موسیٰ سنیاہی (فضل لکھنا چاہیے) کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ اس نے ابو حنیفہ کو کہتے سنا ہے کہ میرے اصحاب میں ایسے لوگ موجود ہیں جو دو قلعے پیشاب کرتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کو کہ پانی اگر دو قلعے ہو تو وہ نجس نہیں ہوتا۔ رد کرتے ہوئے ایسا فرمایا تھا۔

امام ابو حنیفہ کا وقار و متانت اور نزاہت اسان اور تہذیب مشہور و معروف ہے ایسے کند۔ الفاظ ان کی زبان پر ہرگز نہیں آسکتے۔ طلوع اسلام کو شرمناک چاہیے کہ وہ ایسی مہمل خرافات سے اپنا مدعا ثابت کرنا چاہتا ہے۔ جن کو امام تو امام کسی معمولی درجہ کے عالم کے لئے بھی کوئی سننا گوارا نہیں کر سکتا۔

## ابن دوما۔ ابار۔ ابن سلم۔ ابوعمار مروزی

اس حکایت کی سند میں ابن دوما، ابن سلم، ابار، ابوعمار مروزی رکھے ہوئے ہیں ابن دوما کے متعلق خود خطیب نے جرح کی ہے کہ وہ تزدیر کرتا ہے، اس نے خود ہی اپنے کو برباد کر دیا ہے کہ جن روایات کا سماع اسے حاصل نہیں ہوا ان کو بھی اپنی مسموعات میں داخل کر دیتا ہے۔ اھ۔ ایسے مزور کی روایت ہرگز قابل اعتبار نہیں۔ تاتیب ص ۴۶ ابن سلم احمد بن جعفر خلکی سخت متعصب عقل کا اندھا ہے ص ۲۲۔ احمد بن علی ابار ان راویوں میں سے ہے جن کو دلچ سودا گرو ظیفے دیا کرتا تھا۔ تاکہ ایسی روایتیں جمع کریں جو اصول و فروع میں اس کے مخالفوں کو زخم پہنچائیں۔ تو ابار کا قلم بھاڑے کاٹو ہے۔ ائمہ اہل حق کے متعلق بڑا منہ پھٹ۔ بد زبان ہے۔ تاریخ خطیب میں امام صاحب کے مثالب و معائب اکثر اس کے حوالے سے ہیں جن سے اس کا تعصب اور امام ابوحنیفہ سے عداوت صاف ظاہر ہے اور دشمن کی شہادت کسی کے نزدیک بھی معتبر نہیں۔ پھر ابار ہمیشہ امام کی شان میں اس قسم کی خرافات مجہول راویوں اور جھوٹوں ہی سے نقل کرتا ہے چنانچہ یہاں بھی اس کا شیخ ابوعمار مروزی کثیر الاغراب ہے۔ جو اکثر ایسی باتیں روایت کرتا ہے کہ جو کوئی بیان نہیں کرتا خطیب کی تاریخ میں امام صاحب کے مثالب اس قسم کے راویوں سے منقول ہیں تاکہ عند اللہ وعند الناس خطیب یا بعد کو اس کی تاریخ میں اضافہ کرنے والے اچھی طرح رسوا ہو جائیں اس روایت میں جو الفاظ امام صاحب کی طرف منسوب کئے گئے ہیں ان کی زبان سے کبھی نہیں نکل سکتے یقیناً یہ ابن دوما یا ابن سلم یا ابار کی منگھڑت ہے۔

## حدیث القلتین

وہی حدیث قلتین تو دوسری صدی ہجری سے پہلے فقہاء میں سے کسی نے بھی اس کو اختیار نہیں کیا کیونکہ اس میں سخت اضطراب ہے بجز چند تابعین کے کسی نے اس کو صحیح نہیں مانا پھر صحیح کہنے والے بھی اس پر عمل کیسے کر سکتے ہیں؟ جبکہ قلتین کی مقدار کسی دلیل سے متعین نہیں کی جاسکتی؟ اس لئے علامہ ابن دقیق العید مالکی ثم الشافعی نے شرح

مدۃ الاحکام میں اقرار کیا ہے کہ حنفیہ کی دلیل جو ماہِ راکد کے متعلق صحیح میں وارد ہے۔ بہت قوی ہے (کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کر کے پھر اس سے وضو یا غسل نہ کرو۔ حضورؐ نے ٹھہرے ہوئے پانی میں نجاست گرنے کے بعد اس سے مطلقاً وضو اور غسل کو منع فرمایا ہے۔ دو قلعہ کی قید نہیں اور یہ حدیث باتفاق محدثین صحیح ہے اسی کو امام نے اختیار کیا ہے۔

ج۔ طلوع اسلام میں تیسرا عنوان یہ قائم کیا گیا ہے کہ ”امام اعظم نے چار سو سے زیادہ احادیث کو رد کیا۔“ پھر یوسف بن اسباط کا قول نقل کیا گیا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر چار سو بلکہ چار سو سے بھی زیادہ حدیثوں کو رد کر دیا ہے پھر جب یوسف سے ان احادیث کو دریافت کیا گیا تو صرف چار حدیثیں بیان کیں۔ الخ اگر ادارہ طلوع اسلام میں کوئی پڑھا لکھا سمجھدار ہوتا تو اسی سے اس روایت کے غلط ہونے کا اندازہ کر لیتا کہ چار سو کا دعویٰ کرنے والا چار ہی حدیثیں بیان کر رہا ہے اگر پوری نہیں تو آدھی ہی بیان کر دیتا۔ کیا اس کے نزدیک یہ چار ہی چار سو کے برابر ہیں؟ پھر جس نے باقاعدہ علوم اسلامیہ کی تحصیل کی ہے وہ خوب جانتا ہے کہ امام صاحب نے ان چار احادیث کو بھی رد نہیں کیا بلکہ ان کا مطلب وہ بیان کیا ہے جو اہل ظاہر محدثین نہیں سمجھے۔

### حدیث البیعان بالخیار مالم یتفرقا

چنانچہ ان میں ایک تو وہی حدیث البیعان بالخیار مالم یتفرقا ہے کہ جب تک خرید و فروخت کرنے والے جدا نہ ہوں ان کو اختیار رہتا ہے ہم بتلا چکے ہیں کہ امام صاحب نے اس کو رد نہیں کیا بلکہ تفرق سے تفرق بالقول مراد لیا ہے نہ کہ تفرق بالابدان“ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب تک بائع اور مشتری کی باتیں ختم نہ ہوں یعنی ایجاب و قبول تمام نہ ہو اس وقت تک ہر ایک کو اپنی بات کے واپس لینے کا اختیار ہے۔ ایجاب و قبول ختم ہو جانے کے بعد یہ اختیار نہیں رہتا مگر جب کہ ان میں سے ایک نے

خیار کی شرط کر لی ہو جیسا اس حدیث کے دوسرے طرق میں الا ان یکون بیع خیار کی قید موجود ہے اور تفرق کا اطلاق تفرق بالقول پر بکثرت وارد ہے۔ قرآن میں ہے۔

﴿وَاَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا ۚ وَمَا تَفَرَّقَ  
الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۚ وَإِنْ  
يَتَفَرَّقُوا يُغْنِ اللَّهُ كُلًّا مِنْ سَعَتِهِ ۝﴾

اور چونکہ آیت قرآنیہ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ بتلاری ہے کہ رضا مندی کے ساتھ ایجاب و قبول کے بعد (کہ تجارت کا مفہوم لغت میں یہی ہے) بائع و مشتری میں سے ہر ایک کو بیع و ثمن میں تصرف کرنے کا حق ہے اس حق کو مجلس سے علیحدگی پر موقوف کرنا نص پر زیادتی کرنا ہے جو خبر واحد سے امام صاحب کے اصول پر درست نہیں اس لئے لفظ تفرق کو حدیث میں تفرق بالاقوال پر محمول کرنا چاہیے اور اگر تفرق بالابدان ہی مراد لیا جائے تو اس کو استحباب پر محمول کیا جائے گا جیسا راوی حدیث عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا قول کانت السنة ان المتبايعين بالخيار مالم يتفرقا (رواہ البخاری) اس پر دال ہے۔

### حدیث للفارس سہمان وللرجل سہم

اسی طرح دوسری حدیث کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گھوڑے کے دو حصے اور پیادہ آدمی کا ایک حصہ ہے (ترجمہ طلوع اسلام نے غلط کیا ہے صرف آدمی لکھنا چاہیے) مگر ابو حنیفہ کہتے ہیں میں جانور کا حصہ مومن کے حصہ سے زیادہ نہیں کر سکتا۔ (طلوع اسلام)

اس کو بھی امام صاحب نے رد نہیں کیا بلکہ یہ فرمایا ہے کہ اس حدیث کے الفاظ میں راویوں نے اختلاف کیا ہے۔ بعض نے ان ہی الفاظ سے روایت کیا ہے للفارس سہمان وللرجل سہم وفي رواية والصاحبه سہم گھوڑے کے دو حصے اور آدمی کا ایک۔ دوسری روایت میں ہے گھوڑے کے مالک کا ایک حصہ ہے اور بعض نے ان لفظوں سے روایت کیا ہے للفارس سہمان وللراجل سہم گھوڑے سوار کے دو



حصے ہیں اور پیادہ کا ایک حصہ ہے۔ چنانچہ مجمع بن جاریہ سے سنن ابی داؤد میں ان ہی الفاظ کے ساتھ یہ حدیث مروی ہے اور قاعدہ ہے کہ جب کسی حدیث کے الفاظ میں راوی اختلاف کریں تو دلیل سے ایک کو دوسری پر ترجیح دی جائے گی۔ امام صاحب کے نزدیک مجمع بن جاریہ کی روایت کو ترجیح ہے کہ گھوڑے سوار کو مال غنیمت سے دو حصے دیے جائیں گے اور پیادہ کو ایک سوار کو تین حصے نہیں دیئے جائیں گے اور جس حدیث سے سوار کے تین حصے معلوم ہوتے ہیں اس میں یا تو راوی کو وہم ہوا ہے کہ فرس کو فرس اور زجل کو زجل پڑھ لیا یا اس کو تفہیل پر محمول کیا جائے گا کہ کسی وقت بطور انعام کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سواروں کو بجائے دو حصے کے تین حصے دیدیے اور تفہیل قانون عام نہیں بلکہ امام کی رائے پر ہے۔ اگر کسی وقت مصلحت ہو ایسا بھی کر سکتا ہے۔

### حدیث اشعار الہدی

رہی تیسری حدیث کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے اصحاب نے برابر قربانی کے جانوروں پر نیزہ مار کر نشان لگایا ہے (یہاں بھی طلوع اسلام نے ترجمہ غلط کیا ہے ہدی کے جانوروں پر لکھنا چاہیے) مگر ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ ایسا کرنا جاندار کی صورت کو بگاڑنا ہے۔ (طلوع اسلام)

تو یہ تنہا امام صاحب کا قول نہیں بلکہ ابراہیم نخعی کا قول ہے جو حماد کے واسطے سے وہ روایت کرتے ہیں جیسا ترمذی نے اس پر اشارہ کیا ہے اور ان کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اشعار مطلقاً منع ہے بلکہ وہ اپنے زمانہ کے جاہلوں کے اشعار کو مثلاً کہتے تھے۔ جس میں مبالغہ کے ساتھ جانوروں کے کوہان پر نیزہ مارا جاتا تھا جس سے گہرا زخم ہو جاتا اور جانور کو بہت تکلیف ہوتی تھی اور جس طریقہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور صحابہ نے اشعار کیا ہے کہ صرف کوہان کو ذرا سا چیر دیا جاتا گوشت تک زخم نہ پہنچتا تھا۔ اس کو نہ ابراہیم نخعی نے مثلاً کہا نہ امام صاحب نے۔ علامہ طحاوی نے شرح معانی الآثار میں اس کی تصریح کی ہے اور وہ مذہب حنفیہ کو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔



## حدیث الاقرا ع بین النساء عند السفر

رہی چوتھی حدیث کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تشریف لے جاتے تو اپنے ہمراہ لے جانے کے لئے ازواج مطہرات میں قرعہ اندازی کیا کرتے تھے مگر ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ قرعہ اندازی خالص قمار اور جوا ہے (طلوع اسلام) (لفظ خالص کس لفظ کا ترجمہ ہے مدیر طلوع اسلام کو بتلانا چاہیے)۔

یہاں بھی یہ دعویٰ غلط ہے کہ امام صاحب نے حدیث کو رد کیا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں قرعہ اندازی کرنا امام صاحب کے نزدیک بھی مستحب ہے کتب حنفیہ میں اس کی تصریح ہے۔ متون و شروح سب اس پر متفق ہیں۔ امام صاحب بس یہ فرماتے ہیں کہ جس صورت میں حدیث سے قرعہ اندازی ثابت ہے اسی پر اکتفا کرنا چاہیے اس سے آگے نہ بڑھنا چاہیے قرعہ اندازی سے کسی حق ثابت کو باطل نہیں کیا جاسکتا۔ ہاں جہاں کسی کا حق ثابت نہ ہو وہاں ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کیلئے بطور تطہیب قلب کے اس سے کام لے سکتے ہیں جیسا حدیث میں ہے کیونکہ سفر میں شوہر پر قسم واجب نہیں رہتی کہ ہر بی بی کی باری میں اس کے پاس رات گزارے کیونکہ سفر میں سب بیبیوں کا ساتھ لینا دشوار ہے جب بیویوں کا یہ حق ساقط ہو گیا تو اب کسی ایک کو ساتھ لے جانا جائز ہے اور قرعہ اندازی سے ایک کا انتخاب کرنا بہتر ہے جیسا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تا کہ کسی بیوی کو ترجیح بلا مرجح کا خیال پیدا نہ ہو لیکن قرعہ اندازی سے حق غیر ثابت کو ثابت کرنا یا حق ثابت کو باطل کرنا حدیث سے تجاوز کرنا ہے اس لئے امام صاحب ہر جگہ قرعہ اندازی کے قائل نہیں ہیں۔ کیا اسی کا نام حدیث کو رد کرنا ہے؟ اسی سے بقیہ تین سو چھیا نوے حدیثوں کا اندازہ لگایا جائے کہ وہاں بھی راوی کی فہم کا قصور ہوا ہے ورنہ امام صاحب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی حدیث کو رد کریں؟ معاذ اللہ۔

## حدیث نبوی ﷺ کی تعظیم میں امام صاحب کے اقوال

امام صاحب کا یہ قول مشہور ہے

”كل شيء تكلم النبي صلى الله عليه وسلم سمعناه  
اولم نسمعه فعلى الرأس والعين قدأمننا به ونشهدانه  
كما قال النبي صلى الله عليه وسلم وقال ايضاً لعن الله  
من يخالف رسول الله صلى الله عليه وسلم به اكرمنا  
الله به استنقذنا“

(ملاحظہ ہو کتاب العالم والعلم ابی حنیفہ و کتاب الانتقاء ابن عبد البر)

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ بھی فرمایا ہے (بشرطیکہ آپ کا  
فرمانا ثابت ہو جائے) وہ ہمارے سر آنکھوں پر ہے ہم اس پر ایمان  
رکھتے ہیں اور گواہی دیتے ہیں کہ جیسا آپ نے فرمایا ہے وہی  
(حق) ہے۔“ نیز فرماتے ہیں ”خدا لعنت کرے اس شخص پر جو  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی (حدیث کی) مخالفت کرتا ہے۔ آپ  
ہی کے وسیلہ سے تو اللہ تعالیٰ نے ہم کو عزت دی اور آپ ہی کے  
ذریعہ ہم کو (گمراہی سے) بچایا اور نجات دی۔“

نیز فرمایا کہ کسی شخص کی حدیث کو رد کرنا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف  
قرآن کے خلاف بات منسوب کرتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو رد کرنا یا  
(معاذ اللہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو جھٹلانا نہیں ہے بلکہ اس شخص کی بات کو رد کرنا  
ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط بات کو منسوب کر رہا ہے۔

اور یہ کون کہہ سکتا ہے کہ امام صاحب پر یا کسی مجتہد پر ان تمام حدیثوں کا ماننا  
ضروری ہے۔ جو راویان حدیث ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں روایت کرتے ہیں جب  
تک راویوں کی عدالت و امانت کو اچھی طرح نہ جانچ لیا جاوے اور باہم تمام روایات میں  
موازنہ کر کے رائج و مرجوح میں تمیز نہ کر لی جائے۔ اگر یوں ہی ہر روایت کو مان لیا جائے  
تو دین ضائع ہو جائے اور بیوقوفوں کے ہاتھ میں اھلونا بن جائے گا۔ جو لوگ حدیث کو  
دینی حجت سمجھتے ہیں ان کے یہاں حدیث کے صحیح اور معتبر ہونے کے لئے اصول مقرر

ہیں جو حدیث ان اصول پر پوری اترے گی وہی حجت ہے ہر حدیث کو کسی نے حجت نہیں کہا کیونکہ سب جانتے ہیں کہ بعض حدیثیں کمزور اور بے دین لوگ بھی روایت کرتے ہیں جو ضعیف یا موضوع کے نام سے یاد کی جاتی ہیں۔

اس تحقیق کے بعد ہم اس روایت کے راویوں کی بھی جانچ کرنا چاہتے ہیں جو کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ نے چار سو حدیثیں رد کی ہیں اس کی سند میں ایک تو عمر بن فیاض ہے جس کو کسی نے ثقہ نہیں کہا دوسرا ابو طیبہ الوساوی ہے۔ اس میں بھی محدثین نے جرح کی ہے تو اس کے وساوس قابل التفات نہیں۔ تیسرا عبداللہ بن خبیب ہے جو قراءت کے سوا اور کسی روایت کے قابل نہیں، چوتھا ابوصالح فرار ہے۔ محدثین نے کہا ہے کہ بغیر کتاب کے وہ جو کچھ کہے قابل التفات نہیں۔ پانچواں یوسف بن اسباط ہے۔ یہ مغفل زاہد ہے جس نے اپنی کتابوں کو دفن کر دیا تھا۔ اور حافظہ خراب ہونے کی وجہ سے گڑبڑ روایتیں بیان کرنے لگا محدثین کا فیصلہ ہے کہ اس کی کوئی روایت حجت نہیں۔ (تانیب ص ۷۱)۔ (۸۵) یہ تو اس روایت کی سند کا حال ہے اور تین کے بارہ میں ہم بتا چکے ہیں کہ امام صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک بات کو بھی رد نہیں کیا البتہ ان مغفلین کی باتوں کو رد کیا ہے جو اپنی طرف سے حدیث کا مطلب متعین کر کے مجتہد کی تشریح و تفسیر کو رد حدیث پر محمول کرتے ہیں۔

طلوع اسلام میں اسی عنوان کے تحت ابوسائب کا یہ قول بھی نقل کیا گیا ہے کہ میں نے وکیع کو کہتے سنا کہ ہم نے ابو حنیفہ کو دو سو حدیثوں کی مخالفت کرتے ہوئے پایا ہے۔ سبحان اللہ یا تو امام صاحب کو چار سو حدیثوں کے رد کرنے کا الزام دیا جا رہا تھا۔ یا اب چار سو سے اتر کر دو سو کی تعداد رہ گئی۔ مگر چار سو کا دعویٰ کرنے والے نے چار حدیثوں کا تو پتہ دیا تھا۔ جس کی حقیقت ہم بتا چکے کہ امام صاحب نے ان میں سے ایک کو بھی رد نہیں کیا۔ محض راوی کی غلط فہمی اور کوتاہ بینی تھی مگر دو سو کا دعویٰ کرنے والے نے ایک دو حدیث کا بھی پتہ نہیں دیا۔

کاش یہ لوگ بھی ابوبکر بن ابی شیبہ کی طرح ان حدیثوں کا پتہ دے دیتے کہ

اس غریب نے تو اپنی مصنف میں ایک خاص باب منعقد کر کے ایک سو پچیس حدیثیں بیان کر دی ہیں جن کی امام ابو حنیفہ نے ان کے خیال میں مخالفت کی تھی۔ اس کا جواب بھی علامہ محمد زاہد کوثری مصری نے بہت تفصیل کے ساتھ دیدیا ہے۔ ان سے پہلے عقود الجواهر المنیفة اور مقدمہ مسانید الامام میں اس کا جواب بھی دیا گیا ہے تو ہم ان دو سو یا چار سو حدیثوں کی بھی حقیقت واضح کر دیتے اور بتا دیتے کہ ان میں سے بھی امام صاحب نے کسی حدیث کو رد نہیں کیا بلکہ دوسری احادیث کی بنا پر ان کا مطلب وہ بیان کیا ہے جو ان محدثین نے نہیں سمجھا۔

و کم من عائب قولاً صحیحاً و آفته من الفہم السقیم

بہت سے آدمی سچی بات میں بھی عیب نکال دیا کرتے ہیں مگر یہ ان کی فہم سقیم کی آفت ہوتی ہے پھر غضب یہ ہے کہ امام وکیع کی طرف اس قول کو منسوب کیا گیا ہے کہ امام صاحب نے دو سو حدیثوں کو رد کر دیا۔ حالانکہ خطیب نے خود ہی اپنے شیخ حافظ الصمیری کے واسطے سے سند صحیح یحییٰ بن معین کا یہ قول نقل کیا ہے کہ میں نے وکیع سے بہتر کسی کو نہیں دیکھا پھر ان کی تعریف و توصیف کر کے کہا کہ وہ امام ابو حنیفہ کے قول پر فتویٰ دیا کرتے تھے اور ان سے بہت حدیثیں سنی تھیں۔ یحییٰ بن معین نے کہا کہ یحییٰ بن سعید قطان بھی امام ابو حنیفہ کی رائے پر فتویٰ دیتے تھے۔ دوری نے بھی یحییٰ بن معین سے اسی طرح روایت کی ہے اھ (ج ۱۳ صفحہ ۵۰۱) اب فرمائیے تاریخ خطیب کی کس روایت کو مانا جائے؟ اور یہ کچھ وکیع ہی کے ساتھ خاص نہیں غضب یہ ہے کہ اسی تاریخ میں امام ابو یوسف اور عبد اللہ بن مبارک جیسے خاص شاگردوں سے بھی امام صاحب کی مذمت نقل کر دی گئی ہے۔ ان ظالموں کو جنہوں نے تاریخ خطیب میں یہ خرافات شامل کی ہیں اتنی بھی حیا، شرم نہ تھی کہ جھوٹ ایسا تو بولتے جس کے کچھ سراپاؤں ہوتا مگر وہ تو ایسا صریح جھوٹ بولتے ہیں جس کو ادنیٰ طالب علم بھی باور نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح جھوٹوں کو رسوا کیا کرتا ہے۔“

اس کے بعد طلوع اسلام میں عبد الاعلیٰ بن حماد اور مسنول کے واسطے سے تمام

بن سلمہ کا قول نقل کیا گیا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں آتی تھیں۔ مگر وہ اپنی رائے سے رد کر دیا کرتے تھے۔ الخ (طلوع اسلام)

### علی بن احمد بزاز

مگر پہلی روایت کی سند میں علی بن احمد بزاز ہے جس کے متعلق خود خطیب کو اعتراف ہے کہ اس کا بیٹا اس کی اصل کتابوں میں اضافات کر دیا کرتا تھا۔ اور یہ ان کو بیان کرتا تھا ایسے شخص کی روایت کا کچھ اعتبار نہیں کیا جاسکتا (تانیب ص ۲۱) اس کے بعد علی بن محمد موسلی ہے اس کے متعلق مینی بن فیروز کے ترجمہ میں خطیب نے تصریح کی ہے کہ وہ ثقہ نہیں ہے۔

### عبداللہ بن احمد

دوسری سند میں عبداللہ بن احمد صاحب کتاب السنۃ ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ ہی سے اس کی حقیقت معلوم ہو سکتی ہے کہ وہ علم کے کس درجے پر ہے ایسا شخص امام ابو حنیفہ کے متعلق سچ نہیں بول سکتا خصوصاً جبکہ جرح و تعدیل کے بارہ میں اس کا جھوٹ ثابت بھی ہو چکا ہے۔ چنانچہ علی بن حمزہ حافظ ثقہ کا قول ہے کہ مجھ سے احمد بن عبداللہ اصہبانی نے بیان کیا کہ میں ایک دن عبداللہ بن احمد بن حنبل کے پاس گیا تو پوچھا تم کہاں تھے میں نے کہا کہ کریمی کی مجلس میں تھا کہا اس کے پاس نہ جایا کرو وہ تو کذاب ہے۔ پھر ایک دن میں کریمی کی مجلس پر گزرا تو عبداللہ بن احمد کو اس کی روایتیں لکھتا ہوا دیکھا میں نے کہا یہ کیا آپ نے تو مجھ سے کہا تھا کہ اس کی روایت مت لکھو یہ کذاب ہے کہا چپکے رہو۔ پھر جب فارغ ہو کروہاں سے اٹھے میں نے پھر سوال کیا تو کہا میں نے تم سے یہ بات اس لئے کہی تھی کہ مبادا کہیں آج کل نوجوان سند میں ہمارے برابر ہو جائیں۔ (خطیب ص ۴۳۹، ج ۳)

### احمد بن عبداللہ اصہبانی

خطیب نے احمد بن عبداللہ اصہبانی کو مجہول کہہ کر اس روایت کو کمزور کرنے کی کوشش کی ہے مگر یہ اس کا تجاہل عارفانہ ہے تاریخ اصہبانی ابی نعیم میں اس کا ترجمہ موجود ہے وہ ابن حمزہ کے ثقات شیوخ میں سے ہے۔

## علی بن حمشاد

اور ابن حمشاد جیسا حافظ ثقہ مجاہل اور قابل اعتماد لوگوں سے روایت نہیں کر سکتا (تانیب ص ۱۵۱) پس عبد اللہ بن احمد کو اگر حدیث کے بارہ میں سچا سمجھ لیا جائے تو محدثین کو اختیار ہے مگر جرح و تعدیل کے باب میں اس واقعہ کے بعد اس کو ہرگز ثقہ نہیں کہا جاسکتا۔

## مؤمل بن اسمعیل

مؤمل بن اسمعیل بھی اس سند میں ہے۔ جس کے متعلق امام بخاری نے منکر الحدیث کہا ہے اور یہ لفظ امام بخاری اسی شخص کے بارہ میں کہتے ہیں جس کے متعلق دوسرے محدثین کذاب کا صیغہ استعمال کرتے ہیں ابو زرہ رازی فرماتے ہیں کہ وہ حدیث میں بہت خطا کرتا ہے۔ ایسا شخص جرح و تعدیل کے باب میں اصلاً حجت نہیں اور جو حدیث میں بکثرت خطا کرتا ہو وہ حکایات میں بھی ہرگز قابل اعتبار نہیں۔

## حماد بن سلمہ

پھر دونوں سندوں کا منتہی حماد بن سلمہ ہے اس کو اس بات کی کیا تمیز کہ حدیث کو لینا اور رد کرنا کس چیز کا نام ہے؟ یہ وہی حضرت ہیں جنہوں نے باب الصفات میں قیامت ڈھائی ہے ایک روایت میں کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو جو انمرد کی صورت میں دیکھا اس کو تو آئمہ مجتہدین کی شان میں زبان کھولنے کا حق نہیں۔ بہت ممکن ہے کہ امام صاحب نے اس کی بیان کردہ بعض روایات کو اس لئے رد کر دیا ہو کہ ان کو اس پر اعتماد نہ تھا جیسا امام بخاری کو بھی اس پر اعتماد نہیں۔ اب یہ امام صاحب پر طعن کرنے کا کہ وہ حدیث کو رائے سے رد کر دیتے ہیں۔ حالانکہ وہ راوی کے ناقابل اعتماد ہونے کی وجہ سے اس کی روایت کو رد کر رہے تھے۔ حماد سلمہ کا امام بخاری کے نزدیک ناقابل اعتماد ہونا مقدمہ فتح الباری اور مقدمہ علماء السنن میں مذکور ہے۔

## طلوع اسلام کا اتہام

اس کے بعد طلوع اسلام نے چوتھا عنوان قائم کیا ہے ”انکار حدیث میں امام ابوحنیفہ کا تشدد“ اس عنوان کے تحت طلوع اسلام نے ان کلمات سے اپنے لئے انکار حدیث کا جواز نکالنا چاہا ہے جن کو راویوں نے کفر سمجھ کر روایت کیا ہے۔ کیونکہ یہ لوگ تو امام صاحب کو جہنمی کہتے ہیں۔ جن کو اس زمانہ میں جہنمی کہا جاتا تھا۔ مگر مدیر طلوع اسلام ان کلمات کو کفر نہیں سمجھتا بلکہ پوری ڈھٹائی کے ساتھ ان کو امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب کر کے اپنا مدعا ثابت کرنا چاہتا ہے حالانکہ ایک جاہل سے جاہل مسلمان بھی ان کلمات کے کفر ہونے میں شبہ نہیں کر سکتا نہ کسی مسلمان کی طرف ان کی نسبت گوارا کر سکتا ہے چہ جائیکہ امام اعظم ابوحنیفہ کی طرف جن کی امانت و تقدس، تقویٰ و ادب سنت پر ساری امت کا اجماع ہے اس کو لازم تھا کہ پہلے تاریخ خطیب بغدادی کا جائزہ لیتا پھر ان بے ہودہ کلمات کے راویوں کی تحقیق کرتا مگر افسوس ہے کہ انکار حدیث کے نشہ میں وہ ایسا منجھوٹا الحواس ہو گیا ہے کہ کلمات کفر سے بھی استدلال کرنے میں باک نہیں کرتا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون نقل کفر کفر نہ باشد اب ذرا اس ہدیان کو دل تھام کر سنئے۔

”ابو اسحاق فزاری کہتا ہے کہ میں ابوحنیفہ سے مسائل جہاد پوچھا کرتا تھا۔ ایک دن میں نے ایک مسئلہ پوچھا انہوں نے جواب دیا میں نے کہا اس بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تو اس طرح ہے ابوحنیفہ نے کہا ہمیں اس سے معاف رکھو۔ ایک اور دن میں نے ان سے ایک مسئلہ پوچھا انہوں نے جواب دیا میں نے پھر کہا کہ اس بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تو ایسا ایسا منقول ہے تو ابوحنیفہ نے کہا اسے لے جا کر خنزیر کی دم سے رگڑ دو۔“ الخ

ان لوگوں کو خدا کا خوف نہ آیا کہ ان کلمات سے آسمان گر پڑے گا زمین پھٹ جائے گی زلزلہ آجائے گا۔ بھلا امام ابوحنیفہ جن کی متانت و تہذیب اور شائستگی کلام دنیا کو معلوم ہے کہ وہ بحث و مباحثہ میں بھی کبھی اپنے مقابل کو نازیبا الفاظ سے خطاب نہ کرتے



تھے وہ حدیث رسول کے بارہ میں ایسا کہیں۔ استغفر اللہ نعوذ باللہ۔

اب سنئے اس روایت کی سند میں عبد السلام بن عبد الرحمن ہے جس کو قاضی یحییٰ بن اسلم نے عہدہ قضاء سے معزول کر دیا تھا۔ جب ظاہر یہ حشویہ کا بازار گرم ہوا اسے پھر منصب قضا پر لا بٹھایا اور اس کا شیخ اسمعیس بن عیسیٰ مجہول ہے۔

## اسحاق فزاری

اور ابو اسحاق فزاری نے خود اپنا ایک ایسا واقعہ امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ بیان کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو امام صاحب سے عداوت ہو گئی تھی اس لئے دشمن کی روایت ان کے حق میں ہرگز قبول نہیں ہو سکتی۔ امام صاحب نے اس کے بھائی کو جب اس نے امام ابراہیم بن عبد اللہ بن حسن کے متعلق دریافت کیا کہ وہ حق پر ہیں اور ان کی مدد واجب ہے یا نہیں؟ فتویٰ دے دیا تھا کہ وہ حق پر ہیں اور مدد کے مستحق ہیں۔ اس پر وہ ان کے ساتھ معرکہ میں شہید ہو گیا تو ابو اسحاق فزاری نے امام صاحب سے کہا کہ تم نے فتویٰ دے کر میرے بھائی کو مروادیا۔ فرمایا اگر تو بھی اپنے بھائی کے ساتھ مارا جاتا تو اس جگہ رہنے سے اچھا تھا۔ جہاں سے تو آیا ہے (یہ بصرہ میں رہتا تھا جو خارجیوں کا اور قدریہ کا اڈہ تھا) بس اس واقعہ نے اس کا توازن دماغ کھو دیا۔ اب وہ منہ پھٹ ہو کر ہر مجلس میں امام صاحب کو برا بھلا کہنے لگا۔ بھلا اس میں امام ابو حنیفہ کا کیا قصور تھا کہ ایک شخص فتویٰ پوچھتا ہے اور وہ جو حق سمجھتے ہیں اس کے موافق فتوے دے رہے ہیں۔

یہی ابو اسحاق فزاری امام صاحب کی طرف (بقول خطیب) یہ بات منسوب کرتا ہے کہ ابو بکر صدیق اور ابلیس کا ایمان ایک ہے وہ بھی یارب کہتے ہیں یہ بھی یارب کہتا ہے۔ امام صاحب کے مثالب کی روایات میں اس شخص کا موجود ہونا ہی اس کے غلط درغلط ہونے کی کافی دلیل ہے کیونکہ اس کو واقعہ مذکور کی بناء پر امام صاحب سے خاص عداوت تھی۔

علاوہ ازیں یہ ابو اسحاق فزاری بجز مغازی اور سیر کے کسی علم میں بھی کوئی درجہ نہیں رکھتا مگر ابن سعد جو مغازی و سیر میں مسلم امام ہے ابو اسحاق فزاری کو کثیر الغلط فی الحدیث



کہتا ہے کہ حدیث میں بہت غلطی کرتا ہے۔ یہی جرح ابن قتیبہ نے معارف میں کی ہے اور یہی محمد بن اسحاق الندیم نے فہرست میں کہا ہے اور تہذیب میں حافظ ابن حجر نے بھی انہ کثیر الخطاء فی حدیث فرمایا ہے کہ یہ شخص اپنی حدیثوں میں بہت خطا کرتا ہے پھر اسان میں ان کا محمد بن اسحاق الندیم پر اس وجہ سے طعن کرنا ہے کہ اس نے ابو اسحاق فزاری پر جرح کی ہے بیکار سی بات ہے جبکہ اس نے وہی کہا ہے جو خود حافظ نے تہذیب میں فرمایا ہے (تانیہ صفحہ ۴۰) اور یہ ابو اسحاق صاحب اصطرباب فلسفی نہیں ہے۔ جیسا حافظ کو وہم ہوا ہے اس کے باپ کا نام حبیب ہے اور صاحب اصطرباب کے باپ کا نام محمد ہے۔ یہ ابو اسحاق فزاری محدث قرن ثانی میں ہوا ہے اور فلسفی ابو اسحاق فزاری قرن رابع کا آدمی ہے۔ دونوں کی کنیت اور نسبت کے اتحاد سے حافظ کو وہم ہو گیا ہے پھر طرفہ تماشایہ ہے کہ ابو اسحاق فزاری نے وہ حدیث بیان نہیں کی تاکہ دنیا کو معلوم ہو جاتا کہ وہ رد کرنے کے قابل تھی یا نہیں اس کو بالکل یہ گول کر گیا۔ ہم بتا چکے ہیں کہ یہ شخص صرف مغازی اور سیر کو جانتا ہے اور اکابر محدثین کا قول ہے کہ اس باب میں کثرت سے مراسل اور منقطع موضوع اور ضعیف کمزور مجروح روایات ہوتی ہیں اس لئے امام احمد بن حنبل نے فرمایا ہے کہ تین علوم کی کوئی جڑ بنیاد نہیں ان میں سے ایک علم مغازی ہے اگر یہ فزاری اس حدیث کو بیان کر دیتا تو شاید خود ہی رسوا ہو جاتا اور دنیا جان لیتی کہ واقعی وہ حدیث قابل قبول نہ تھی۔ مگر پھر بھی جن الفاظ کو وہ امام صاحب کی طرف منسوب کر رہا ہے ہرگز امام کی زبان پر نہیں آ سکتے تھے۔ وہ ضعیف یا موضوع حدیث کو رد کر سکتے ہیں مگر ایسے گندے الفاظ زبان پر نہیں لا سکتے۔

”پھر اسی ابن اسحاق فزاری کے حوالہ سے کہا گیا ہے کہ اس نے بادشاہ وقت کے خلاف خروج و بغاوت کے جائز ہونے پر ابو حنیفہ کے سامنے ایک حدیث بیان کی تو ابو حنیفہ کہنے لگے یہ حدیث خرافات ہے۔“ الخ

اس کی سند میں ابن دوما، اس سلم اور ایار موجود ہیں۔ جن پر ہم پہلے کلام کر چکے ہیں کہ ان کی روایت کا اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔

## حسن بن علی حلوانی

ان کے بعد حسن بن علی حلوانی ہے جس کو امام احمد اچھا نہیں سمجھتے تھے یہی چاروں اس روایت کی سند میں بھی موجود ہیں جو امام اوزاعی کی طرف نسبت کی جاتی ہے کہ جب امام ابو حنیفہ کا انتقال ہوا تو انہوں نے کہا خدا کا شکر ہے وہ اسلام کے ایک ایک دستہ کو توڑ رہا تھا۔ طلوع اسلام نے اسی پرچہ کے صفحہ ۴۲ پر اس کو نقل کیا ہے حالانکہ خطیب نے بروایت ثقات سند صحیح کے ساتھ امام اوزاعی سے امام صاحب کی تعریف بیان کی ہے ملاحظہ ہو صفحہ ۳۳۸ جلد ۱۳۔ خدا اس طرح جھوٹوں کو رسوا کیا کرتا ہے۔

## ابوصالح فراء

ان چار کے بعد پانچواں ابوصالح فراء ہے جس کے متعلق ابو داؤد کا قول گزر چکا ہے کہ اس کی باتوں اور حکایتوں کا اعتبار نہیں صرف کتاب کا اعتبار ہے۔ اس روایت کو رد کرنے کے لئے صرف ابن دوماہی کا سند میں ہونا کافی تھا چہ جائیکہ چار اور مجروح بھی اس کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ پھر جاننے والے جانتے ہیں کہ اہل شام کے یہاں ایسی بہت حدیثیں تھیں جن کو واضعین نے سلاطین بنی امیہ کی خاطر وضع کیا تھا تاکہ لوگ ان کے خلاف کچھ نہ بولیں تو ممکن ہے فزاری نے کوئی ایسی ہی حدیث بیان کی ہوگی۔ جس سے یزید کا واجب اطاعت خلیفہ ہونا اور امام حسین رضی اللہ عنہ کا باغی ہونا ثابت کیا ہوگا۔ امام صاحب نے اس کو خرافات کہہ دیا ہوگا۔ ورنہ ہم کو بتلایا جائے کہ وہ کون سی حدیث تھی کس سند سے روایت کی گئی تھی؟ اصل حدیث کو گول کر جانا اور صرف امام صاحب کے جواب کو نقل کر دینا یہ خود ہی فزاری کی خرافات ہے۔ حافظ ابن ابی العوام نے اپنی سند کے ساتھ اسماعیل بن داؤد سے نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن مبارک امام ابو حنیفہ سے روایت کیا کرتے تھے۔ مگر جب شہر معصیہ میں جاتے تو امام صاحب سے کوئی روایت نہ بیان کرتے اور جب تک عبداللہ بن مبارک اس شہر میں رہے ابواسحاق فزاری بھی امام ابو حنیفہ کی شان میں خلاف ادب کچھ نہ کہتے اور اس سے سمجھ لیا جائے کہ اس شخص کی امام

صاحب سے عداوت کیسی مشہور ہو گئی تھی۔

اس کے بعد طلوع اسلام میں علی بن عاصم کا قول نقل کیا گیا ہے کہ میں نے ابو حنیفہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنائی تو کہا میں اسے قبول نہیں کرتا۔ میں نے کہا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ابو حنیفہ نے پھر کہا ہاں ہاں میں اس کو قبول نہیں کرتا۔ (طلوع اسلام)

مدیر طلوع اسلام اس مضمون کو لکھتے ہوئے نہ معلوم سو رہا تھا یا ایون ہار کھی تھی؟ کیا اسے اتنی خبر نہیں کہ صرف علی بن عاصم کے اتنا کہہ دینے سے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اس کی بات حدیث رسول نہیں بن سکتی؟ پھر اس کی بات قبول نہ کرنے سے امام صاحب کا حدیث کو رد کرنا کیسے لازم آگیا؟ کیا جو لوگ حدیث کو دینی حجت کہتے ہیں انہوں نے یہ بھی کہیں کہا ہے کہ علی بن عاصم جس بات کو رسول اللہ کا ارشاد کہہ دے وہ حدیث رسول بن جاتی ہے؟

## علی بن عاصم

اس کی سند میں بھی ابن دوام موجود ہے اس کے بعد بھی جتنے راوی ہیں سب میں جرح کی گئی ہے۔ خود علی بن عاصم کا یہ حال ہے کہ وارقیں (ناقلین، جلد ساز یا کتب فروش) جو کچھ اس کتاب میں بڑھا دیتے ہیں اس کو بھی روایت کرنے لگتا تھا۔ حالانکہ وہ باتیں اپنے استادوں سے اس کی سنی ہوئی نہ ہوتی تھیں نہ کتاب کا صحیح اصل سے مقابلہ کرتا تھا۔ ناقدین نے کتب ضعفاء میں اس شخص پر بہت کلام کیا ہے۔ پھر اس کا یہ منہ کہ جس بات کو ارشاد رسول کہہ دے وہ حدیث بن جاوے اور اپنی بات کے رد کرنے والے کو حدیث رسول کا رد کرنے والا قرار دے؟

اس کے بعد طلوع اسلام میں بشر بن المغضل کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے کہ اس نے ابو حنیفہ سے کہا کہ نافع ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا نافع اور مشتری جب تک جدا نہ ہوں انہیں اختیار رہتا ہے (ترجمہ میں نسخ نسخ

کا لفظ حدیث میں اضافہ ہے) ابوحنیفہؒ نے کہا یہ تو رجز ہے (یعنی گیت) میں نے کہا (کہنے والا وہی بشر بن المفصل ہے کہ) قتادہ حضرت انس سے نقل کرتے ہیں کہ ایک یہودی نے ایک مسلمان لڑکی کا سر پتھروں کے درمیان کچل دیا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس یہودی کا سر دو پتھروں کے درمیان کچل دیا۔ ابوحنیفہؒ نے کہا یہ ہڈیاں ہے۔ (طلوع اسلام)

اس کی سند میں ابن ابیہ محمد بن عمر بن محمد بن بیہ بزاز شیعہ ہے جس پر خطیب نے خود جرح کی ہے اس کے بعد ابن عقدہؒ۔

کوئی کثر شیعہ ہے جس میں خطیب نے سخت جرح کی ہے تو اس کی روایت پر اعتماد کرنا اسے کب جائز ہے؟ اس کے بعد ابو بکر بن الاسود ہے جس کے متعلق ابن معین بری رائے رکھتے تھے۔ پس ہڈیاں بکنے والے وہی لوگ ہیں جو ایسی مہمل سند سے امام ابوحنیفہؒ کی طرف اس قسم کی بیہودہ بکواس کو منسوب کرتے ہیں۔

اور نفس مسئلہ کی تحقیق ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ امام صاحبؒ نے حدیث المتباہیان بالخیار مالم یتفرقا کو ہرگز رد نہیں کیا بلکہ ان لوگوں کے قول کو رد کیا ہے جو تفرق سے جسمانی مفارقت مراد لیتے ہیں اور خیار سے خیار مجلس ثابت کرنا چاہتے ہیں امام صاحبؒ کے نزدیک تفرق سے گفتگو کا ختم ہو جانا اور خیار سے خیار رجوع مراد ہے۔ مطلب حدیث کا یہ ہے کہ جب تک بائع اور مشتری ایجاب و قبول سے فارغ نہ ہو جائیں ہر ایک کو اپنے قول سے رجوع کا اختیار ہے۔ مثلاً خریدار نے کہا کہ میں اس مال کو سو روپیہ میں خریدتا ہوں تو جب تک بائع یہ نہ کہے کہ میں نے بیچ دیا۔ خریدار اپنی بات کو واپس لے سکتا ہے۔

تفرق کا استعمال تفرق بالا قوال پر قرآن و حدیث میں بکثرت وارد ہے۔  
وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا، وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَإِنْ

۱۔ اگرچہ سیوطی اور بعض دیگر محدثین نے ابن عقدہؒ کو ثقہ مانا ہے مگر خطیب کے نزدیک وہ ثقہ نہیں بلکہ سخت مجروح ہے اس کی روایت پر اعتماد کرنا کسی طرح جائز نہیں۔

يَسْفَرَقَا يُغْنِ اللَّهُ كُمَلًا مِّنْ سَعَتِهِ اور اس کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ نص قرآنی والا اُن تَكُونُ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ سے عاقدین کی باہمی رضا مندی کے تحقق کے بعد ہر ایک کو بیع اور ثمن میں تصرف کی اجازت معلوم ہو رہی ہے۔ اس پر خبر واحد سے خیار مجلس کا اضافہ نہیں کیا جاسکتا۔ پس یا تو تفرق کو تفرق بالا قوال پر محمول کیا جائے اور خیار سے خیار رجوع مراد لیا جائے یا اس کو محض استحباب پر محمول کیا جائے جیسا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث کے الفاظ سے ایسا ہی واضح ہوتا ہے (ملاحظہ ہو بخاری) پھر تفرق بالا بدان سے عقد کا کامل ہو جانا شریعت میں معروف نہیں بلکہ اس کی تاثیر تو عقد کو فاسد کر دینا ہے جیسا بیع صرف میں بیع یا ثمن پر پہلے اور بیع سلم میں راس المال پر قبضہ سے پہلے مفارقت ہو جائے تو بیع فاسد ہو جاتی ہے تو حدیث کو تفرق بالا بدان پر محمول کرنے سے اصول معروفہ کی بھی مخالفت لازم آتی ہے اور کتاب اللہ پر بھی خبر واحد سے زیادتی لازم آتی ہے اور تفرق بالا قوال پر محمول کرنا اس سے نہ اصول کی مخالفت لازم آتی ہے نہ کتاب اللہ پر زیادت۔ اب اہل علم خود ہی فیصلہ کر سکتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کا قول قوی ہے یا دوسرے علماء کا؟ اس مسئلہ میں حنفیہ کے پاس بڑے قوی دلائل موجود ہیں جس کو تفصیل کا شوق ہو تو عقود الجواهر المنفیہ فی ادلۃ مذہب الامام ابی حنیفہ السید مرتضی الزبیدی اور احکام القرآن للجصاص الرازی کا مطالعہ کرے۔ ان دونوں نے بڑی شرح و بسط کے ساتھ اس مسئلہ پر کلام کیا ہے ہم اوپر بتلا چکے ہیں کہ امام مالک بھی اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہ کے ساتھ ہیں اور جس بات پر امام اہل عراق اور امام اہل حجاز دونوں متفق ہو جائیں اس کو کمزور سمجھنا اپنی عقل و فہم کی کمزوری کا اعلان کرنا ہے۔

### حدیث رضح راس الیہودی بین حجرین

رہی دوسری حدیث تو اس کو بھی امام صاحب نے رد نہیں کیا بلکہ منسوخ مانا ہے کیونکہ بعد میں جنگ خیبر کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مثلہ کو حرام کر دیا تھا (مثلہ اس کو کہتے ہیں کہ کسی کو اس طرح قتل کیا جائے جس سے اس کی صورت بگڑ جائے

جیسے ہاتھ، پیر، کان، ناک کا ٹنایا آگ سے جلا دینا یا پتھر سے کچل دینا) تو جن احادیث میں مسئلہ کے ساتھ قتل وارد ہوا ہے اس کو ممانعت سے پہلے زمانہ پر محمول کرنا لازم ہے۔ اس سے کسی عاقل کو انکار کی گنجائش نہیں۔ اسی لئے جب امام حسن بصریؒ کو یہ معلوم ہوا کہ حضرت انسؓ بن مالک صحابی نے حجاج بن یوسف کے سامنے عرینین والی حدیث بیان کی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان لوگوں کو ہاتھ پیر کاٹ کر تپتی دھوپ میں ڈال دینا اور آنکھوں میں گرم سلائی پھیر دینا مذکور ہے تو ان کو بہت رنج ہوا اور فرمایا کاش! حضرت انسؓ یہ حدیث حجاج کے آگے بیان نہ کرتے (کیونکہ اس کو اس سے کیا بحث کہ یہ حدیث منسوخ ہو چکی ہے اور ممانعت مسئلہ سے پہلے حضورؐ نے ان لوگوں کے ساتھ یہ معاملہ اس لئے کیا تھا کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چرواہوں کے ساتھ ایسی بے دردی کا معاملہ کیا تھا۔ حجاج جیسے ظالم کو تو یہ حدیث مخلوق پر ستم ڈھانے کے لئے بہانہ بن جائے گی) مگر حضرت انسؓ بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر سو سال سے زیادہ ہو گئی تھی یہ حدیث انہوں نے اخیر عمر میں بیان کی ہے اس وقت وہ حجاج سے یہ کہنا بھول گئے کہ یہ حدیث منسوخ ہے اب اس پر عمل کرنا جائز نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام مالک نے موطا میں اس حدیث کو نہیں لیا کیونکہ الصحابہ کرامؓ عدول (صحابہ سب کے سب عادل ہیں) کا یہ مطلب نہیں کہ عمر زیادہ ہونے کی وجہ سے ان کو سہو و نسیان بھی پیش نہیں آ سکتا۔ آخر وہ بھی بشر ہیں۔ زیادہ لمبی عمر کے آثار ان پر بھی طاری ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ یہ حدیث بھی جس میں ایک یہودی کے سر کو دو پتھروں کے درمیان کچلنے کا ذکر ہے حضرت انسؓ نے اخیر عمر ہی میں بیان فرمائی ہے جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ صرف مقتول لڑکی کے بیان پر آپؐ نے یہودی سے بدلہ لیا۔ گو ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ یہودی نے قتل کا اقرار کر لیا تھا اس کے بعد اس سے بدلہ لیا گیا۔ مگر اقرار والی حدیث میں قتادہ کا عنعنہ ہے اور اس کا عنعنہ محدثین کے نزدیک مقبول نہیں۔ یہ تو اس حدیث کی سند پر کلام تھا مگر پھر بھی امام ابو حنیفہؒ نے اس کو رد نہیں کیا بلکہ ممانعت مسئلہ کی حدیث سے اس کو منسوخ مانا ہے اور حدیث ”لا قود الا بالسیف“ پر فتویٰ دیا ہے کہ قصاص تلوار ہی سے لیا جائے آگ یا پتھر وغیرہ

سے قصاص نہ لیا جائے گو قاتل نے کچھ ہی کیا ہو۔ اسی لئے حنفیہ نے اس حدیث کے اس جملہ پر عمل نہیں کیا جو قتادہ کی ایک روایت میں وارد ہے کہ حضورؐ نے ان لوگوں کو اونٹوں کے پیشاب پینے کا مشورہ دیا۔ کیونکہ یہ حدیث حضرت انسؓ نے اخیر عمر میں بیان کی ہے جب کہ حافظہ کمزور ہو گیا تھا اور اگر اس کو صحیح مان لیا جاوے تو اس سے اونٹ کے پیشاب کی طہارت ثابت نہ ہوگی۔ بہت سے بہت یہ ثابت ہوگا کہ بیاری میں حرام چیز سے بھی دوا کر سکتے ہیں جب اور کوئی چیز نافع نہ ہو۔

اس کے بعد طلوع اسلام میں عبدالصمد ابن عبدالوارث غبی (اپنے باپ کے حوالہ سے نقل کرتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا افطر الحاجم والمحجوم (پچھنے لگوانے والے اور لگانے والے) دونوں کا) روزہ ٹوٹ جاتا ہے (ابوحنیفہؒ نے کہا یہ محض قافیہ بندی ہے۔ ایسے ہی ان کے سامنے ولاء کے بارے میں حضرت عمرؓ کا ایک فیصلہ نقل کیا گیا تو ابوحنیفہؒ نے کہا یہ کس شیطان کا قول ہے۔ (طلوع اسلام)

اس واقعہ کو خطیب نے دو سندوں سے روایت کیا ہے ایک میں تو ابن رزق، ابن سلم، ابابار، ابو معمر قدری، دھرے ہوئے ہیں جن پر کلام گزر چکا ان کی روایت ہرگز معتبر نہیں۔ دوسری سند میں خطیب کے سوا اور کوئی مجروح نہیں۔ مگر عبدالوارث کا یہ لفظ کہ ابوحنیفہؒ کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا یا حضرت عمرؓ کا فیصلہ نقل کیا گیا، سند کو منقطع کر رہا ہے۔ اس نے یہ نہیں بتلایا کہ ناقل کون تھا؟ نہ یہ کہتا ہے کہ یہ واقعہ اس کے سامنے کا ہے، نہ یہ کہتا ہے کہ میں نے ابوحنیفہؒ کا یہ جواب خود سنا ہے۔ نہ حضرت عمرؓ کے فیصلہ کو بیان کرتا ہے کہ وہ کیا تھا؟ ممکن ہے وہ کوئی ایسا ہی غلط فیصلہ ہو جس کو حضرت عمرؓ کی طرف کوئی وضاع، کذاب، دجال، شیطان ہی منسوب کر سکتا ہے؟ وضامین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تھوڑے جھوٹ بولے ہیں کہ حضرت عمرؓ ان کے ہاتھ سے بچے رہتے۔ امام ابوحنیفہؒ صحابہ کی خصوصاً حضرت عمرؓ کی جس قدر تعظیم و احترام کرتے تھے۔ اگر ان سب روایات کو جمع کیا جائے ایک ضخیم دفتر ہو جائے۔ دنیا جانتی ہے



کہ امام صاحب حدیث رسول کے بعد اقوال صحابہ کو حجت مانتے ہیں اور ان کے اقوال سے باہر جانے کو ناجائز کہتے ہیں۔ حالانکہ بعض فقہاء جن میں خطیب بغدادی اور ان جیسے بعض شافعیہ بھی ہیں صحابہ کے اقوال کو حجت نہیں جانتے۔ وہ امام ابوحنیفہ ہی تو تھے جن سے خلیفہ ابو جعفر منصور نے جب یہ پوچھا کہ آپ نے یہ علم کس سے لیا؟ تو فرمایا میں نے یہ علم حماد سے لیا ہے اس نے ابراہیم نخعی سے انہوں نے حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہ بن عباسؓ کے اصحاب سے لیا ہے۔ جیسا کہ ص ۳۳۲ میں خطیب نے صحیح سند کے ساتھ خود ہی بیان کیا ہے۔ اس کے بعد کیا کسی عاقل کی عقل باور کر سکتی ہے کہ امام صاحب حضرت عمرؓ کے کسی قول کو شیطان کا قول کہہ سکتے ہیں؟ ہاں کوئی غلط بات یا غلط فیصلہ کسی کمزور راوی نے حضرت عمرؓ کی طرف منسوب کیا ہو تو اس راوی کو شیطان کہہ دیا ہوگا۔ اس تاویل کی ضرورت بھی اس وقت ہے جب کہ اس لفظ کا ثبوت ہو جائے۔ ہنوز اسی میں کلام ہے کیونکہ دو سندوں میں سے ایک تو بالکل ساقط ہے دوسری میں عبدالوارث نے صیغہ انقطاع استعمال کیا ہے جس سے سند کا اتصال ختم ہو گیا۔ افسوس یہ ہے کہ انقطاع، جہالت وغیرہ علتیں جو سند کو ہر جگہ محدثین کے نزدیک معلول اور ناقابل قبول بنادیتی ہیں امام ابوحنیفہؒ کی مذمت میں یہ علتیں اپنا کچھ اثر نہیں دکھاتیں۔ محدثین بے دھڑک ان مہملات کو روایت کرتے جاتے ہیں اور کچھ کلام نہیں کرتے حتیٰ کہ امام بخاری بھی تاریخ صغیر میں اسمعیل بن عرعرةؒ مجہول الحال سے اور امام صاحب کی مذمت میں ایک حکایت نقل کر جاتے ہیں اور نہیں خیال کرتے کہ اول تو اسماعیل بن عرعرةؒ مجہول پھر اس امام صاحبؒ کے درمیان مسافت طویل جس کی وجہ سے خبر منقطع اور معلول وغیرہ مقبول ہے۔ مگر ابوحنیفہؒ کی مذمت میں ہر خبر قابل قبول ہے چاہے فاسق و فاجر ہی کی روایت ہو پھر عبدالوارثؒ عبری فرقہ قدریہ میں سے ہے اور بصرہ کے قدریوں کو امام ابوحنیفہؒ سے خاص طور پر انحراف تھا، کیونکہ امام صاحب اپنے ابتدائی دور میں مناظرہ اور علم کلام کے ماہر تھے اور بارہا بصرہ جا کر خارجیوں اور قدریوں سے مناظرہ کرتے اور ان کا ناطقہ بند کرتے تھے۔ اس لئے کسی خارجی یا قدری کا قول امام صاحبؒ کے متعلق قابل



قبول نہیں ہو سکتا۔ دشمن کی بات اس کے مخالف کے حق میں کوئی بھی نہیں مان سکتا۔  
اس کے بعد طلوع اسلام میں یحییٰ بن آدم کا قول نقل کیا گیا ہے کہ ابوحنیفہ کے سامنے یہ حدیث نقل کی گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے وضو آدھا ایمان ہے۔ ابوحنیفہ کہنے لگے پھر تو دو مرتبہ وضو کر ڈالو تا کہ تمہارا ایمان کامل ہو جائے۔ ایسا ہی قول لاادری کے متعلق ذکر کیا گیا ہے۔ (طلوع اسلام)

یہ سند منقطع ہے۔ یحییٰ بن آدم نے امام صاحب کو نہیں پایا جو صیغہ وہ استعمال کر رہا ہے وہ صیغہ انقطاع ہے۔ ایسی مہمل سند سے کسی مسلم امام پر جرح کرنا خود اپنے کو مجروح کر دینا ہے۔

یہ تو سند پر کلام تھا، اب حقیقت کی طرف رجوع کیا جائے تو حدیث افطر الحاجم والمحجوم کو اکثر محدثین نے جن میں یحییٰ بن معین بھی ہیں ثابت نہیں مانا (ملاحظہ ہو نصب الراية) اور جن کے نزدیک ثابت بھی ہے وہ اس کو منسوخ کہتے ہیں کیونکہ دوسری صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ کی حالت میں پچھنے لگوائے ہیں اور جو حضرات منسوخ نہیں کہتے وہ اس میں تاویل کرتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ حجام اور مجحوم اپنے کو خطرہ میں ڈالتے ہیں۔ کیونکہ حجام تو خون چوستا ہے اندیشہ ہے کہ اس کے حلق میں پہنچ جائے اور مجحوم خون نکلوا کر کمزور ہو جاتا ہے اندیشہ ہے کہ ضعف بڑھ جانے سے روزہ پورا نہ کر سکے۔ اور لاادری نصف العلم حدیث نہیں ہے بعض صحابہ کا قول ہے اگر کسی کمزور راوی نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بنا دیا ہو تو اس کا رد ضرور کیا جائے۔ اسی طرح الطہور شرط الایمان بعض محدثین کے نزدیک ضعیف حدیث ہے ممکن ہے امام صاحب بھی اس کو صحیح نہ مانتے ہوں۔ مگر جو الفاظ تاریخ خطیب میں ان کی طرف منسوب کئے گئے وہ ہرگز امام صاحب کی زبان سے نہیں نکل سکتے۔ امام ابوحنیفہ کا عام لوگوں کے ساتھ گفتگو میں شائستہ اور مہذب ہونا مشہور و معروف ہے ان کی متانت و وقار کا سب کو اقرار ہے وہ کسی حدیث پر ایسے ناشائستہ الفاظ سے ہرگز کام نہیں کر سکتے تھے۔

اس کے بعد صفحہ ۳۵ پر مدیر طلوع اسلام نے یہ عنوان قائم کر کے کہ ”یہ احکام گزر چکے اور ختم ہو چکے“ یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک احادیث رسولؐ کے احکام دائمی نہ تھے بلکہ وقتی تھے ان میں تبدل و تغیر کیا جاسکتا ہے۔“

مگر روایت خطیب کے لفظ پر اس نے ساری عمارت قائم کی ہے وہ خود اس کی جہالت کا پردہ چاک کرتی ہے واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ امام صاحبؒ نے شہد کا چھتہ چرانے والے کے ہاتھ کاٹنے کا فتویٰ دے دیا تو ابو عوانہ نے کہا یہ تو حدیث ”لا قطع فی ثمر ولا کثر“ کے خلاف ہے۔ امام صاحبؒ نے فرمایا ذاک حکم قد مضی فانتھی اب تو یہ حکم نافذ ہو گیا اور فیصلہ ہو چکا۔ اس میں ذاک حکم سے حکم رسولؐ مراد نہیں بلکہ خود امام کا اپنا فتویٰ مراد ہے کہ اب تو میں فتویٰ دے چکا اور فیصلہ ہو چکا جس کی دلیل دوسری روایت کے یہ الفاظ ہیں قلت الرجل الذی افتيته فردہ قال دعه فقد جرت به النعال الشہب میں نے کہا جس شخص کو آپ نے حدیث کے خلاف فتویٰ دیا ہے اس کو واپس بتلائیے (اور صحیح فتویٰ سنا دیجئے تاکہ چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے) فرمایا جانے بھی دو اس کو تو تیز رو خچر کہیں سے کہیں لے گئے ہیں۔ یہ دوسری روایت بھی اسی واقعہ مذکورہ کے متعلق ہے جس کو خطیب نے تحویل سند کے ساتھ دوبارہ بیان کیا ہے اس سے یہ مضمون نکالنا کہ امام صاحبؒ نے حدیث رسولؐ کے متعلق فرمایا تھا کہ یہ احکام گزر چکے ختم ہو چکے۔ مدیر طلوع اسلام کی نری جہالت ہے۔

اب اس روایت کی حقیقت بھی ملاحظہ ہو پہلی سند میں تو ابو عمرو بن السماک ہے جس پر ذہبی نے طعن کیا ہے کہ وہ بہت بیہودہ باتیں روایت کرتا ہے اس کے بعد رجا بن السندی ہے جو بہت زبان دراز ہے۔ پھر بشر بن السری ہے جس کے متعلق حمیدی نے کہا ہے کہ یہ جہمی ہے اس سے روایتیں لکھنا جائز نہیں۔ دوسری سند میں دو مازدر (صاحب تزویر) ہے اس سے پہلے قدم ہی میں یہ روایت ایسی گر گئی کہ اٹھنے کے قابل نہیں۔ اس کے بعد ابن سلم، ابار اور حلوانی بھی موجود ہیں جن میں پہلے کلام ہو چکا ہے۔ نیز ابو عاصم عبادانی بھی ہے جس کو منکر الحدیث کہا گیا ہے۔ اس کے بعد ابو عوانہ ہے۔ گو علی بن عاصم

نے اس پر بھی سخت جرح کی ہے مگر یہ اس کی زیادتی ہے اتنا ضرور ہے کہ ان کی کتاب صحیح تھی اس کو دیکھ کر روایت کرتے تو ٹھیک بیان کرتے اور حفظ سے روایت کرتے تو غلطی کرتے تھے۔ اور اپنی عمر کے آخری چھ سالوں میں جو کچھ انہوں نے روایت کیا ہے اس کا اعتبار نہیں کیونکہ (حواس میں) اختلاط پیدا ہو گیا تھا۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ اس حکایت میں ابو عوانہ کی خطا نہیں ہے بلکہ اس سے نیچے جو مجروح راوی دھرے ہوئے ہیں خطا ان کی ہے دوسری روایت میں کہا گیا ہے کہ امام صاحب نے حدیث لا قطع فی ثمر ولا کثر (پھل اور کھجور کے گودے کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جاتا) کو سن کر یہ فرمایا کہ مجھے یہ حدیث نہیں پہنچی حالانکہ امام محمد نے کتاب الآثار امام ابو حنیفہ سے یثیم بن الہیثم سے، شعبی سے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور ابو بکر بن المقری نے سند ابی حنیفہ میں ابو حنیفہ سے شعبی سے حضرت علیؑ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سند صحیح روایت کیا ہے۔

﴿لا یقطع السارق فی ثمر ولا کثر قال محمد وبہ ناخذ

والثمر ما کان فی رؤس النخل والشجر لم یحوز فی

البیوت فلا قطع علی من سرقه و اکثر جمار النخل فلا

قطع علی من سرقه وهو قول ابی حنیفہ﴾

”چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے پھل کی چوری میں اور نہ کھجور کے گودے

کی چوری میں۔ امام محمد نے کہا ہم بھی یہی کہتے ہیں۔ ثمر وہ ہے جو

کھجور پر یا کسی درخت کے اوپر (پھل) لگا ہوا ہو گھر میں لا کر

حفاظت سے نہ رکھا گیا ہو اس کی چوری سے ہاتھ نہ کاٹا جائے گا اور

کثر کھجور کے گودے کو کہتے ہیں اس کی چوری میں بھی ہاتھ نہیں کاٹا

جاتا۔ یہی امام ابو حنیفہ کا قول ہے۔“

تم نے دیکھا امام ابو حنیفہ کو یہ حدیث اس وقت پہنچ چکی تھی جب کہ ابو عوانہ بچے

تھے اور واسطہ شہر میں اپنے آقا کی غلامی میں دن گزار رہے تھے ان کی ولادت ۱۲۲ھ میں

ہوئی ہے اور جرجان کے قیدیوں میں شامل ہو کر واسطہ آئے تھے۔ یہ بات مشہور ہے۔ پھر

ایک مدت تک اپنے مولیٰ یزید بن عطاء کی غلامی میں رہے اس حالت میں امام صاحب کی حیات میں ان کا کوفہ آنا اور ان کے حلقہ درس میں مدت تک رہنا جیسا کہ تاریخ خطیب میں ص ۴۰۱ پر مذکور ہے قیاس سے بعید ہے مگر بعض لوگوں کے نزدیک امام ابو حنیفہ کی مذمت میں ناممکن بھی ممکن ہو جاتا ہے۔ پس خطیب کی یہ روایت جس میں کہا گیا ہے کہ امام صاحب نے اس حدیث کے خلاف فتویٰ دیا اور شہد کا چھتہ چرانے والے کا ہاتھ کٹوا دیا اور ابو عوانہ سے فرمایا کہ مجھے یہ حدیث نہیں پہنچی سراسر غلط اور کھلا بہتان اور سفید جھوٹ ہے۔

اس کے بعد طلوع اسلام نے اپنے ”انکار حدیث“ پر پردہ ڈالنے کے لئے دو روایتیں امام احمد سے بھی امام ابو حنیفہ کے انکار حدیث کی نقل کر دی ہیں۔ ایک کا حاصل یہ ہے کہ احمد بن حنبل نے عقیقہ کے باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی حدیثیں صحابہ کے آثار اور تابعین کے اقوال بیان کر کے تعجب سے مسکراتے ہوئے فرمایا ”مگر ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ یہ جاہلیت۔ اعمال میں سے ایک عمل ہے۔“

مگر ہم امام احمد ہی سے پوچھتے ہیں کیا جاہلیت میں عقیقہ نہیں تھا؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو ابو حنیفہ نے کیا خطا کی؟ اور اگر نفی میں ہے تو تاریخ عرب اور احادیث و آثار اس کی تردید کرتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ جاہلیت میں عقیقہ کو واجب سمجھا جاتا تھا۔ اسلام نے وجوب ساقط کر دیا۔ اباحت کو باقی رکھا۔ امام محمد نے آثار میں امام ابو حنیفہ سے، حماد سے، ابراہیم نخعی سے۔ دوسری سند میں محمد بن الحنفیہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

﴿كَانَتِ الْعُقَيْقَةُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَلَمَّا جَاءَ الْإِسْلَامُ رَفُضَتْ

قَالَ مُحَمَّدُ وَبِهِ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ﴾

”عقیقہ جاہلیت میں تھا جب اسلام آیا تو چھوڑ دیا گیا۔ امام محمد کہتے

ہیں ہمارا عمل بھی اسی پر ہے اور ابو حنیفہ کا بھی یہی قول ہے۔“

اس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ عقیقہ جاہلیت کے وقت سے چلا آ رہا ہے اسلام میں بھی اس پر عمل کیا گیا ہے۔ امام صاحب کی رائے یہ ہے کہ اسلام میں اس کا وجوب باقی نہیں رہا صرف اباحت و استحباب باقی ہے اور اسی رائے میں ان کے ساتھ

محمد ابن الحنفیہ بھی ہیں جو بہت بڑے فقیہ ابن الفقیہ ہیں کہ صحابہ سے بھی فتاویٰ میں مزاحمت کرتے تھے نیز ابراہیم نخعی بھی ان کے ساتھ ہیں جن کے بارے میں شععی کا قول یہ ہے کہ ابراہیم نخعی نے اپنے بعد اپنے سے بڑا عالم نہیں چھوڑا۔ کسی نے کہا حسن بصریؒ اور ابن سیرینؒ بھی نہیں؟ کہا حسن اور ابن سیرین بھی ان سے زیادہ عالم نہیں۔ بصرہ، کوفہ، حجاز میں ان سے بڑا عالم کوئی نہ تھا۔ ایک روایت میں شام کو بھی شامل کیا گیا ہے نیز امام محمد بن حسنؒ بھی ان کی موافقت کرتے ہیں جو اتنے بڑے فقیہ ہیں کہ فقہ ابی حنیفہ کے ساتھ علم ابی یوسف و علم اوزاعی و علم سفیان ثوری اور علم امام مالک۔، بھی جامع تھے۔ یہ حضرات فقہاء ان احادیث سے جو عقیقہ کے باب میں وارد ہیں وجوب نہیں سمجھے اگرچہ امام احمدؒ نے جماعت فقہاء سے الگ ہو کر وجوب کا دعویٰ کیا ہے باقی عقیقہ کی اباحت یا استحباب کا انکار حنفیہ میں سے کسی نے بھی نہیں کیا۔ اس مسئلہ میں علماء نے طویل بحث اور بہت لمبی گفتگو کی ہے جس کا خلاصہ ہم نے بیان کر دیا ہے۔

دوسری روایت محمد بن یوسف بیکندی کے حوالہ سے بیان کی گئی ہے کہ امام احمد کے سامنے امام ابو حنیفہ کا یہ قول نقل کیا گیا کہ نکاح سے پہلے بھی طلاق ہو سکتی ہے۔ امام احمد کہنے لگے مسکین ابو حنیفہ! گویا وہ عراق میں تھے ہی نہیں گویا انہیں علم سے کچھ مس تھا ہی نہیں۔ اس باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ اور تمیز کے قریب کبار تابعین کے ارشادات و اقوال موجود ہیں کہ نکاح سے پہلے طلاق نہیں پڑ سکتی۔ الخ۔

اس کے بعد طلوع اسلام بڑے طنطنہ سے کہتا ہے کہ ”آپ نے دیکھا کہ حدیث کے متعلق فقہ اسلامی کے سب سے بڑے امام کا مسلک کیا ہے؟ لیکن نہ تو امام اعظم کو منکر حدیث کہا جاتا ہے اور نہ ہی حنفی مسلمانوں کو۔ حالانکہ جس تشدد سے انکار حدیث امام ابو حنیفہ کے ہاں پایا جاتا ہے کسی ”منکر حدیث“ کے ہاں کم ہی ایسا پایا جائے گا۔ کم از کم طلوع اسلام میں ایسا تشدد آپ کو کبھی نظر نہیں آئے گا۔ لیکن اس کے باوجود طلوع اسلام کو منکر حدیث قرار دے کر کافر ٹھہرایا جاتا ہے۔ الخ۔“ جی ہاں طلوع اسلام کو اس لئے منکر حدیث قرار دے کر جماعت اہل سنت سے الگ کیا جاتا ہے کہ اسے

اپنے انکار حدیث کا اقرار بھی ہے اور اس کی تحریروں اور ادارہ کی تقریروں سے اس کا ثبوت بھی ہو چکا ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ کو اس لئے منکر حدیث نہیں کہا جاسکتا کہ ان کو اپنے منکر حدیث ہونے کا اقرار نہیں نہ ان سے اور ان کے اصحاب سے اس قسم کا کوئی قول پایہ ثبوت کو پہنچا اور جو کچھ تاریخ خطیب سے اس باب میں نقل کیا جا رہا ہے سراسر غلط اور سفید جھوٹ ہے جیسا اب تک ہم اچھی طرح دکھلاتے آئے ہیں اور آئندہ بھی بتلائیں گے۔ کیا طلوع اسلام کو تاریخ خطیب جس کی عبارتوں کو توڑ موڑ کر پیش کیا گیا ہے کے سوا علماء حنفیہ کی اصولی کتابیں حسامی، اصول الشاشی، نور الانوار، توضیح تلوح، اصول بزدوی وغیرہ کچھ بھی دکھائی نہیں دیتیں جن میں کتاب اللہ کے بعد باب السنہ بھی قائم کیا ہوا ہے جس میں صاف صاف کہا گیا ہے کہ قرآن کے بعد دوسری حجت شرعیہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ پھر حدیث کے اقسام و احکام سے تفصیل کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔ یہ الٹی منطق طلوع اسلام ہی نے سیکھی ہے کہ امام ابوحنیفہ کے مسلک حدیث کو تاریخ کی کتاب سے معلوم کرنا چاہتا ہے جس کی حقیقت ہم اوپر بتلا چکے ہیں اور خود مذہب حنفی کی اصولی کتابوں سے آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ حالانکہ سیدھی بات یہ ہے جس سے کسی عاقل کو انکار نہیں ہو سکتا کہ ہر امام کا مسلک اس کے مذہب کی اصولی، فروعی کتابوں سے معلوم ہو سکتا ہے دوسروں کی کتابوں سے معلوم نہیں ہو سکتا۔

اب میں اس مہمل روایت کی حقیقت بھی آپ کو بتلا دوں جس پر طلوع اسلام نے خوشی کے شادیاں بجا دی ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ نکاح سے پہلے طلاق واقع ہونے کا کوئی بھی قائل نہیں۔ امت کا اجماع ہے کہ نکاح سے پہلے طلاق واقع نہیں ہوتی۔ کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَقْتُمُوْهُنَّ (سورۃ الاحزاب) اور حدیث میں ہے لا طلاق قبل النکاح یہی امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے جس سے امام احمد بن حنبلؒ ناواقف نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ خود بھی عراقی ہیں اور علماء عراق سے ہی انہوں نے فقہ حاصل کی ہے۔ جو امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد یا شاگردوں کے شاگرد تھے۔ اسی تاریخ



خطیب میں احمد بن حنبل کا یہ قول مذکور ہے کہ جب میں نے طلب علم کا ارادہ کیا تو سب سے پہلے امام ابو یوسفؒ کے حلقہ درس میں پہنچا۔ یہ بھی اسی تاریخ میں ہے کہ امام احمدؒ سے کسی نے پوچھا یہ دقیق مسائل آپ نے کہاں سیکھے؟ فرمایا محمد بن حسن کی کتابوں سے۔ اس کے بعد کسی کی عقل باور کر سکتی ہے کہ امام احمد کی زبان پر امام ابو حنیفہؒ کے متعلق یہ بات آسکتی ہے۔ کہ ”مسکین ابو حنیفہ گویا وہ عراق میں تھے ہی نہیں۔ گویا انہیں علم سے مس تھا ہی نہیں الخ۔ اگر اس روایت کو صحیح مان لیا جائے تو امام ابو حنیفہؒ تو مسکین ہی نہیں گے مگر امام احمدؒ کو دنیا (خدا نخواستہ) بے ادب، احسان فراموش قرار دے گی۔ اس لئے ہمارے نزدیک درایت یہ روایت صحیح نہیں۔ پھر اس کی سند میں محمود بن اسحاق بن محمود القواس ہے جس کو کسی نے ثقہ نہیں کہا۔ اسی طرح اس کے شاگرد احمد بن محمد بن حسین رازی کو بھی ہماری تحقیق ثقہ نہیں قرار دیتی۔ پھر بیکندی نے صیغہ انقطاع استعمال کیا ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ کے سامنے امام ابو حنیفہؒ کا قول نقل کیا گیا۔ یہ نہیں بتلایا کہ ناقل کون تھا؟ ثقہ تھا یا غیر ثقہ؟ اور جس وقت یہ قول بیان کیا گیا بیکندی اس مجلس میں حاضر تھا یا نہیں؟ اس نے ناقل کا قول اور امام احمدؒ کا جواب خود سنا ہے یا اور کسی سے سن کر بیان کر رہا ہے؟ ایسی حالت میں محدثین کے اصول پر بھی یہ روایت ساقط الاعتبار ہے۔

غرض اس پر پوری امت کا اتفاق ہے کہ نکاح سے پہلے طلاق واقع نہیں ہوتی۔ اختلاف اس میں ہے کہ نکاح سے پہلے طلاق کو معلق بھی کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ امام ابو حنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ اگر نکاح یا ملک پر طلاق یا عتاق کو معلق کیا جائے تو تعلیق صحیح ہے مثلاً یوں کہے ان نکحت فلانۃ فہی طالق اگر میں فلانی عورت سے نکاح کروں تو اس کو طلاق۔ یہ طلاق معلق ہو جائیگی۔ اور اگر اس نے اس عورت سے کسی وقت نکاح کیا، طلاق پڑ جائے گی۔ مگر ظاہر ہے کہ اس کو طلاق قبل النکاح نہیں کہا جاسکتا کیونکہ وہ نکاح سے پہلے تو معلق رہتی ہے۔ واقع نہیں ہوتی نکاح کے بعد واقع ہوتی ہے۔ اس لئے یہ صورت آیت وحدیث کے تحت شامل نہیں۔ اس مسئلہ میں عثمان بن عفان، امام سفیان ثوری، امام مالک، ابراہیم نخعی، مجاہد، شعبی، خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز بھی امام صاحب کیساتھ ہیں۔ حضرت عمر بن الخطاب

رضی اللہ عنہ کا قول صراحۃً امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کی تائید میں ہے۔ امام شافعیؒ نے سعید بن المسیب کے قول کو لیا ہے یہی امام احمد کا مسلک ہے۔ اس مسئلہ میں علماء نے بہت طویل کلام کیا ہے۔ ملاحظہ ہو احکام القرآن للجصاص ص ۳۶۱ ج ۳ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے متعلق امام احمد وہ الفاظ استعمال کریں جو اس مہمل روایت میں مذکور ہیں حالانکہ وہ خوب جانتے ہیں کہ اس مسئلہ میں ابو حنیفہ کی حجت واضح اور دلیل راجح ہے۔ اور ان کے ساتھ فقہاء سلف کی ایک بڑی جماعت ہے جن کو شمار نہیں کیا جاسکتا جن میں تنہا حضرت عمرؓ ہی ہزاروں پر بھاری ہیں اور اس بات میں مرفوع حدیثیں جو بیان کی جاتی ہیں اضطراب سے خالی نہیں اور جو صحیح ہیں ان میں وہ صورت داخل نہیں جو مابہ النزاع ہے جس میں اختلاف ہو رہا ہے، غالباً اب تو طلوع اسلام کی آنکھیں شرم سے جھک گئی ہوں گی کہ جس بات پر خوشی کے شادیاں بچائے گئے تھے الٹی موجب تعزیت ہو گئی اور یہ کہ عوام کی جہالت سے ہم فائدہ نہیں اٹھا رہے بلکہ خود طلوع اسلام جہالت کے دریا میں غوطے لگا رہا اور اپنے جیسے انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ کو اس میں ڈبونے کی کوشش کر رہا ہے۔

اس کے بعد اس نے ایک نہایت ہی بیہودہ عنوان قائم کیا ہے کہ ”اگر میں رسول اللہ کے عہد میں ہوتا تو آپ بھی میرے بہت سے اقوال کو اختیار فرما لیتے۔“ اور اس کو اسی تاریخ خطیب کے حوالہ سے امام صاحب کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ اس بیہودہ روایت کی حقیقت ہم اوپر واضح کر چکے ہیں کہ ایسا گستاخی کا بول امام صاحب کی زبان سے کبھی نہیں نکل سکتا۔ واقعہ یہ ہے کہ امام صاحب نے عثمان بنی کی نسبت ان کے ایک شاگرد کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا لو ادر کنی البتی لاخذ بکثیر من اقوالی و ترک کثیرا من اقوالہ اگر (عثمان) بنی مجھے پالیتا تو میرے بہت سے اقوال کو لے لیتا اور اپنے بہت سے اقوال چھوڑ دیتا۔ مہمل اور مغفل راویوں نے تعصب یا جہالت سے بنی کو نبی بنا دیا اور صلی اللہ علیہ وسلم کا اضافہ کر کے بات کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔

اس بیہودہ روایت پر غمارت قائم کرتے ہوئے طلوع اسلام کو ذرا بھی شرم نہ آئی وہ بڑی ڈھٹائی سے امام اعظم ابو حنیفہ کی طرف اس قول کو منسوب کرتا ہے کہ ”خود



رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ آپ تعین جزئیات (تدوین فقہ) میں صحابہ سے مشورہ لیا کرتے تھے اور جس کی رائے بہتر معلوم ہوتی اسے اختیار فرمایا کرتے تھے۔ (یہ قول کس کتاب سے نقل کیا جا رہا ہے؟ تاریخ خطیب میں تو یہ اضافہ نہیں ہے۔ طلوع اسلام کو جھوٹ بولتے ہوئے بھی شرم نہیں آتی، اس کے بعد وہ کہتے ہیں کہ اگر میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوتا تو میں بھی اس مجلس مشاورت میں شریک ہوتا۔“ (یہ کس لفظ کا ترجمہ ہے؟ طلوع اسلام کو ترجمہ میں دیانت کا بھی پاس نہیں) ”اور میرا خیال ہے کہ کئی امور میں حضور میری رائے کو اختیار فرمالیتے“ اھ۔ بعد والے مضمون کی حقیقت تو ہم نے بتا دی کہ یہ محض دروغ بے فروغ ہے۔ اس سے پہلے مضمون کا حوالہ طلوع اسلام دیدے گا تو اس کی حقیقت بھی واضح کر دی جائے گی، مگر ہمارا خیال یہ ہے کہ وہ اس کا حوالہ نہیں دے سکتا کیونکہ وہ تو سراسر ایجاد بندہ اور اس کی ہی اختراع گندہ ہے۔

اس کے بعد طلوع اسلام میں ابوصالح فراء کے حوالہ سے یوسف بن اسباط سے اسی بات کو روایت کیا گیا ہے کہ ”ابوحنیفہ فرمایا کرتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مجھے پاتے الخ۔ اس میں اتنا اضافہ اور بھی ہے کہ (امام ابوحنیفہ نے فرمایا) دین اس کے سوا اور کیا ہے کہ وہ ایک اچھی اور عمدہ رائے کا نام ہے۔“

اگر طلوع اسلام اس روایت کو صحیح اور اس قول کو امام ابوحنیفہ کا قول سمجھتا ہے تو پھر دین میں نہ قرآن کی ضرورت رہتی ہے نہ کسی مشورہ اور کمیٹی کی۔ بلکہ ہر شخص کو اچھی رائے پر عمل کرنا چاہیے جو اس کے نزدیک اچھی ہو۔ امام صاحب کے اس قول میں مشورہ اور کمیٹی اور کثرت رائے اور ہیڈ آف دی اسٹیٹ کی صدارت وغیرہ کا کچھ ذکر نہیں لہذا ان قیود کا اضافہ قابل قبول نہ ہوگا۔

مگر طلوع اسلام کو تو انکار حدیث کے جنون نے ایسا حواس باختہ کر دیا ہے کہ جس طرح ڈوبتا ہوا آدمی تنکے کا سہارا ڈھونڈتا ہے وہ بھی ذرا اسی بات کا سہارا لینا چاہتا ہے گو بعد میں اسے منہ ہی کی کھانی پڑے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح مہمل یا مغفل راویوں نے جی کو بدل کر نبی بنا دیا اور صلی اللہ علیہ وسلم بڑھا کر بات کو کہیں سے کہیں پہنچا

دیا تھا اسی طرح ہل اری الا الرأی الحسن کو ہل الدین الا الرأی الحسن بنا دیا۔ امام صاحب عثمان بنی فقیہ بصرہ کی نسبت فرما رہے ہیں کہ اگر وہ مجھے پالیتا تو میرے بہت سے اقوال کو لے لیتا (کیونکہ وہ بھی صاحب اجتہاد تھا قیاس و رائے کا قائل تھا) اور میں بھی اچھی رائے اور بہترین اجتہاد سے کام لیتا ہوں۔ اس صورت میں یہ جملہ پہلے جملہ کی دلیل ہوگا کہ عثمان بنی میرے اقوال کو اس لئے اختیار کر لیتا کہ میں اچھے طریقہ پر قیاس و اجتہاد کرتا ہوں اور ظاہر ہے کہ جن راویوں نے البتی کو النبی پڑھ دیا وہ ہل اری کو ہل الدین، پڑھ دیں تو کیا تعجب؟ اور چونکہ ہم امام طحاوی کے حوالہ سے سند صحیح ثابت کر چکے ہیں کہ اس روایت میں راویوں نے تصحیف کر کے البتی کو النبی بنا دیا ہے۔ اس لئے دوسرے جملہ میں بھی ہمارے نزدیک تصحیف سے کام لیا گیا ہے۔ ورنہ طلوع اسلام جیسے ناواقفوں کے سوا کسی کی عقل باور نہیں کر سکتی کہ ایک عظیم الشان امام جس نے امت کے دلوں میں بہت بڑا مقام حاصل کر لیا ہے صدیوں سے امت اس کی پیروی کرتی چلی آرہی ہے اعلانیہ یوں کہتا ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے پالیتے تو میری بہت سی باتوں کی پیروی کر لیتے اور وہ دین جس کو قرآن میں تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ۝ کہا گیا ہے چند آدمیوں کی اچھی رائے کا مجموعہ ہے اور کچھ نہیں ”اور کوئی مسلمان بھی اس کی گردن نہیں ناپتا، نہ یہ امت دامن جھٹک کر اس سے الگ ہوتی ہے؟ اس کو پاگلوں ہی کی عقل ممکن سمجھ سکتی ہے۔ ہمارے نزدیک تو خدا نخواستہ اگر امام صاحب نے ایسی بیہودہ بات زبان سے نکالی ہوتی تو اسی وقت ان کی گردن اڑادی جاتی اور ہر طرف سے لعنت و ملامت کے تیر برسنے لگتے۔ وہ زمانہ برطانیہ کی حکومت یا آج کی حکومتوں کا زمانہ نہ تھا اس وقت تو اس سے بھی کم تر بات پر گردن ناپ دی جاتی تھی۔ مگر طلوع اسلام نے اس جگہ پوری طرح عقل سے ہاتھ دھو لئے ہیں۔ وہ نہیں سمجھتا کہ وہ کیسی بے تکی باتوں سے اپنا الو سیدھا کر رہا ہے۔ وہ اس بیہودہ مصحف (مبدل مہمل روایت سے خلق خدا کو دھوکہ دینا چاہتا ہے کہ طلوع اسلام وہی کہتا ہے جو امام ابوحنیفہ نے کہا تھا کہ مرکز ملت نمائندگان امت کے مشورہ سے قرآنی اصولوں کی روشنی میں جو فیصلے کرے وہی شریعت اسلامی

کہلاتے ہیں اور یہ فصلے زمانہ کے حالات کے ساتھ ساتھ قابل تغیر و تبدل ہوتے ہیں۔ (سبحان اللہ یہ آج کل کی اسمبلیاں جن کے ممبر عموماً روٹی اور روپیہ یاد باؤ کے زور سے ایم این اے بنتے ہیں امت کے نمائندے ہو گئے اور آج کل کی مرکزی حکومتیں جن کو نہ دین کے اصول سے واسطہ نہ فروعات سے، مرکز ملت قرار پانے کے قابل ہو گئیں؟ اگر یہ سب واقعی امت کے نمائندے اور سچ مچ مرکز ملت بننے کے قابل ہوتے جب بھی ان کے فیصلے شریعت نہیں بن سکتے تھے۔ چہ جائیکہ اس ناگفتہ بہ حالت میں) ہم واضح کر چکے ہیں کہ امام ابو حنیفہ نے ایسا کبھی نہیں کہا اور اگر وہ ایسی بے ہودہ باتیں زبان سے نکالتے ان کی گردن اڑادی جاتی اور مدیر طلوع اسلام اس زمانہ میں ہوتا اور ایسی بات زبان یا قلم سے نکالتا تو اس کو لمبی وقت روک دیا جاتا۔ یہ پاکستان ہی کی حکومت ہے جو دین مبین کے ساتھ ایسی کھلی گستاخی کرنے والوں کو نہیں روکتی بلکہ ان کو پھلنے پھولنے کا موقع دے رہی ہے۔ طلوع اسلام کو شرم نہیں آتی کہ تاریخ خطیب میں جو باتیں امام ابو حنیفہ کو بدنام کرنے کے لئے درج کی گئی تھیں جن کے راویوں کی قلمی کھول کر اس وقت سے آج تک ملت حنفیہ امام ابو حنیفہ کے دامن کو ان لغویات سے پاک ثابت کرتی آرہی ہے طلوع اسلام اپنا الو سیدھا کرنے کے لئے اپنے ساتھ امام ابو حنیفہ کے دامن کو بھی ان لغویات سے ملوث کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ مگر وہ یاد رکھے کہ حق حق ہے اور باطل باطل ہے اس کی کوشش سے امام ابو حنیفہ کا دامن تو ان کفریات سے ملوث نہیں ہو سکتا مگر اس بیہودہ کوشش نے طلوع اسلام کی غلطیوں کو پوری طرح طشت از بام کر دیا ہے۔ کیونکہ وہ ان کفریات کو جنہیں مجروح، کمزور، چھوٹے یا متعصب راویوں نے امام صاحب کی طرف غلط طور سے منسوب کیا تھا عین ایمان سمجھتا ہے اور انہیں اپنے مسلک کی تائید میں خوشی کے شادیاں بجا کر پیش کر رہا ہے یہ صریح ظلم نہیں تو اور کیا ہے۔

اس کے بعد طلوع اسلام نے یہ عنوان قائم کر کے کہ ”جس چیز کا مدار نقل و نقل روایت پر ہو وہ دین نہیں بن سکتی۔“ دعویٰ کیا ہے کہ ”اگر کوئی شخص یوں کہتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ کعبہ حق ہے مگر یہ نہیں جانتا کہ آیا کعبہ وہی ہے جو مکہ میں ہے یا کوئی اور

ہے تو یہ شخص سچا مومن ہے۔ یا کوئی یوں کہتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد بن عبد اللہ، اللہ کے نبی ہیں، مگر میں یہ نہیں جانتا کہ آیا یہ وہی ہیں جن کی قبر مدینہ میں ہے یا اور کوئی ہیں تو یہ شخص بھی سچا مومن ہے۔“ پھر اسی مضمون کو چند طرق سے بحوالہ تاریخ خطیب امام ابو حنیفہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے (جس کی حقیقت عن قریب واضح ہو جائے گی) اس کے بعد لکھتا ہے کہ ”آپ نے غور فرمایا کہ تاریخ اور دین کا فرق کس قدر نمایاں طور پر واضح ہو جاتا ہے۔“

گویا اس کے نزدیک کعبہ کا مکہ میں ہونا بھی تاریخی واقعہ ہے اور دین میں داخل نہیں کیونکہ وہ تو نقل در نقل روایت سے معلوم ہوا ہے۔ گویا اس کے نزدیک آیت قرآنی **إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ** ○ بھی کوئی تاریخی روایت ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنا، اس کو اپنی قیام گاہ بنانا بھی محض تاریخی روایت ہے قرآن میں اس کا کہیں ذکر نہیں؟ یہ ہے منکرین حدیث کی قرآن دانی اور قرآن فہمی۔

اس کے بعد میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ قرآن کلام اللہ ہے مگر میں نہیں جانتا کہ یہ وہی ہے جو تمس سیپاروں میں تقسیم کیا گیا ہے یا وہ ہے جس کے بقول بعض شیعہ چالیس سیپارے تھے۔ اس کے بارے میں طلوع اسلام کیا کہتا ہے؟

وہ ہمیں بتائے کہ جس دلیل سے اس نے کعبہ کے مکہ میں ہونے کو اور قبر رسول کے مدینہ میں ہونے کو تاریخی واقعہ قرار دیا ہے اسی دلیل سے اس قرآن کا جس کے تمس سیپارے کئے گئے ہیں کلام اللہ ہونا تاریخی واقعہ ٹھہرتا ہے یا نہیں؟ پھر اس کے نہ جاننے والے کو بھی سچا مومن اور پکا مسلمان کہنا چاہیے؟ ورنہ فرق بتلائے کہ تمس سیپارے والے قرآن کا کلام اللہ ہونا تاریخی واقعہ کیوں نہیں۔ اور کعبہ کا مکہ میں ہونا تاریخی واقعہ کیوں ہے؟ رہا یہ کہ آسمان کے نیچے یقینی چیز اللہ کی کتاب ہے جس کی حفاظت کا ذمہ اس نے خود لیا ہے۔“ تو یہ بھی اسی تمس سیپارے والے قرآن کی ایک آیت کا مضمون ہے جس

کا کلام اللہ ہونا طلوع اسلام کے اصول پر محض ایک تاریخی واقعہ ہے اور تاریخ یقینی نہیں بلکہ ظنی چیز ہے تو اس کی اس مہمل منطق سے قرآن بھی یقینی نہیں ٹھہرتا بلکہ ظنی ہوا جاتا ہے۔ ہمیں بھی دیکھنا ہے کہ طلوع اسلام اس گرفت سے کس طرح نکلنے کی کوشش کرتا ہے؟ اس کا معقول جواب تو ہرگز وہ نہیں دے سکتا اور نامعقول جواب سے کون کس کی زبان پکڑ سکتا ہے؟

### حمیدی اور نعیم بن حماد

اب ان روایات کی حقیقت سنئے جو امام صاحب کی طرف منسوب کی گئی ہیں۔ اس کی ایک سند میں بخاری کے راوی حمیدی ہیں اور امام بخاری کے راویوں میں حمیدی اور نعیم بن حماد کو امام صاحب سے لٹپی بغض ہے۔ نعیم بن حماد کے متعلق تو ابو بشر دولاہی نے تصریح کی ہے کہ ابو حنیفہ کے معارب میں ایسی روایتیں گھڑتا ہے جو سراسر جھوٹ اور بہتان ہوتی ہیں۔ مگر حمیدی بھی اس سے کچھ کم نہیں۔ حنفیہ سے اس کو سخت تعصب ہے ان کی آبرو کے پیچھے پڑا رہتا ہے۔ خود اسی تاریخ خطیب کے ص ۴۰۷ میں ضبل بن اسحق ہی کے حوالہ سے یہ روایت موجود ہے کہ حمیدی امام ابو حنیفہ کی کنیت بدل کر ابو حنیفہ کہا کرتا تھا۔ مسجد حرام میں اعلانیہ اپنے حلقہ درس میں صاف صاف ایسا کہتا اور کچھ پروا نہ کرتا۔ شریعت میں تنازع بالالقباب (کسی کو برالقب دینا) حرام ہے۔ جو شخص اس جرم کا ارتکاب مسجد حرام میں بیٹھ کر کرتا ہو اس کے تعصب کا آپ خود ہی اندازہ کر لیں، یہ شخص کمال تعصب اور بدزبانی میں مشہور ہے بلکہ امام شافعیؒ کے شاگرد محمد بن عبدالحکم نے تو عام گفتگو میں اس کو جھوٹا بتلایا ہے۔ اگرچہ حدیث رسول میں ثقہ کہا جاتا ہے۔ اگر یہ شخص سفیان بن عیینہ کی احادیث کا حافظ اور راوی نہ ہوتا تو لوگ اس کی بدزبانی اور شدت تعصب کی وجہ سے اس کو منہ بھی نہ لگاتے نہ اس کی احادیث کو روایت کرتے۔ اور غالباً امام شافعیؒ نے ایک بار عبد اللہ بن مبارک کے یہ اشعار پڑھ کر اسی پر اشارہ کیا ہے۔

الایا جیفۃ تعلوک جیفہ وایا قاری مافی صحیفہ

امثلک لا هدیت ولست تهدی  
 تعیب مشمر اسهر الیالی  
 وصان لسانه عن کل افک  
 وعض عن المحارم والمناهی  
 فمن کابی حنیفة فی نداه؟  
 یعیب اخا العفاف ابا حنیفه  
 وصام نهاره لله خیفه  
 وما زالت جوارحه عیفه  
 ومرضاه الاله له وظیفه  
 لاهل الفقر فی السنة الجحیفه

ترجمہ:- ”ارے مردار جس پر دوسرا مردار سوار ہے اور پڑھنے والے کو جس کے نامہ اعمال کا پڑھنا دشوار ہے۔ تجھے ہدایت نہ ہو اور تو ہدایت پر نہیں آسکتا کیا تیرا یہ منہ ہے کہ تو پاک دامن امام ابوحنیفہ پر عیب لگاتا ہے۔ تو ایسے شخص پر عیب لگا رہا ہے جو راتوں کو کمر کس کر نماز پڑھتا اور اللہ کے خوف سے دن کو روزہ رکھتا تھا، جس نے اپنی زبان بیہودہ بات سے محفوظ کر لی تھی اور اس کے تو سارے ہی اعضا ہمیشہ پاک صاف رہتے تھے۔ حرام مواقع سے نگاہ کو بچاتا تھا اور اللہ کی رضا حاصل کرنا ہی اس کا وظیفہ اور مشغلہ تھا پھر قحط سالی کے زمانے میں فقراء کے اوپر سخاوت کرنے میں بھی تو ابوحنیفہ جیسا کوئی نہ تھا۔“

شارح ملل و نحل نے تو ان اشعار کو خود امام شافعیؒ کا بتایا ہے مگر ظاہر یہ ہے کہ امام نے بطور تمثیل کے ان کو اس موقع پر پڑھ دیا ہے ورنہ یہ ان کا اپنا کلام نہیں بلکہ عبد اللہ بن المبارک کا منظوم کلام ہے۔ بہر حال حمیدی کی فحش گوئی اور بدزبانی کے جواب میں امام شافعیؒ کا ان اشعار کو پڑھ دینا اور ہمارا نقل کر دینا ہی کافی ہے اس سے زیادہ کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔ پھر اس روایت میں حمیدی کا اضطراب بھی ملاحظہ ہو، کبھی حمزہ بن الحارث سے روایت کرتا ہے کبھی بلا واسطہ حارث سے روایت کرتا اور حارث بن عمیر کے متعلق ذہبی کا فیصلہ یہ ہے کہ میرے نزدیک اس کا ضعف کھلا ہوا ہے کیونکہ ابن حبان نے کتاب الضعفاء میں کہا کہ یہ شخص ثقات سے موضوع اور گھڑی ہوئی باتیں روایت کرتا



ہے۔ حاکم نے کہا ہے کہ یہ شخص امام جعفر صادق اور حمید (طویل) سے موضوع حدیثیں روایت کرتا ہے۔ پھر یہ بات اس کی عقل میں آسکتی ہے کہ امام ابو حنیفہ ایسی صریح کفر کی بات مسجد حرام میں زبان سے نکالیں اور اس کا نقل کرنے والا ایک کذاب کے سوا دوسرا کوئی نہ ہو؟ اور اس بدترین کلمہ کفر یہ پر امام صاحب کو کچھ سزا بھی نہ دی گئی ہو؟ سفید جھوٹ اسی کو کہتے ہیں۔

امام صاحب کا فتویٰ تو کعبہ کے متعلق یہ ہے کہ جس کو حافظ ابن ابی العوام نے اپنی سند سے حسن بن ابی مالک سے امام ابو یوسف سے امام ابو حنیفہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص غیہ کعبہ کی طرف نماز پڑھنے کا ارادہ کرے گا کافر ہو جائے گا۔ اگرچہ غلطی سے اس نے کعبہ ہی کی طرف نماز پڑھ لی ہو۔ پھر فرمایا کہ میں نے کسی کو اس کے خلاف کہتے نہیں سنا۔ دوسری سند میں بھی حمیدی متعصب منہ پھٹ اور حارث بن عمیر کذاب دونوں موجود ہیں اور تیسرا محمد بن محمد باغندی بھی دھرا ہوا ہے۔ جس کے متعلق محدثین نے طویل کلام کیا ہے۔ ابراہیم بن الاصبہانی نے اس کو جھوٹا بتلایا ہے اور تماشا یہ ہے کہ باپ بیٹے بھی باہم ایک دوسرے کو جھوٹا کہتے تھے۔ اور اکثر ناقدین کی رائے میں دونوں ایک دوسرے کی تکذیب میں تھے ہیں۔ یہ ہیں وہ موضوع اور غلط روایات جن کو طلاع اسلام اپنے مسند باطل کی تائید میں پیش کر کے جابلوں کو دھوکہ دے رہا ہے۔

### باغندی کی روایت

باغندی کی روایت میں ایک سفید جھوٹ یہ بھی ہے کہ وہ کہتا ہے کہ ”عبداللہ بن زبیر (حمیدی) کے پاس امام احمد بن حنبل کا خط آیا کہ مجھے امام ابو حنیفہ کا کوئی شنیع ترین (بدترین) قول لکھ کر بھیج دو۔ الخ“

دنیا کو معلوم ہے کہ حمیدی حجازی ہے وہ امام صاحب کے شاگردوں کے حلقہ میں نہ کبھی بیٹھا نہ ان کی فقہ کو پڑھا۔ اور امام احمد بن حنبل عراقی ہیں۔ امام ابو حنیفہ اور ان



کے اکثر اجلہ اصحاب بھی حراقی ہیں۔ امام احمد نے امام ابو حنیفہ کے شاگردوں سے علم فقہ و حدیث بھی حاصل کیا ہے تو یہ الٹی گنگا کیسے بہنے لگی کہ امام احمد حمیدی سے امام ابو حنیفہ کے اقوال دریافت کرنے لگے؟ اگر معاملہ برعکس ہوتا قیاس میں آ بھی سکتا تھا۔ مگر جھوٹوں کو اچھی طرح جھوٹ بولنا بھی نہیں آتا، اس طرح کی باتیں کرتے ہیں جن سے جلدی بھانڈا پھوٹ جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ اسی طرح اہل باطل کو رسوا کیا کرتا ہے۔

اس کے بعد تیسری سند بھی ایسی ہی ہے اس میں بھی حارث بن عمیر کذاب موجود ہے۔

چوتھی روایت میں سفیان ثوری کہتے ہیں ہم سے عباد بن کثیر نے بیان کیا کہ میں نے ابو حنیفہ سے پوچھا ایک آدمی کہتا ہے کہ میں کعبہ کو برحق مانتا ہوں کہ وہ اللہ کا گھر ہے لیکن یہ نہیں جانتا کہ وہ مکہ میں ہے یا خراسان میں الخ۔

اس کی سند میں عامر بن اسماعیل ابو معاذ بغدادی مجہول ہے۔ پھر امام سفیان ثوری نے عباد بن کثیر کو جھوٹا بتایا ہے اور اس سے روایت کرنے کو منع کیا ہے تو یہ کیسے عقل میں آ سکتا ہے کہ وہ خود اس سے روایت کریں؟ اسی سے اس حکایت کا من گھڑت، جھوٹ اور موضوع ہونا واضح ہے۔ ایسی جھوٹی روایات پر طلوع اسلام کا اپنے مسلک کی عمارت قائم کرنا خود اس کے مسلک کے غلط اور جھوٹا ہونے کی دلیل ہے۔

۱۔ خطیب بغدادی علامہ ابن حزم کی رائے کا بہت اتباع کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب الفصل ج ۳ ص ۲۴۹ میں لکھا ہے اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں وادی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں مگر یہ نہیں جانتا کہ آپ زندہ ہیں یا نہیں اور آپ عربی ہیں یا فارسی، حجاز میں تھے یا خراسان میں؟ تو اگر یہ شخص جاہل ہے سیر و اخبار کا کچھ علم نہیں رکھتا۔ اس کو تعلیم دینا واجب ہے۔ کافر نہیں کہا جائے گا۔ اور اگر صاحب علم ہے حقیقت سے باخبر ہے پھر عناد ایسی بات کہتا ہے تو کافر مرتد ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ بہت سے مفتی اور بہت سے نیک آدمی نہیں جانتے کہ ختمہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کو کتنی مدت ہوئی، نہ یہ جانتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں تھے کس شہر میں تھے، ان کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ ایک ہستی جن کا نام نامی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو اس دین کے ساتھ رسول بنا کر بھیجا تھا تو اگر بالفرض امام صاحب نے یہ باتیں کہی بھی ہوں تو ان کو فو سلم جاہل پر قبول کرنے سے کیا بات مانع ہے؟

## تاریخ میں دروغ بیانی

اس کے بعد بڑی جسارت کیساتھ تاریخ میں دروغ بیانی سے کام لے کر دعویٰ کیا گیا ہے کہ ہر ”صحیح حدیث کا واجب التعمیل اور ناقابل تبدیل ہونا امام شافعی کا مذہب ہے وہی اس مسلک کے سب سے پہلے اور بڑے داعی ہیں۔ اس دور میں ہم دیکھتے ہیں کہ امت میں دو گروہ سامنے آتے ہیں ایک وہ جو صحابہ اور امام ابو حنیفہ کے مسلک کا پابند تھا۔ یعنی جو احادیث کو غیر متبدل نہیں مانتا تھا۔ اور دوسرا گروہ جو امام شافعی کے مسلک کا پابند تھا اور حدیث کو ہمیشہ کے لئے واجب الاتباع خیال کرتا تھا۔ اول گروہ کو اصحاب الرائے کے نام سے مشہور کیا گیا اور دوسرا گروہ اصحاب الحدیث کے نام سے متعارف ہوا۔ (طلوع اسلام)

اس دروغ بے فروغ کا صریح جھوٹ ہونا اسی سے واضح ہے کہ امام ابو حنیفہ کے اجلہ اصحاب امام محمد بن الحسن الشیبانی اور امام ابو یوسف اور عبداللہ بن المبارک وغیرہم کی کتابیں احادیث نبویہ کے ساتھ احتجاج سے بھری پڑی ہیں۔ امام محمد کی کتاب الحج اور موطا آج بھی دنیا میں موجود ہیں جس میں مذہب مالک کے بہت سے مسائل کو احادیث کے ساتھ رد کیا گیا ہے۔ امام ابو یوسف نے کتاب ”اختلاف ابی حنیفہ وابن ابی لیلیٰ“ میں ابن ابی لیلیٰ کے مذہب کو حدیث ہی سے رد کیا ہے اور دنیا جانتی ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک حدیث مرسل بھی حجت ہے جس سے قیاس کو ترک کر دیا جاتا ہے۔ امام شافعی کے یہاں مرسل حجت نہیں۔ پھر امام ابو حنیفہ انواع قیاس میں سے صرف دو قسموں یعنی قیاس مؤثر اور قیاس طرد کو لیتے ہیں اور بعض روایات میں قیاس طرد کو بھی نہیں لیتے صرف قیاس مؤثر کو استعمال کرتے ہیں اور قیاس شبہ اور قیاس مناسبت کو تو اصلاً استعمال نہیں کرتے۔ مگر امام شافعی چاروں قسموں سے کام لیتے ہیں۔ پھر امام شافعی کو قائلین حجیت حدیث کا امام کیسے مانا جاسکتا ہے جب کہ وہ نصف حدیث صحیح کو حجت کہتے ہیں مرسل کو حجت نہیں مانتے، حالانکہ ہزار ہا احادیث مراسل ہیں جن کو وہ مرسل کہہ کر رد کر دیتے ہیں اور امام ابو حنیفہ

ان کو رد نہیں کرتے بلکہ قیاس پر مقدم کرتے ہیں۔ پھر امام ابو حنیفہ کے نزدیک حدیث رسولؐ کے بعد قول صحابی بھی حجت ہے بلکہ اس تابعی کا قول بھی حجت ہے جو صحابہ کے زمانہ میں فتویٰ دیتا رہا ہو۔ وہ قول صحابی اور تابعی کبیر کے مقابلہ میں قیاس سے ہرگز کام نہیں لیتے اور اصحاب امام شافعی کے نزدیک نہ قول صحابی حجت ہے نہ قول تابعی بلکہ قیاس کو اس پر مقدم کرتے ہیں۔ پھر تماشا ہے کہ امام شافعی اور ان کے اصحاب تو اہل الرائے نہ ہوں اور امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب اہل الرائے ہو جائیں۔

کیا طلوع اسلام کو معلوم نہیں کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک نماز میں قہقہہ لگانے سے وضو اور نماز دونوں نوٹ جاتے ہیں کیونکہ اس باب میں چند مرسل حدیثیں وارد ہیں جن کی وجہ سے قیاس کو چھوڑ دیا گیا۔ اور امام شافعی اور جمہور فقہا قہقہہ سے صرف نماز کو فاسد کہتے ہیں، وضو نوٹنے کے قائل نہیں کیونکہ وہ قیاس کو حدیث مرسل پر مقدم کرتے ہیں۔ اسی طرح امام ابو حنیفہ سفر میں وضو بالنہیز کے قائل تھے کہ اگر مسافر کے پاس پانی نہ ہو اور چھوہارے پانی میں بھگو کر نہیز بنایا ہو اس کے پاس موجود ہو تو اس سے وضو کرنا ضروری بتلاتے تھے کیونکہ عبد اللہ بن مسعودؓ کی ایک حدیث اس باب میں موجود ہے۔ جس سے قیاس کو ترک کر دیا گیا مگر امام شافعی وغیرہ نہیز سے وضو کو جائز نہیں کہتے بلکہ اس حالت میں تیمم کا حکم دیتے ہیں اور عبد اللہ بن مسعودؓ کی حدیث کو مرسل اور منقطع کہہ کر رد کرتے اور قیاس کو اس پر مقدم کرتے ہیں۔ تو کیا طلوع اسلام کے نزدیک امام ابو حنیفہ یا ان کے اصحاب نے امام شافعی اور اہل حدیث سے مرعوب ہو کر یہ مسائل اپنے مذہب میں داخل کئے تھے؟ اس کے علاوہ صد ہا مسائل حنفیہ کے مذہب میں ایسے موجود ہیں جن میں حنفیہ نے حدیث کی وجہ سے قیاس کو ترک کر دیا ہے اور امام شافعی نے قیاس پر عمل کیا ہے حدیث پر عمل نہیں کیا کیونکہ وہ ان کے نزدیک ضعیف تھی۔ تو اسی کا نام مرعوبیت نہ ابن حزم و ابن تیمیہ و ابن القیم وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ امام ابو حنیفہ کے مذہب میں حدیث ضعیف قیاس سے مقدم ہے اور اس پر حنفیہ کا اجماع نقل کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام ابو حنیفہ پہلے شخص ہیں جو حدیث کو مطلقاً حجت سمجھتے ہیں خواہ صحیح ہو یا مرسل ہو یا

ضعیف ہو۔ بشرطیکہ زیادہ ضعیف نہ ہو۔

پھر یہ بھی غلط ہے کہ حنفیہ کو اصحاب الرائے کا لقب امام شافعی کے مقابلہ میں دیا گیا۔ بلکہ یہ لقب امام شافعی کی ولادت سے بھی پہلے ان فقہاء کو دیا گیا تھا۔ جو صرف روایت حدیث پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ احادیث سے احکام مستنبط کرتے تھے چنانچہ اہل علم کو بخوبی معلوم ہے کہ امام مالک کے استاد ربیعہ بن عبد الرحمن کا لقب ربیعۃ الرائے تھا جن کو امام شافعی نے دیکھا بھی نہیں۔

اسی طرح امام مالک کے اصحاب میں جو لوگ فقیہ تھے ان کو بھی اہل الرائے کہا جاتا اور ان کے مقابلہ میں جو اصحاب صرف روایت کرنے والے تھے ان کو اہل الحدیث کہا جاتا تھا۔ علامہ حافظ ابن عبد البر اندلسی اپنی کتاب الانتقاء فی فضائل الثلثہ الفقہاء میں لکھتے ہیں کہ امام مالک سے امام ابو حنیفہ کے متعلق اقوال شیعہ روایت کرنے والے ان کے وہ اصحاب ہیں جو اہل حدیث کہلاتے ہیں اور جو اہل الرائے فقہاء ہیں انہوہ امام مالک سے اس قسم کی باتیں اصلاً روایت نہیں کرتے قال ابن عبد البر فی الانتقاء (ص ۱۵۰) روی ذلک کلمہ عن مالک اهل الحدیث و اما اصحاب مالک من اهل الراى فلا یروون من ذلک شیئاً عن مالک۔ اھ ابوالولید باجی نے ”الممشقی شرح المؤطا“ میں تصریح کی ہے کہ امام مالک سے فقہاء کی شان میں کوئی کلام یا جرح ثابت نہیں۔ انہوں نے صرف راویان حدیث میں ضبط وغیرہ کی جہت سے کلام کیا ہے۔ اس کے بعد لکھا ہے کہ امام مالک عبد اللہ بن مبارک کی بہت تعظیم کرتے تھے جو امام ابو حنیفہ کے خاص تلامذہ میں سے ہیں۔ اھ تانیب ص ۷۱۔

## طلوع اسلام کی دیانت

اس کے بعد طلوع اسلام نے امام شافعی کی کتاب الامم سے انکار حدیث کے

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اہل الرائے فقہاء کو کہا جاتا ہے جو حدیث و قرآن سے مسائل کا استنباط کرتے ہیں۔ اہل الرائے سے یہ معنی ہرگز نہیں کہ وہ حدیث پر قیام یا اسے کو مقدم کرتے ہیں جیسے طلوع اسلام نے سمجھا ہے۔

متعلق متکلمین اور اصحاب الرائے کے دلائل بیان سے ہیں۔ مگر، یانت ملاحظہ ہو کہ امام شافعی کا جواب نقل نہیں کیا کیونکہ جواب نقل کرنے سے اس کی ساری بنی بنائی عمارت منہدم ہو جاتی ہے۔ امام شافعی نے اپنے جواب میں قرآن اور سنت مشہورہ اور سلف امت کے اجماع و تعامل سے خبر واحد صحیح کا حجت شرعیہ ہونا اچھی طرح ثابت کر دیا ہے جس کے بعد یہ دعویٰ غلط ہو جاتا ہے کہ حدیث صحیح کا واجب التعمیل اور ناقابل تبدیل ہونا صرف امام شافعی کا مسلک ہے وہی اس کے سب سے پہلے اور بڑے داعی ہیں۔ ہم اوپر بتا چکے ہیں کہ امام ابو حنیفہ ان سے زیادہ حجیت حدیث کے قائل ہیں۔

### طلوع اسلام اور عقیدہ خلق قرآن

اس کے بعد فتنہ مسئلہ خلق قرآن کا ذکر کرتے ہوئے طلوع اسلام نے دعویٰ کیا ہے کہ ”عقیدہ خلق قرآن کے مؤید وہی لوگ تھے جو دین میں قرآن واجتہاد کے پابند تھے (حدیث کے پابند نہ تھے) پھر ایک قدم آگے بڑھا کر یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ ظاہر ہے کہ امام ابو حنیفہ بھی ان ہی کے ہم نوا تھے بلکہ بعض شہادات سے تو پتہ چلتا ہے کہ سب سے پہلے انہوں ہی نے یہ کہا کہ قرآن مخلوق ہے اھ لا الہ الا اللہ

اس عبارت میں طلوع اسلام نے اقرار کر لیا ہے کہ وہ خود بھی ”عقیدہ خلق قرآن“ کا حامی ہے اور امام ابو حنیفہ کو بھی (معاذ اللہ) اس کا حامی سمجھتا ہے۔ اسی لئے تو میرا خیال ہے کہ ”منکرین حدیث“ خارجیوں کے ہم نوا ہیں۔

امام ابو حنیفہ کا خلق قرآن کا قائل ہونا تو یہ ایسا سفید جھوٹ ہے جسے کوئی عاقل بھی ایک سیکنڈ کے لئے تسلیم نہیں کر سکتا۔ امام ابو حنیفہ کا خط عثمان بنی عالم بصرہ کے نام اور ان کا رسالہ ”الفقہ الاکبر“ کتب خانہ خدیوہ مصر میں قلمی بھی موجود ہے اور طبع بھی ہو چکا ہے جس سے اہل علم بخوبی واقف ہیں ان میں عقیدہ خلق قرآن کی صراحت تردید موجود ہے۔ تاریخ الخطیب البغدادی کا جائزہ ہم پہلے لے چکے اور بتا چکے ہیں کہ اس میں خطیب کی وفات کے بعد بہت زیادات والحاقات ہوئے ہیں۔ اس لئے اس کی ان

روایات پر جن میں امام صاحب کا قرآن کو مخلوق کہنا مذکور ہے کسی درجہ میں بھی اعتبار کرنا ہرگز جائز نہیں۔ خصوصاً جب کہ ہر روایت کی سند میں ضعفاء و مجروحین و مجہولین دھڑے ہوئے ہیں۔

امام ابو حنیفہ کے دشمنوں کو اتنی ہی بات پر صبر نہ آیا کہ ان کی طرف خلق قرآن کا مسئلہ منسوب کر دیں بلکہ انہیں اس قول کا موجد اور اول قائلین بنادیا اور اس جھوٹ کو امام ابو یوسف کے واسطے وضع کیا جو امام ابو حنیفہ کے اخص الخاص شاگرد ہیں ان سے روایت کرنے والا امام حسن بن ابی مالک کو ٹھہرایا جو امام ابو یوسف کے اخص الخاص تلامذہ میں سے ہیں اور امام ابو حنیفہ کا غایت درجہ ادب و احترام کرنے والے ہیں۔

### خرزاز و رزاز

اب سینے اس من گھڑت افسانہ کی سند میں محمد بن عباس الخزاز ہے جس پر خود خطیب نے (ج ۳ ص ۱۲۲) میں جرح کی ہے کہ وہ ابو الحسن بن الرزاز کی کتاب سے روایتیں بیان کیا کرتا تھا حالانکہ اس میں اس کا سماع نہ تھا اور رزاز کے بیٹے نے اپنے باپ کی کتاب میں بہت اضافات کئے تھے جو بالکل تازہ تھے اور ظاہر ہے کہ ایسی کتاب سے روایت کرنے والے پر کسی درجہ میں بھی بھروسہ نہیں کیا جاسکتا اس کے بعد اسحق بن عبد الرحمن راوی مجہول ہے۔ پھر کمال یہ ہے کہ امام ابو یوسف کے ترجمہ میں خود ان کو جہمی کہا گیا ہے اگر وہ جہمی تھے تو مسئلہ خلق قرآن کی بنا پر امام ابو حنیفہ کی مذمت کیسے کر سکتے تھے؟ اور اگر اس مسئلہ کی وجہ سے وہ امام صاحب کی مذمت کرتے تھے تو ان کا جہمی ہونا غلط ہے۔ مگر دروغ گو را حافظہ نباشد۔ جھوٹوں کی علامت ہی یہ ہے کہ ان کے اقوال میں تضاد ہوتا ہے۔ انہیں یاد نہیں رہتا کہ ہم نے پہلے کیا کہا تھا اور اب کیا کہہ رہے ہیں۔

مورخین مذاہب کا اس پر اتفاق ہے کہ جس شخص نے سب سے پہلے قرآن کو مخلوق کہا وہ جعد بن درہم ہے اس کے بعد جہم بن صفوان اس کا قاتل ہوا۔ پھر بشر بن غیاث مرلیس۔ ملاحظہ ہو کتاب شرح السنۃ الکافی اور کتاب الرد علی الجہمیۃ لابن ابی حاتم وغیرہما۔



تاریخ خطیب میں دوسندوں سے امام ابو یوسف کی طرف یہ قول منسوب کیا گیا ہے کہ میں تو خلق قرآن کا قائل نہیں ہوں، مگر ابو حنیفہ اس کے قائل تھے۔

مگر پہلی سند میں ابو القاسم بغوی ہے جس کے متعلق ابن عدی نے کہا ہے کہ میں نے علماء اور مشائخ بغداد کو اس کے ضعف پر متفق پایا ہے۔ اور دوسری سند میں عمر بن الحسن الاشجانی القاضی ہے جس کو دارقطنی نے ضعیف کہا ہے اور حاکم نے جھوٹا بتلایا۔ اس کے بعد اصمعی ہے جس کو ابوزید انصاری نے جھوٹا کہا اور علی بن حمزہ بصری نے اپنی کتاب ”التنبیہات علی الاغلاط فی الروایات“ میں اس کی بہت سی غلطیاں روایات میں بیان کی ہیں جن سے ابوزید انصاری کے قول کی تائید ہوتی ہے اور خود خطیب نے اس کے نوادر میں جو کچھ بیان کیا ہے وہ بھی کم نہیں ہے۔ ابو قلابہ جریمی نے اصمعی کے جنازہ کے ساتھ جو اشعار پڑھے ہیں ان میں بتلایا گیا ہے کہ اس شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل بیت اور طبیین و طببات سے بغض تھا۔ اس کے بعد سعید بن سلم باہلی سے جو ہارون رشید کے زمانہ میں ارمینہ کا عامل تھا جس کی وجہ سے وہاں کے مسلمانوں پر بہت آفتیں نازل ہوئی تھیں۔ یہ اس قابل نہیں کہ اس سے اس باب میں روایت کی جائے نہ ایسے مسائل میں اس کا قول قابل قبول ہے۔

حافظ لاکائی نے شرح السنۃ میں ابو الحسن علی بن محمد رازی سے ابو بکر محمد بن مہرویہ رازی سے محمد بن سعید بن سابق سے روایت کیا ہے کہ میں نے امام ابو یوسف سے پوچھا آپ خلق قرآن کے قائل ہیں؟ کہا نہیں نہ میں قائل ہوں نہ امام ابو حنیفہ یہ جواب انہوں نے اس طرح دیا جیسا کہ میرے سوال پر ان کو انکار اور تعجب تھا۔ حافظ ابن ابی العوام اور حافظ صمیری وغیرہما نے صحیح اسانید کے ساتھ امام ابو یوسف اور حسن بن ابی مالک اور احمد بن القاسم البرقی سے متعدد روایات نقل کی ہیں جن سے امام ابو حنیفہ کا خلق قرآن کے قول سے بری ہونا۔ بخوبی واضح ہے اب جو لوگ اپنے من گھڑت طریقوں سے اس کے خلاف روایتیں لاتے ہیں وہ خود ہی سر کے بل گر پڑتے ہیں۔ اتمام حجت کے لئے حافظ ابن ابی العوام کی ایک روایت یہاں پیش کی جاتی ہے وہ کہتے ہیں ہم سے



محمد بن احمد بن حماد نے بیان کیا ان سے محمد بن شجاع (ثعلبی) نے وہ کہتے ہیں میں نے حسن بن ابی مالک سے سنا انہوں نے امام ابو یوسف سے سنا وہ فرماتے تھے کہ ایک شخص جمعہ کے دن مسجد کوفہ میں آیا، اور (علماء کے) سب حلقوں میں گھومتا پھرتا۔ ان سے قرآن کے متعلق سوال کرتا تھا (کہ مخلوق ہے یا غیر مخلوق؟) امام ابو حنیفہ اس وقت مکہ میں تھے۔ (کوفہ میں نہ تھے) لوگ اس مسئلہ میں گفتگو کرنے لگے اور گڑ بڑ میں پڑ گئے۔ بخدا یہ شخص میرے گمان میں نرا شیطان تھا جو انسان کا روپ بھر کر آیا تھا۔ وہ ہمارے حلقہ میں بھی پہنچا اور ہم سے بھی یہی سوال کیا۔ ہمارے ساتھیوں میں سے ایک نے دوسرے کو جواب دینے سے روک دیا۔ ہم نے اس سے کہہ دیا کہ ہمارے شیخ اس وقت یہاں نہیں ہیں اور ہم ان سے پہلے اس مسئلہ میں کچھ نہیں کہنا چاہتے وہی اس کا جواب دیں گے۔ یہ سن کر وہ شخص چلا گیا۔ ابو یوسف فرماتے ہیں کہ جب امام صاحب تشریف لائے ہم نے قادیسیہ میں ان کا استقبال کیا اور سلام عرض کیا۔ انہوں نے گھر والوں اور بستی والوں کی خیریت دریافت کی ہم نے ان کا حال بتلایا۔ پھر ہم نے موقعہ دیکھ کر عرض کیا کہ اے امام ابو حنیفہ! ایک سوال ہمارے پاس آیا تھا اس کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں؟ سوال ابھی ہمارے دل میں ہی تھا کہ ہم نے امام صاحب کا چہرہ بدلا دیکھا وہ سمجھ گئے کہ یہ تو فتنہ برپا کرنے والا کوئی سوال ہے اور ہم نے اس کے متعلق کچھ گفتگو کی ہے۔ فرمایا کیا سوال تھا؟ ہم نے سارا واقعہ بیان کر دیا۔ امام صاحب نے کچھ دیر سکوت کر کے پوچھا پھر تم نے اس کا کیا جواب دیا؟ ہم نے کہا اس کے متعلق ہم نے کوئی بات نہیں کی۔ ہمیں اندیشہ ہوا ایسا نہ ہو ہمارے منہ سے کوئی ایسا جواب نکل جائے جو آپ کو ناپسند ہو۔ یہ سن کر امام کا چہرہ چمک گیا اور الجھن دور ہو گئی فرمایا جزاکم اللہ خیرا، جزاکم اللہ خیرا۔ میری وصیت یاد رکھو اس مسئلہ میں ایک لفظ بھی نہ کہنا اور نہ کسی سے اس کے متعلق گفتگو کرنا۔ بس اتنا ہی کہو کہ قرآن اللہ عز و جل کا کلام ہے۔ اس سے آگے ایک حرف نہ بڑھانا۔ میرا خیال یہ ہے کہ یہ مسئلہ طول پکڑے گا یہاں تک کہ مسلمانوں کو ایسے فتنہ میں مبتلا کر دے گا کہ نہ اس کے مقابلہ کے لئے کھڑے ہو سکیں گے نہ بیٹھ ہی سکیں گے اللہ ہمیں اور تمہیں شیطان مردود (کے فتنہ)

سے بچائے۔“

مسئلہ خلق قرآن میں یہ ہے امام ابو حنیفہ کا مسلک، اور یہ ہے امام ابو یوسف کا اور ان کے ساتھیوں کا ادب، معاذ اللہ وہ اپنے استاد کی شان میں ایسے بے ادب گستاخ نہ تھے۔ جیسا تاریخ خطیب کے جھوٹے راویوں نے بیان کیا ہے۔ غضب یہ کہ ان ظالموں نے امام صاحب کے استاد حماد بن ابی سلیمان کی طرف بھی یہ قول منسوب کر دیا کہ انہوں نے امام ابو حنیفہ کے پاس پیغام بھیجا (بعض روایات میں امام سفیان ثوری کو پیغام بر بنایا گیا ہے) کہ میں تمہاری باتوں سے بیزار ہوں مگر یہ کہ تو بہ کر لو (سفیان ثوری کو جس روایت میں پیغام بر بنایا ہے اس میں خلق قرآن کا قول مراد ہے) مگر ان بہتان باندھنے والوں کو اتنی خبر نہیں کہ مورخین مذاہب کا اتفاق ہے کہ خلق قرآن کا قول سب سے پہلے جعد بن درہم نے ۱۲۰ھ کے چند سال بعد شروع کیا تھا اور حماد بن ابی سلیمان کی وفات ۱۲۰ھ میں ہو چکی تھی۔ جعد کے بعد اس قول کو جہم بن صفوان نے پھیلایا جو ۱۲۸ھ میں گرفتار ہوا اور اسی سال قتل ہوا۔ اس کے بعد بشر بن غیاث نے اس قول کو لیا۔ تو یہ کیسے عقل میں آ سکتا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے اپنے استاد کی زندگی میں ۱۲۰ھ سے پہلے یہ بات زبان سے نکالی ہو حالانکہ یہ بات سب سے پہلے جعد بن درہم کی زبان سے ۱۲۰ھ کے چند سال بعد نکلی ہے۔ پھر دنیا جانتی ہے کہ امام ابو حنیفہ اپنے استاد حماد بن ابی سلیمان کی حیات میں برابر ان کی خدمت میں رہے سب شاگردوں سے زیادہ وہی ان کے پاس رہتے اور ان کے گھر کا کام کاج بھی کرتے تھے۔ حماد بن ابی سلیمان کی وفات کے بعد امام ابو حنیفہ بن سب شاگردوں کے اتفاق سے ان کے جانشین بنائے گئے تو یہ کیونکر ممکن ہے۔ سفیان ثوری کے واسطے سے حماد بن ابی سلیمان کا پیغام امام ابو حنیفہ کے پاس پہنچے حالانکہ سفیان سے زیادہ امام صاحب ان کی خدمت میں حاضر باش تھے۔ یہ تو وہ شواہد ہیں جو اس روایت کے متن و غلط اور موضوع قرار دینے کے لئے کافی ہیں۔

پھر سند کا حال یہ ہے کہ اس میں عمر بن محمد بن عیسیٰ السندابی الجوهری دھرا ہوا ہے جو تنہا اس حدیث موضوع کا راوی ہے القرآن کلامی و منی خرج قرآن میرا کلام

ہے اور مجھ سے ہی نکلا ہے۔ ملاحظہ ہو میزان (للذہبی) اس کے بعد اسمعیل بن ابی الحکم مجہول ہے اور یہ وہ اسمعیل بن ابی الحکم نہیں جس کی وفات ۱۳۰ھ میں ہوئی ہے کیونکہ اس کو ہارون بن اسحاق ہمدانی متوفی ۲۵۸ھ نہیں پاسکتا اور خطیب کی سند میں وہی اسماعیل سے روایت کر رہا ہے۔ یہ دوسرا اسمعیل ہے جس کے باپ کی کنیت ابو الحکم ہے ابو الحکم نہیں اور وہ مجہول ہے۔ اور سفیان ثوری کو جس روایت میں پیغام بر بنایا گیا ہے اس کی سند میں محمد بن یونس کدیکی ہے جس پر میزان میں بہت جرح کی گئی ہے اس کے بعد ضرار بن مرد ہے جس کی کنیت ابو نعیم اور لقب طحان ہے یحییٰ بن معین نے اسے کذاب کہا ہے۔ پھر بخاری کی کتاب خلق الافعال میں اس روایت کے اندر ابو حنیفہ کی جگہ ابو فلاں ہے۔ تاریخ خطیب کے راویوں نے ابو فلاں کو ابو حنیفہ بنا دیا۔ ایسا ہی ان لوگوں نے ابو مسہر کی روایت میں کیا ہے۔ وہ یہ کہ سلمہ بن عمرو قاضی نے منبر پر کھڑے ہو کر کہا لا رحمہ اللہ ابا فلاں فانہ اول من زعم ان القرآن مخلوق خدا رحم نہ کرے ابو فلاں پر وہ پہلا شخص ہے جس نے قرآن کو مخلوق کہا۔ تاریخ ابن عساکر میں اسی طرح ہے۔ مگر تاریخ خطیب بغدادی کے ص ۳۷۸ و ۳۸۵ میں ابو فلاں کی جگہ ابو حنیفہ لکھ دیا گیا۔ ان سے کوئی پوچھے کہ تم نے کس دلیل سے ابو فلاں کو ابو حنیفہ بنا دیا؟ حالانکہ تمام روایتیں اس پر متفق ہیں کہ یہ قول سب سے پہلے جعد بن درہم نے کہا ہے مگر ایک لفظ کی جگہ دوسرا لفظ بدل دینا اور خبر متواتر کے خلاف جعد بن درہم کے عوض کسی دوسرے کو اول قائل بنا دینا اہل تعصب کے مذہب میں روا ہے قال الحافظ اللالکائی فی شرح السنة ولا خلاف بین الامۃ ان اول من قال القرآن مخلوق الجعد بن درہم فی سنة نیف و عشرین۔ مائۃ ۱۷ حافظ لاکائی نے شرح السنہ میں کہا ہے کہ امت اسلامیہ کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اول جس شخص نے قرآن کو مخلوق کہا ہے وہ جعد بن درہم ہے جس نے ۱۲۰ھ کے چند سال بعد سب سے پہلے یہ بات کہی تھی۔

سمجھ میں نہیں آتا۔ خطیب بغدادی جیسا بہترین مصنف ایسا حیا باختہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ خود ہی ص ۳۷۶، ص ۳۸۲ میں امام ابو یوسف کے واسطے سے امام ابو حنیفہ کا یہ

قول روایت کرتا ہے کہ خراساں میں دو جماعتیں انسانوں میں سب سے بدتر ہیں جہمیہ اور شبہہ۔ اور دوسری سند سے عبد الحمید بن عبد الرحمن حمانی کے واسطے سے روایت کرتا ہے کہ اس نے امام ابو حنیفہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جہم بن صفوان کافر ہے۔ پھر مثالب ابی حنیفہ میں ابن دو ما اور احمد بن علی ابار جیسے کاذبین کے واسطے سے امام صاحب کی طرف مسئلہ، خلق قرآن کی نسبت کرتے ہوئے نہیں شرماتا اس لئے میں پھر یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ اس تاریخ میں خطیب کی وفات کے بعد ضرور کچھ الحاقات ہوئے ہیں جیسا حافظ ابو الفضل مقدسی شافعی نے فرمایا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

عبد اللہ بن احمد نے کتاب السنۃ میں ابن الشکاب اور یشتم بن خارجہ کے واسطے سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں ہم نے ابو یوسف قاضی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ خراسان میں دو جماعتیں ہیں۔ روئے زمین پر ان سے بدتر کوئی جماعت نہیں ایک جہمیہ دوسری مقاتلیہ۔ ان روایتوں سے صاف واضح ہے کہ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف دونوں کا دامن تجہم اور تشبیہ سے بالکل پاک ہے۔ حافظ ابن ابی العوام نے اپنی سند سے نصر بن محمد سے امام ابو حنیفہ کا یہ قول روایت کیا ہے کہ جہم اور مقاتل دونوں فاسق ہیں ایک نے تشبیہ میں غلو کیا اور دوسرے نے نفی (صفات) میں اھ۔ یعنی مقاتل نے خدا کو مخلوق جیسا کہہ دیا اور جہم نے خدا کو صفات سے معطل کر دیا۔ امام ابو حنیفہ سے جہم اور مقاتل کے عقیدہ کے رد میں اور بہت سی نصوص اور تصریحات موجود ہیں۔ پھر ان کی طرف جہمیہ کے خیالات کو منسوب کرنا صریح بہتان نہیں تو اور کیا ہے؟

مگر طلوع اسلام کی جسارت ملاحظہ ہو کہ وہ عقیدہ خلق قرآن کا مؤید اس گروہ کو بتلاتا ہے جو دین میں قرآن اور اجتہاد کے پابند تھے اور امام ابو حنیفہ کو بھی (معاذ اللہ) ان کا ہم نوا قرار دیتا ہے اگر دین میں قرآن اور اجتہاد کا پابند ہونا اسی کا نام ہے تو ایسی پابندی طلوع اسلام ہی کو مبارک ہو۔ امت مسلمہ نے تو ایسے لوگوں سے ہمیشہ نفرت کی ہے اور کرتی رہے گی۔

اس کے بعد محدثین پر چوٹ کرتے ہوئے (طلوع اسلام) لکھتا ہے کہ انہوں

نے ان لوگوں کے مقابلہ میں جو خلق قرآن کے قائل تھے لوگوں میں یہ مشہور رہنا شروع کیا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کو غیر مخلوق مانتے تھے ظاہر ہے کہ یہ حدیثیں قطعاً وضعی تھیں۔ الخ

مگر اسے معلوم ہونا چاہیے کہ ان حدیثوں کا وضعی ہونا بھی تم کو محدثین ہی نے بتلایا ہے۔ اس سے کسے انکار ہے کہ محدثین کی جماعت میں کچھ منکرین حدیث، خارجی اور شیعہ بھی گھس پڑے تھے۔ مگر اہل بصیرت محدثین ناقدین نے ان وضامین کذابین کا پول اچھی طرح کھول دیا اور ان کی موضوع حدیثوں کو صحیح حدیثوں سے اس طرح الگ کر دیا جیسے دودھ میں سے مکھی نکال دی جاتی ہے۔

آگے چل کر لکھا ہے کہ ”سلطنت کے مصالح کچھ اس قسم کے تھے کہ اس نے پہلے گروہ کی مخالفت (کی جو دین میں قرآن و اجتہاد کے پابند اور خلق قرآن کے قائل تھے) اور دوسرے گروہ کی ہم نوائی کی“ (جو دین میں حدیث کے پابند اور خلق قرآن کے منکر تھے)۔

مگر اس کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ سب کچھ سلطنت کے مصالح کی بنا پر نہیں ہوا بلکہ علماء تابعین کے اجماع کی بناء پر تھا کہ سب نے بالاتفاق جعد بن درہم اور جہم بن صفوان کے اس قول کو کہ قرآن مخلوق ہے کفر قرار دیا تھا۔ چنانچہ حافظ ابن ابی حاتم کتاب الرد علی الجہمیۃ میں سعید بن رحمت سے جو ابوالحسن فزاری کا شاگرد ہے روایت کرتے ہیں۔

### ف، عقیدہ خلق قرآن کی تحقیق

جب علماء کو جہم بن صفوان کا یہ قول پہنچا کہ قرآن مخلوق ہے سب نے اس کو سنگین کلمہ شمار کیا اور اس پر اجماع کیا کہ اس نے کلمہ کفر کہا ہے اھ اور ظاہر ہے کہ علماء تابعین کا اس کے کفر پر اجماع اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ اس نے قرآن کو مطلقاً ہر جہت سے مخلوق کہا ہو، اور اگر وہ یہ کہتا کہ قرآن اللہ تعالیٰ کی صفت کلام قائم بذات اللہ ہونے کی جہت سے قدیم غیر مخلوق ہے اور ہمارے ساتھ قائم ہونے اور ہماری تلاوت اور

صوت وغیرہ کے ساتھ ملتبس ہو جانے کی جہت سے حادث ہے تو نہ اسے کافر کہا جاتا نہ قتل کی سزا دی جاتی۔ کیونکہ قدیم کا حادث میں حلول کرنا محال ہے یہی امام صاحب نے فرمایا ما قام باللہ غیر مخلوق و ما قام بالخلق مخلوق جس کی حقیقت کو اہل ظاہر حشو یہ نہیں سمجھے اور امام صاحب کو بدنام کرنے لگے کہ یہ بھی کہتے ہیں جو جہم بن صفوان کہتا ہے حاشا دکلا۔ امام بخاری کو بھی ان لوگوں نے لفظی بالقرآن مخلوق حادث کہنے پر معتزلی بدعتی کہا اور بخارا سے نکال دیا تھا۔ امام ابو حنیفہؒ تو جہم کو اسی طرح کافر یا فاسق کہتے تھے جیسا تمام علماء تابعین نے کہا تھا۔ کیونکہ وہ صفات الہیہ کی انہی کے خدا کو معطل قرار دیتا تھا اور اس کو طلوع اسلام قرآن اور اجتہاد کی پابندی بتلاتا اور جعد بن درہم اور جہم جیسے گمراہوں کی ہم نوائی کا دم بھرتا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس کے بعد طلوع اسلام لکھتا ہے ”چنانچہ خالد بن عبداللہ قسری والی عراق نے جعد کو عید الاضحیٰ کے دن بطور قربانی کے ذبح کیا۔“

### خالد قسری کا جعد کو ذبح کرنا غلط ہے

امام زہری جیسے حافظ حدیث پر تنقید کرنے والوں کو ذرا یہ بھی دیکھ لینا چاہیے تھا کہ اس افسانہ کا راوی کون ہے؟ اس کو صرف قاسم بن محمد بن حمید معمری روایت کرتا ہے جس کو ابن معین نے کذاب، خبیث کہا ہے۔ ملاحظہ ہو میزان ذہبی۔ پھر ابن کثیر وغیرہ تمام مورخین نے جعد بن درہم کے قتل کو ۱۲۴ھ میں بیان کیا ہے اور خالد بن عبداللہ قسری اس سے چار سال پہلے ولایت عراق سے معزول ہو چکا تھا۔ ۱۲۰ھ میں خالد کی جگہ یوسف بن عمر ثقفی ہشام بن عبدالملک کے عہد خلافت میں والی عراق بنایا گیا تو جعد بن درہم کا قتل یوسف ثقفی کی ولایت میں ہو سکتا ہے۔ نہ کہ خالد قسری کی ولایت میں۔ پس یہ سارا افسانہ پادر ہوا ہو گیا کہ خالد قسری نے جعد کو عید الاضحیٰ کے دن بطور قربانی کے ذبح کیا تھا؟ یقیناً علماء تابعین ایک شعار اسلام کے ساتھ، ایسے مذاق کو ہرگز برداشت نہ کر سکتے تھے۔ وہ ضرور خالد کی اس حرکت پر گرفت کرتے کیونکہ کسی واجب القتل کو قتل کر دینا اور بات ہے اور



قربانی کے طور پر ذبح کرنا اور بات ہے اگر خالد نے ایسا کیا ہوتا تو تاریخ اسلام میں اس کی سیرت پر کلنگ کا ٹیکہ اور بہت بڑا دھبہ لگ جاتا۔ مگر طلوع اسلام کی ساری عقل و دانش صحیح حدیثوں کو قرآن و عقل کے خلاف قرار دینے ہی میں صرف ہوتی ہے۔ تاریخی واقعات میں اس کی عقل کو خدا معلوم کیا ہو جاتا ہے کہ وہاں ممکن اور ناممکن میں اصلاً تمیز نہیں کی جاتی۔

اس کے بعد لکھتا ہے ”اس طرح قتل و غارت کا وہ بازار گرم کیا کہ امام ابو حنیفہ جیسے صاف گو اور جری شخص کو بھی دو تین مرتبہ اس خیال سے توبہ کرنا پڑی۔“ (طلوع اسلام) ہم بتلا چکے ہیں کہ امام صاحب خلق قرآن کے قائل نہ تھے تو یہ بھی غلط ہے کہ

ان کو اس خیال سے دو تین بار توبہ کرنا پڑی۔ اور اس بات میں جتنی روایتیں تاریخ خطیب میں مذکور ہیں وہ سند کے لحاظ سے روایت بھی لچر ہیں اور عقل کی رو سے درایت بھی غلط ہے۔ چنانچہ توبہ کرانے والوں میں ایک تو خالد بن عبد اللہ قسری کا نام لیا جاتا ہے اور ہم

بتلا چکے ہیں کہ وہ ۱۲۰ھ میں ولایت عراق سے معزول ہو چکا تھا اس کے زمانہ ولایت میں مسئلہ خلق قرآن کا لفظ بھی کسی کی زبان پر نہ آیا تھا۔ کیونکہ سب سے پہلے جعد بن درہم نے ۱۲۰ھ کے چند سال بعد یہ لفظ زبان سے نکالا تھا پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ خالد بن عبد اللہ امام ابو حنیفہ سے توبہ کرائے؟ پھر جس روایت میں اس جھوٹ کا ذکر ہے اس کی سند میں عبد اللہ

بن جعفر بن درستویہ موجود ہے جس پر برقانی اور لاکائی نے سخت جرح کی ہے اور اس کو جو کوئی چند درہم دیدیتا اس کے موافق روایتیں بیان کر دیتا تھا۔ اس کے بعد سلیمان بن فلیح ہے جس کو ابو زرہ نے مجہول کہا ہے وہ فرماتے ہیں کہ کہ فلیح کے دو بیٹے تھے محمد اور یحییٰ

ان کے علاوہ اس کا کوئی بیٹا میرے علم میں نہیں ہے۔ دوسرا نام یوسف بن عثمان امیر کوفہ کا لیا جاتا ہے۔ تاریخ خطیب ص ۳۸۱ و ص ۳۹۰ میں اسی طرح ہے۔ مگر اس عہد کے والیان

کوفہ میں یوسف بن عثمان نام کا کوئی والی نہ تھا۔ ممکن ہے کہ یوسف بن عمر کو یوسف بن عثمان کر دیا گیا ہو۔ اس کی سند میں ابن زاطیا ہے جس کو خود خطیب نے غیر محمود کہا ہے کہ

یہ اچھا آدمی نہیں اس کے بعد ابو معمر قطعی ہے جس کے متعلق ابن معین نے کہا ہے خدا اس پر رحم نہ کرے اس نے رقبہ میں پانچ ہزار حدیثیں بیان کیں۔ جن میں سے تین ہزار میں



خطا کی۔ پھر یہ خود ان لوگوں میں ہے جنہوں نے قرآن و مخلوق کہا تھا جب دربار سے باہر آیا تو کہا ہم نے کفر کیا پھر نکل آئے۔ ایسے شخص کی روایت کو محدثین قبول نہیں کرتے۔ اس کے بعد تاج اعمور ہے جس کی روایتوں میں سخت اختلاط ہے۔ تیسرا نام شریک قاضی کا لیا جاتا ہے۔ یہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ ان کو عہدہ قضا امام ابو حنیفہ کی وفات کے پانچ سال بعد ملا ہے۔ یہ کس طرح امام صاحب کو توبہ کرا سکتے ہیں؟

### محمد بن جبویہ ہمدانی نحاس

پھر اس کی ایک سند میں محمد بن جبویہ ہمدانی نحاس ہے جو متہم بالکذب ہے ملاحظہ ہو تلخیص مستدرک للذہبی۔ دوسری سند میں ابن درستیہ ہے جس کے پاس نحو کے سوا کچھ نہیں۔ حافظ لا الکاکی اور برقانی کی جرح کا ذکر اوپر گزر چکا ہے کہ اس شخص کو کچھ درابہم دیدے جاتے تو ایسی روایتیں بیان کر دیتا جو اس نے سنی بھی نہیں تھیں۔ تیسری سند میں صواف نے عبد اللہ بن احمد سے اجازۃ روایت کی ہے جو ناقدین کے نزدیک منقطع کے حکم میں ہے اور عبد اللہ بن احمد کا تعصب اور انحراف اس کی کتاب السنۃ ہی سے واضح ہے۔ اس کے بعد ابو عمر ہے۔ اگر وہ عبد اللہ بن عمر و منقری ہے تو وہ قدری ہے اور قدریہ کی روایت امام ابو حنیفہ کے خلاف قابل قبول نہیں کیونکہ وہ ان کے دشمن ہیں۔ اور اگر بروی ہے تو اس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے وہ بھی مجروح ہے۔ غرض تاریخ خطیب میں جتنی روایتیں اس قسم کی ہیں جن میں امام ابو حنیفہ سے توبہ لرانے کا ذکر ہے ان میں ابن رزق، ابن زابطا، عثمان بن احمد جیسے راوی موجود ہیں جن پر طعن کیا گیا ہے کہ وہ بیہودہ روایتیں کرنے والے ہیں۔ بعض میں ابن سلم، ابارہ، نعیم بن حماد وغیرہ ہیں جو امام ابو حنیفہ کے میوب میں افسانے گھڑنے سے متہم ہیں۔ علامہ حافظ ابن عبد البر نے انتقاء میں عبد اللہ بن داؤد خربنی کے حوالہ سے اس بات غلط اور جھوٹ کہا ہے کہ امام صاحب سے توبہ کرائی گئی۔

### حافظ ابن ابی العوام کی روایت

ہاں اس باب میں حافظ ابن ابی العوام کی ایک روایت ہم نقل کر دینا چاہتے

ہیں جس سے اس افسانہ کی پوری حقیقت واضح ہو جائیگی۔ اس کی سند ضعیف نہیں۔ وہ حسن بن حماد سجارہ سے روایت کرتے ہیں وہ ابو قطن عمرو بن الہیثم بصری سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے کوفہ کا ارادہ کیا تو شعبہ سے پوچھا کوفہ میں آپ کن لوگوں سے خط و کتابت کیا کرتے ہیں؟ فرمایا ابو حنیفہ اور سفیان ثوری سے۔ میں نے کہا میرے متعلق ان دونوں کو خط لکھ دیجئے۔ انہوں نے خط لکھ دیا، تو میں کوفہ پہنچا اور لوگوں سے دریافت کیا کہ ان دونوں میں بڑا کون ہے؟ لوگوں نے کہا ابو حنیفہ بڑے ہیں۔ میں ان کے پاس گیا اور شعبہ کا خط ان کو دیا۔ انہوں نے دریافت کیا میرے بھائی ابو بسطام کیسے ہیں (یہ شعبہ کی کنیت ہے)؟ میں نے کہا خیریت سے ہیں۔ جب خط پڑھ چکے تو فرمایا جو کچھ میرے پاس ہے وہ آپ کے لئے حاضر ہے اور دوسروں سے کچھ کام ہو تو مجھ سے کہیے میں آپ کی مدد کروں گا۔ اس کے بعد میں سفیان ثوری کے پاس گیا اور ان کے نام خط ان کو دیا۔ انہوں نے بھی وہی کہا جو ابو حنیفہ نے مجھ سے کہا تھا۔ اس کے بعد میں نے ثوری سے پوچھا کہ ایک بات آپ سے روایت کی جاتی ہے کہ آپ فرماتے ہیں ابو حنیفہ سے دو مرتبہ کفر سے توبہ کرائی گئی ہے کیا آپ کی مراد وہ کفر ہے جو ایمان کی ضد ہے؟ فرمایا جب سے میں نے یہ بات زبان سے نکالی ہے۔ یہ سوال تم سے پہلے کسی نے مجھ سے نہیں کیا۔ اس کے بعد سر جھکا لیا اور فرمایا نہیں یہ بات نہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ واصل شاری (منکر حدیث خارجی) کوفہ آیا تھا۔ اس کے پاس ایک جماعت پہنچی اور کہنے لگی یہاں ایک شخص ہے جو اہل معاصی کو کافر نہیں کہتا۔ اشارہ امام ابو حنیفہ کی طرف تھا۔ اس نے امام صاحب کو بلا بھیجا اور کہا اے شیخ! مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ تم اہل معاصی کو کافر نہیں کہتے؟ ابو حنیفہ نے کہا ہاں میرا مذہب یہ ہے (کہ گناہ کرنے سے مسلمان کافر نہیں ہوتا جب تک شرک و کفر کا ارتکاب نہ کرے) کہنے لگا یہ تو (ہمارے نزدیک) کافر ہے (خوارج ہر گناہ سے مسلمان کو کافر کہہ دیتے ہیں) اگر تم نے اس سے توبہ کر لی تو ہم قبول کر لیں گے۔ ورنہ مار ڈالیں گے۔ ابو حنیفہ نے پوچھا میں کس بات سے توبہ کروں؟ کہا اسی کفر سے۔ فرمایا ہاں میں کفر سے توبہ کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر ابو حنیفہ (اس کے دربار سے) باہر آ گئے۔ پھر خلیفہ منصور کا لشکر

آگیا اور اس نے واصل (خارجی) کو کوفہ سے نکال باہر کیا۔ کچھ مدت کے بعد منصور اس کی طرف سے یکسو اور خالی الذہن ہو گیا تو واصل پھر کوفہ پر قابض ہو گیا۔ وہی جماعت اس کے پاس پھر گئی اور کہا جس شخص نے تیرے سامنے توبہ کی تھی وہ پھر اپنے پہلے مذہب پر لوٹ گیا ہے۔ اس نے پھر ابو حنیفہ کو بلا بھیجا اور کہا اے شیخ! مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم پھر وہی کہنے لگے جو پہلے کہتے تھے۔ فرمایا وہ کیا؟ کہا تم اہل معاصی کو کافر نہیں کہتے۔ فرمایا میرا تو یہی مذہب ہے۔ کہا ہمارے نزدیک یہ کفر ہے اگر اس سے توبہ کرو تو ہم قبول کریں گے ورنہ مار ڈالیں گے۔ ان شاریوں کا طریقہ یہ تھا کہ تین بار توبہ کرانے سے پہلے کسی کو قتل نہیں کرتے تھے۔ امام ابو حنیفہ نے فرمایا تو میں کس چیز سے توبہ کروں؟ کہا کفر سے۔ ابو حنیفہ نے کہا تو میں بے شک کفر سے توبہ کرتا ہوں۔ بس یہ تھا وہ کفر جس سے امام ابو حنیفہ سے توبہ کرانی گئی تھی۔ اھ۔

### ابن ابی العوام حافظ حدیث شاگرد نسائی ہیں

ابو القاسم بن ابی العوام حافظ حدیث نسائی کے شاگرد ہیں اور سجارہ اور ابو قطن بھی ثقات میں سے ہیں۔ اس روایت نے فیصلہ کر دیا کہ امام ابو حنیفہ سے توبہ کرانے والا نہ خالد قسری تھا نہ یوسف بن عمر ثقفی، نہ شریک بن عبد اللہ قاضی۔ بلکہ منکرین حدیث کا بھائی بند واصل شاری منکر حدیث خارجی تھا۔ اور اس توبہ کا تعلق مسئلہ خلق قرآن سے نہ تھا بلکہ صرف اس بات سے تھا کہ امام ابو حنیفہ گناہ گار مسلمان کو کافر نہ کہتے تھے۔ خدا ان لوگوں کو سمجھے جو اس امام عالی مقام کی شہرت کو کاذبین مار قین کے افتراء اور جھوٹ سے داغ لگانا چاہتے ہیں۔

### طلوع اسلام کی تاریخ دانی

طلوع اسلام کی تاریخ دانی ملاحظہ ہو کہ صرف جعد بن درہم اور جہم بن صفوان کے قتل سے اس کے نزدیک قتل و غارت کا بازار گرم ہو گیا۔ واقعہ یہ ہے کہ عبد بنی امیہ میں مسئلہ خلق قرآن کی وجہ سے ان دو شخصوں کے سوا کسی کو قتل نہیں کیا گیا۔ کیا اسی کو قتل

غارت کا بازار گرم ہونا کہا جاتا ہے! البتہ جس فتنہ کو عہد بنو امیہ میں دبا دیا گیا تھا، خلفاء عباسیہ نے اس کو پھر زندہ کر دیا۔ مامون الرشید عباسی اور اس کا وزیر احمد بن ابی داؤد خلق قرآن کے قائل ہو گئے اور علماء کو بھی اس عقیدہ کے قبول کرنے پر مجبور کرنے لگے۔ اسی لئے مؤرخین کا اس پر اتفاق ہے کہ بنو امیہ کے عہد خلافت میں اسلام اپنی اصلی سادگی پر قائم تھا۔ تمدن عرب بھی محفوظ تھا، عربی زبان بھی دنیا نے اسلام میں بڑی سرعت کے ساتھ پھیلتی جا رہی تھی۔ خلافت عباسیہ کے زمانہ میں اسلام کے اندر فلسفہ یونان گھس گیا اور اس کی سادہ تعلیم نے فلسفہ کا رنگ اختیار کر لیا، عربیت کی جگہ عجمیت غالب ہو گئی اور زبان عربی کی وہ سرعت اشاعت بھی باقی نہ رہی جو عہد بنو امیہ میں تھی۔

ہم نے اس مقالہ کے شروع میں فتنہ خلق قرآن کا ذکر کر کے بتا دیا ہے کہ اسی فتنہ سے ائمہ اربعہ کے بعض مقلدین میں افتراق تو پیدا ہو گیا کیونکہ اس فتنہ میں علماء و محدثین کا بعض امتحان لینے والے قاضی اپنے آپ کو حنفی ظاہر کرتے تھے۔ جب متوکل کے زمانہ میں یہ فتنہ فرو ہوا تو محدثین نے غلطی سے حنفیہ سے اپنی کتابوں میں انتقام لینا شروع کیا۔ طلوع اسلام کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ محدثین نے ”احتساب کو اپنے ہاتھ میں لے کر متکلمین اور اصحاب الرائے کا تعاقب شروع کیا اور جوش انتقام میں وہ مظالم روار کئے گئے کہ چاند اور سورج کی آنکھ بھی شرمایا جائے۔ چن چن کر متکلمین اور اصحاب الرائے کے سر پر آورده حضرات کو قتل کیا گیا۔“

ہم تو سمجھتے تھے کہ تاریخ کو بدل ڈالنا انگریز ہی کا کمال تھا مگر معلوم ہوا کہ انگریز اپنے کچھ شاگرد بھی یہاں چھوڑ گیا ہے۔ جو دنیا کی آنکھوں میں خاک ڈال کر تاریخ کو نسخہ کیا کریں گے۔ اس سے ہمیں انکار نہیں کہ بے شک فتنہ خلق قرآن کا رد عمل بعض ظاہرین محدثین کی طرف سے ہوا۔ مگر یہ رد عمل تقریر و تحریر سے آگے نہ گز نہیں بڑھا ہم بتا چکے ہیں کہ اس فتنہ کے فرو ہونے کے بعد بھی عہدہ قضا بدستور حنفیہ کے ہاتھ میں رہا۔ شافعیہ عراق و خراسان کو حنفیہ کے ہاتھوں سے عہدہ قضا چھیننے کا داعیہ ۳۹۴ھ میں پیدا ہوا۔ پھر بھی وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے ہمیں بتایا جائے کہ فتنہ خلق قرآن فرو ہو جانے کے بعد محدثین

کے ہاتھ میں محکمہ احتساب کب اور کس خلیفہ کے وقت میں آیا؟ اور انہوں نے متکلمین اور اصحابِ الرائے کے کن کن سربر آوردہ حضرات کو قتل کیا؟ جب عہدہ قضا برابر حنفیہ کے ہاتھ میں تھا تو کسی محتسب کی مجال تھی کہ وہ بغیر قاضی کے حکم کے کسی کو بھی قتل کر سکے؟ طلوعِ اسلام نے یہ سارا افسانہ محض اس لئے گھڑا ہے کہ تاکہ اس پر ایک نئی عمارت قائم کی جاسکے جس کا جلی مہمان یہ ہے ”اصحابِ الرائے شافعی بن گئے۔“ اس عقلمند سے کوئی پوچھے کیا امام ابو یوسف القاضی اور امام محمد بن الحسن الشیبانی بھی محدثین کے اس ردِ عمل سے مرعوب ہو گئے تھے؟ کیا یہ دونوں بھی امام ابو حنیفہ کے مسلک کو املانیہ پیش کرنے کی جرات نہ رکھتے تھے؟ کیا یہ بھی شکست خوردگی کی بنا پر اپنی حنفیت کی بقا کے لئے شافعییت کے اصول میں پناہ لیتے تھے؟

اگر جواب اثبات میں ہے تو تاریخِ اسلام کا ادنیٰ طالب علم بھی اس کو ہرگز قبول نہیں کر سکتا۔ کیونکہ ان دونوں حضرات کے زمانہ میں عہدہ قضا حنفیہ ہی کے پاس تھا اور نہ کا زمانہ متوکل کے زمانہ سے بہت پہلے تھا اور اگر جواب نفی میں ہے تو بتلایا جائے کہ محمد کی کتاب الحج اور کتاب الآثار اور کتاب المؤطا اور امام ابو یوسف کی کتاب الآثار کتاب الخمران وغیرہ سے امام ابو حنیفہ کا مسلک کیا معلوم ہو رہا ہے؟ کیا ان کتابوں میں مخالفین پر حدیثوں سے حجت قائم نہیں کی گئی؟ کیا ان حضرات نے احادیث سے اپنے مسلک پر احتجاج نہیں کیا؟ حیرت ہے کہ امام ابو حنیفہ کا مسلک راویانِ مذہب کے طرزِ عمل سے تو معلوم نہیں کیا جاتا۔ ایک مصری عالم کی تاریخِ فقہ اسلامی سے معلوم کیا جا رہا ہے جو ابھی مذہبِ حنفی سے اس قدر واقف نہیں جتنا اکابر علماء ہند واقف ہیں۔

## طلوعِ اسلام کی غلط بیانی

اس کے بعد طلوعِ اسلام کہتا ہے کہ:  
 ”خلق قرآن کا مسئلہ تو ختم ہو گیا مگر اس کے زیرِ سایہ حدیث کے اقرار و انکار نے اپنی مستقل حیثیت پیدا کر لی۔“ (طلوعِ اسلام)

یہ دعویٰ بھی سراسر غلط ہے۔ امام ابو حنیفہ اور اس کے اصحاب ابتدا سے حدیث رسول کو شرعی حجت مانتے آرہے تھے۔ فتنہ خلق قرآن سے اس میں کچھ اضافہ نہیں ہوا۔ البتہ اس فتنہ سے پہلے حنفیہ اور بعض محدثین میں باہم کش مکش نہ تھی، اس فتنہ سے کشمکش پیدا ہو گئی۔ کیونکہ مسئلہ خلق قرآن میں محدثین کا امتحان لینے والے وہی قاضی تھے جو اپنے کو فروع میں حنفی کہتے تھے۔ اب محدثین میں سے اہل تعصب اور غالی فرقہ نے حنفیہ سے اس طرح انتقام لینا شروع کیا کہ جن آئمہ سے صحیح اسانید کے ساتھ امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کی مدح و ثنا منقول چلی آرہی تھی۔ ان کی ہی زبان سے امام صاحب کی مذمت نقل کرنی شروع کر دی اور خطیب بغدادی کی وفات کے بعد اس کی تاریخ میں ان خرافات کو ملحق کر دیا گیا جیسا ہم شروع میں بتلا چکے ہیں۔

طلوع اسلام نے ان ہی خرافات کو اس جگہ نقل کر کے مخلوق خدا کو یہ دھوکہ دینا چاہا ہے کہ امام ابو حنیفہ تو پہلے ہی سے صرف قرآن و اجتہاد کے پابند تھے حدیث کو حجت نہ مانتے تھے۔ مگر فتنہ خلق قرآن کے وقت تک کسی کو انہیں انکار حدیث کے ساتھ مطعون کرنے کی جرأت نہ تھی جب یہ فتنہ فرو ہوا اور متوکل نے محدثین کا اکرام کیا تو اب ان کو یہ جرأت ہو گئی۔ (طلوع اسلام)

اس مغالطہ سے وہ صرف جاہلوں کو بہکا سکتا ہے تاریخ اسلام سے واقفیت رکھنے والوں کو نہیں بہکا سکتا وہ خوب جانتے ہیں کہ اس فتنہ کے دب جانے کے بعد بھی حنفیہ کا اقتدار کم نہیں ہوا تھا وہ برابر عہدہ قضا پر تعینات رہے اور جب کسی نے امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کی شان میں بے سہو پابائیں تصنیف کیں تو انہوں نے برابر ان کا دندان شکن جواب دیا پھر اس فتنہ کے فرو ہونے پر سارے محدثین تو حنیفہ کے خلاف نہیں ہو گئے تھے۔ چند اہل طمع اور غالی اہل حدیث نے امام صاحب اور ان کے اصحاب کے خلاف زبان کھولی تھی۔ ان سے وہ اس قدر مرعوب کیسے ہو جاتے کہ اصول حنفیت کو چھوڑ کر شافعیہ کے اصول میں پناہ لینے پر مجبور ہو جاتے؟ اسی زمانہ میں ابو داؤد صاحب سنن موجود تھے جو امام احمد بن حنبل کے شاگرد ہیں اور امام ابو حنیفہ کی تعریف میں رطب اللسان



ہیں۔ ابو داؤد کے شاگردوں میں احمد بن علی بھصاص رازی اسی زمانہ میں موجود تھے جو اپنی کتاب احکام القرآن میں مخالفین حنفیہ کے اقوال کا دائل قرآن و حدیث سے جواب دیتے اور اصول حنفیہ کی قوت ثابت کرتے ہیں۔ امام نسائی کے شاگرد علامہ طحاوی اسی زمانہ میں اپنی کتاب معانی الآثار و مشکل الآثار میں بڑی شد و مد سے مسائل حنفیہ کو احادیث سے مضبوط کرتے اور اختلاف الفقہاء میں مذہب حنفی کی ترجیح ثابت کرتے ہیں اور حافظ ابو القاسم بن ابی العوام شاگرد نسائی امام صاحب کے مناقب میں کتاب تصنیف کرتے ہیں۔ یہ سب اسی زمانہ میں تھے جب کہ محدثین نے فتنہ خلق قرآن کا رد عمل شروع کر دیا تھا۔ اسی زمانہ میں حافظ حدیث ابو بشر دوالابی اور عبد الباقی بن قانع اور مستغفری جیسے حفاظ محدثین حنفیہ میں موجود تھے اسی زمانہ میں امام ابو حفص کبیر، ابو حفص صغیر اور ابو منصور ماتریدی بھی تھے جن کے تفقہ اور تبحر علمی کا دنیا و ہامانتی تھی، شافعیہ بھی ان کی عظمت و جلالت کے معترف تھے۔ پس کون جاہل اس بات پر کان دھر سکتا ہے کہ اس زمانہ میں حنفیہ محدثین سے ایسے مرعوب ہو گئے تھے کہ حنفیت کو چھوڑ کر اصول شافعی کے ماننے پر مجبور ہو گئے۔

اس کے بعد طلوع اسلام نے ”امام ابو حنیفہ پر محدثین کا طعن و تشنیع“ کا عنوان قائم کر کے بحوالہ تاریخ الخطیب امام مالک اور عبد الرحمن بن مہدی اور اوزاعی اور سفیان ثوری وغیرہم سے امام ابو حنیفہ کی شان میں بیہودہ کلمات نقل کر دیے ہیں مگر ان میں سے کوئی سند بھی مجروحین یا کذابین سے خالی نہیں۔

### امام ابو حنیفہ کی شان میں امام مالک سے جرح ثابت نہیں

امام مالک کا قول عبد اللہ بن درستویہ روایت کر رہا ہے جس پر ہم جرح کر چکے ہیں کہ جس نے اسے کچھ دراہم دے دیئے وہ اس کے موافق روایتیں بغیر سماع کے بیان

۱۔ علامہ طحاوی پہلے شافعی تھے پھر مذہب حنفی کی طرف منتقل ہو گئے کیا اسی کا نام مرعوبیت ہے؟ طلوع اسلام کی دیدہ دلیری ملاحظہ ہو کہ وہ اس زمانہ میں حنفیہ کو شافعیہ کے دامن میں پناہ لینے والا تھا۔ بات لیکن تاریخ بتاتی ہے کہ اس وقت بھی شافعیہ مذہب حنفی کی طرف آرہے تھے۔ واعتبروا یا اولی الابصار۔



کر دیتا اس کے بعد اسحق بن ابراہیم حسینی، ہے جس کو ابن جوزی نے شافعیہ میں شمار کیا اور ذہبی نے صاحب اوہد کہا (کہ بے تکلی باتیں بانگتا ہے) بخاری نے فی نظر کہا اور یہ لفظ بخاری کے نزدیک سخت جرح ہے۔ ابو احمد حاکم نے کہا یہ اندھا ہو گیا تھا اس کی حدیث میں اضطراب ہے۔ پھر علامہ حافظ ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم میں اس روایت کو ابن جریر کی کتاب تہذیب الآثار کے حوالہ سے حسن بن صباح بزار ہی کے واسطے سے حسینی سے جن الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ان میں امام ابو حنیفہ کا کچھ ذکر نہیں۔ اس کے الفاظ یہ ہیں ان مالک قال قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقد تم ہد الامر واستكمل فانما یسعی ان تتبع آثار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا تتبع الراۃ الح امام مالک نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اس حالت میں ہوئی کہ یہ دین کامل ہو چکا تھا تو اب تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار کا اتباع کرنا چاہیے اپنی رائے یا کسی کی رائے کا اتباع نہ کرنا چاہیے۔ معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کا نام اس میں ابن درستیہ درابھی نے بڑھا دیا ہے۔

### امام مالک بڑے درجہ کے اہل الرائے ہیں

اور ظاہر ہے کہ امام مالک جس رائے سے منع کر رہے ہیں اس سے مراد وہ رائے ہے جو قرآن و حدیث سے مستنبط نہ ہو محض عقل کا اتباع ہو۔ ورنہ کون نہیں جانتا کہ امام مالک قیاس اور رائے شریعی میں بڑا مقام رکھتے ہیں۔ ابن قتیبہ نے اپنی کتاب المعارف میں امام مالک کو اور ان کے اصحاب کو اہل الرائے میں شمار کیا ہے۔ مالکیہ میں جو حضرات اہل فقہ ہیں ان کو اہل الرائے کہا جاتا ہے۔ امام مالک کی موطا جو یحییٰ لیشی کی روایت سے مشہور ہے اس سے امام مالک کا صاحب رائے ہونا بخوبی ظاہر ہے۔ انہوں نے ستر کے قریب ایسی حدیثوں کو جو موطا میں اصح الاسانید کے ساتھ روایت کی گئی ہیں زک کر دیا ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک عمل اہل مدینہ خبر واحد سے مقدم ہے۔ ابن القاسم کے سوالات اسد بن الضرات کے جوابات جو امام مالک کے مذہب پر دیے ہیں جس

مدونہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ بجا ننگ دہل بتلا رہے ہیں کہ امام مالک اہل الرائے میں سے ہیں اور اسی مدونہ پر مذہب مالک کی بنیاد قائم ہے۔ اسی طرح ابو العباس محمد بن اسحاق سرانج ثقفی نے امام مالک کے مسائل ستر ہزار کے قریب جمع کئے ہیں (طبقات الحافظ للذہبی ص ۲۶۹ ج ۲) ان سے بھی صاف واضح ہے کہ امام مالک اہل الرائے میں سے ہیں۔ اگر امام مالک کے استاذ ربیعۃ الرائے نہ ہوتے تو امام مالک کا شمار فقہاء میں نہ ہوتا۔ مذہب مالکی کے فقہاء اندلسین بڑے درجہ کے صاحب الرائے تھے۔ مگر یہ وہی رائے ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو چلایا تھا کہ غیر منصوص جزئیات کو منصوص پر قیاس کر کے نظیر و نظیر کی طرف راجع کیا جائے۔ چنانچہ فقہاء صحابہ اس اجتہاد اور رائے سے کام لیتے تھے۔ یعنی جزئیات غیر منصوصہ کو منصوص پر قیاس کرتے تھے۔ یہی طریقہ فقہاء تابعین کا تھا۔ خود خطیب بغدادی نے اپنی کتاب ”الفقیہ والمتفقہ“ میں اس رائے کو بہت سی سندوں سے ثابت کیا ہے تو کیا خطیب کو وہ روایتیں یاد نہیں تھیں؟ یہ صحیح ہے کہ دین کامل ہو چکا مگر شریعت میں غیر منصوص جزئیات کے لئے جو ایامت تک پیش آتے رہیں گے، کسی ایسی مقتدر ہستی کے لئے کہ جس میں شرائط اجتہاد ... ہوں قیاس و اجتہاد کی اجازت ہونا بھی دین کے کمال ہی کا ایک حصہ ہے۔ رائے علانیہ تو مذموم نہیں، رائے مذموم وہ ہے جو ہوائے نفس کے تابع ہو جس کی کوئی اصل کتاب و سنت میں موجود نہ ہو۔ تو ایسی رائے سے حضرات فقہاء امت اور امام ابو حنیفہ کو کیا اسطرح ہم نے قاضی عیاض کی مدارک کے حوالہ سے امام ابو حنیفہ کے متعلق امام مالک کا یہ قول پہلے بیان کیا ہے کہ جب اللہ سے لیٹ بن سعد مصری نے کہا میں دیکھتا ہوں آپ

فاضل عمر فروغ شامی نے اپنی کتاب مبقریۃ العرب میں ربیعۃ الرائے کو امام ابو حنیفہ کا استاذ لکھ دیا اور یہ کہ امام ابو حنیفہ نے ان سے علم فقہ حاصل کیا ہے یہ غلط ہے۔ وہ امام مالک کے استاذ ہیں ان ہی سے امام مالک نے علم رائے حاصل کیا ہے امام ابو حنیفہ کے استاذ امام شعبی، امام ابن سلیمان ہیں ان سے ہی امام صاحب نے علم فقہ حاصل کیا ہے ربیعۃ الرائے سے حاصل نہیں کیا بلکہ ابن الندیم نے فہرست میں ربیعۃ الرائے کو امام ابو حنیفہ کا شاگرد بتایا ہے۔

عراقی بنتے جا رہے ہیں۔ فرمایا ہاں میں ابو حنیفہ کی وجہ سے عراقی بن رہا ہوں کیونکہ واقعی وہ فقیہ ہیں۔ نیز طحاوی کے حوالہ سے عبدالعزیز درماوردی کا یہ قول بھی گزر چکا ہے کہ امام مالک کے پاس امام ابو حنیفہ کے ساٹھ ہزار مسائل تھے۔ اس کو مسعود بن شیبہ نے بھی کتاب ”التعلیم“ میں نقل کیا ہے۔ حافظ ابو العباس بن ابی العوام نے فضائل ابو حنیفہ میں ذکر کیا ہے کہ امام مالک امام ابو حنیفہ کی کتابوں سے استفادہ کرتے تھے (یہ کتاب کتب خانہ ظاہریہ دمشق میں محفوظ ہے) اور جب کبھی امام ابو حنیفہ مدینہ منورہ تشریف لاتے امام مالک کے ساتھ رات بھر مسجد نبوی میں ان کا علمی مذاکرہ رہتا تھا۔ (ذکرہ الخوارزمی)

تو کیا کسی کی عقل میں آسکتا ہے کہ امام مالک کی زبان سے امام ابو حنیفہ کی شان میں وہ بیہودہ الفاظ نکل سکتے ہیں جو تاریخ خطیب سے طلوع اسلام نے نقل کئے ہیں؟ ایک سند کا حال تو اوپر گزر چکا۔ دوسری سند میں علاوہ ابن رزق، ابن سلم اور ابار جیسے مجروحین کے حبیب بن رزق کاتب مالک موجود ہے جس کے متعلق ابو داؤد کہتے ہیں ”من اکذب الناس۔ سب سے زیادہ جھوٹ بولنے والا تھا“۔ ابن عدی نے کہا اس کی سب حدیثیں موضوع ہیں۔ ابن حبان نے کہا یہ ثقات کے نام سے موضوع روایتیں بیان کرتا ہے۔ (ملاحظہ ہو میزان الاعتدال)

اس کے بعد طلوع اسلام میں امام اوزاعی اور سفیان ثوری سے امام ابو حنیفہ کی مذمت میں بیہودہ اقوال نقل کئے گئے ہیں۔

### امام اوزاعی

مگر پہلی سند میں علی بن احمد رزازی ہے جس پر بار بار جرح کی جا چکی ہے کہ اس کا بیٹا اس کی کتابوں میں اضافات کیا کرتا تھا (خطیب) اس کی روایات پر کیسے بھروسہ کیا جاسکتا ہے؟ پھر علی بن محمد بن سعید موصلی ہے جس کو ابو نعیم نے کذاب کہا ہے ابن الضمات نے مخطوط غیر محمود کہا ہے کہ روایت میں گڑبڑ کرتا ہے۔ اچھا آدمی نہیں، منتہائے سند ابوالحق فزاری ہے جو امام ابو حنیفہ کی عداوت میں مشہور ہے صرف اسلئے کہ اس کا بھائی

امام صاحب کے فتویٰ سے آئمہ جور کے خلاف جہاد میں شریک ہو گیا اور مارا گیا تھا۔ دوسری سند میں ابن رزق، ابن سلم، ابارہ، وغیرہ مجروحین ہیں جن پر ہم بار بار کلام کر چکے ہیں۔ تیسری سند میں محمد بن جعفر انباری ہے، جس پر خود خطیب نے جرح کی ہے اور جعفر بن محمد بن شاہر نوے سال کی عمر کو پہنچ کر مختل ہو گیا تھا اور سلیمان بن حسان ضلبی کے بارے میں ابو حاتم نے ابن ابی غالب کا قول نقل کیا ہے کہ میں اسے نہیں پہچانتا اور نہ اہل بغداد کو اس سے روایت کرتے دیکھا۔ امام اوزاعی کی شان اس سے کہیں بلند ہے کہ وہ امام ابو حنیفہ کی شان میں ایسی بیہودہ بات کہیں، پھر ان راویوں نے اسلام کے ان دستوں میں سے کسی ایک دستہ کا تو نام بیان کیا ہوتا جن کو ابو حنیفہ نے توڑا ہے۔ تاریخ خطیب ہی میں صفحہ ۳۳۸ پر بسند صحیح امام اوزاعی سے امام ابو حنیفہ کی مدح و ثناء مذکور ہے امام صاحب سے حج کے موقع پر امام اوزاعی کا ملاقات کرنا اور نماز کے اندر رکوع کے وقت رفع یدین کے مسئلہ پر مناظرہ کرنا مشہور ہے جس میں ابو حنیفہ نے ان کو جواب کر دیا تھا۔ ان کے منہ سے اس قسم کی باتیں ہرگز نہیں نکل سکتی تھیں جو مجروحین کے واسطے سے نقل کی جاتی ہیں؟

### سفیان ثوری

اسی طرح امام سفیان ثوری کی طرف جو بیہودہ کلمات منسوب کئے گئے ہیں اس کی سند میں نعیم بن حماد کے سوا اور کوئی بھی نہ ہوتا تو اس روایت کے رد کرنے کو تنہا وہی کافی ہے ثقات متکلمین نے اس کو مجسمہ میں شمار کیا ہے پھر اس میں بھی شک نہیں کہ وہ امام ابو حنیفہ کے مثالب میں وضاع ہے گھڑ کر روایتیں بیان کرتا ہے۔ چنانچہ ابوالفتح ازدی، ابوبشر دولابی وغیرہ نے اس کی تصریح کی ہے، دوسری سند میں ثعلبہ بن تمیل قاضی ضعیف ہے۔ اور سلیمان بن عبد اللہ ابوالید رقی کے بارہ میں یحییٰ بن معین نے کہا ہے۔ لیس بشی ”کچھ نہیں کسی رجبہ معتبر نہیں“، نیا جانتی ہے کہ سفیان ثوری مسائل خلافیہ میں سب سے زیادہ ابو حنیفہ کی رائے کا اتباع کرتے ہیں، ترمذی پر ہنسے پڑھانے والے اس کو خوب جانتے ہیں۔ تاریخ خطیب کے صفحہ ۳۳۱ پر خود امام سفیان ثوری سے امام ابو حنیفہ کی شان

میں غایت درجہ تعظیم و تکریم کے کلمات منقول ہیں۔ حافظ ابن عبد البر نے کتاب الانقاذ کے صفحہ ۱۷۷ میں بہت سی روایتیں نقل کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ سفیان ثوری کی نظر میں امام ابو حنیفہ کا درجہ اس قدر بلند تھا خدا ان لوگوں کی زبانیں کاٹ دے جو سفیان ثوری پر افترا کرتے اور ان کی طرف ایسی بیہودہ باتیں گھر گھر کر منسوب کرتے ہیں۔

### طلوع اسلام کی بیان کردہ ایک اور غلط روایت

اس کے بعد طلوع اسلام نے عمر بن قیس کا قول نقل کیا ہے کہ جو شخص حق کو معلوم کرنا چاہے اسے کوفہ جا کر ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کے قول کو دیکھنا چاہیے اس کے بعد ان اقوال کے خلاف کرنا چاہیے۔ عمار بن رزق کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ کی مخالفت کرو تم حق کو پا لو گے، ابن عمار کہتے ہیں کہ جب تمہیں کسی بات میں شک ہو تو دیکھ لو ابو حنیفہ نے کیا کہا ہے بس اس کی مخالفت کرو کہ حق وہی ہوگا۔ الخ

یہ باتیں کسی عالم کی زبان سے ہرگز نہیں نکل سکتیں کوئی جاہل ہی ایسی بات کہہ سکتا ہے کیونکہ اعتقادیات و اصول میں امام ابو حنیفہ کا قول عین حق ہے جس سے اہل حق کو انحراف کی اصلاح گنجائش نہیں جس کو شک ہو وہ عقیدہ الطحاوی کا مطالعہ کرے جس میں امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کے عقائد بیان کئے گئے ہیں کیا اس میں کچھ بھی خلل پایا جاتا ہے؟ سلطان ابن سعود نے باوجودیکہ وہ حنبلی المذہب مشہور تھے عقیدہ الطحاوی کو اپنے مدارس کے نصاب میں داخل کیا ہے۔ اور فرمایا کہ ہم نے اس کتاب کو اس باب میں بہترین پایا ہے مسائل فروع تو دنیا جانتی ہے کہ امام سفیان ثوری اور فقہاء کوفہ اکثر مسائل میں امام صاحب کے موافق ہیں اسی طرح امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل قریباً تین چوتھائی مسائل میں ان کا نزاع نہیں ہے تو جو شخص مسائل عقائد میں یا ان تین چوتھائی مسائل میں امام صاحب کے خلاف کرے گا جن میں تمام فقہاء ان کے ساتھ ہیں وہ یقیناً حق صریح کی مخالفت کرے گا اور جو ان تھوڑے مسلوں میں امام صاحب کی مخالفت کرے جن میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے اور امام صاحب کو خطا کار کہے وہ یقیناً مسائل اجتہاد پر علم سے

اپنی جہالت کا ثبوت دے رہا ہے۔ اہل حق کا اتفاق ہے کہ مجتہد ہر حالت میں ثواب کا مستحق ہے۔ اس کو گنہگار یا خطا کار کہنا گمراہوں کا شیوہ ہے اہل حق کا طریقہ نہیں۔

## سند کا حال

اب اس کی سند کا حال بھی ملاحظہ ہو اول تو اس میں وہی اصحاب ثلاثہ ابن رزق، ابن مسلم، ابار دھرے ہوئے ہیں جن پر بار بار جرح کی جا چکی ہے ان کے بعد مؤمل بن اسماعیل ہے جو بخاری کے نزدیک متروک الحدیث ہیں۔ اس کے بعد عمر بن قیس ہے اگر یہ ناصری کوئی ہے تو مؤمل بن اسماعیل کی نے اس کو نہیں پایا، اور اگر عمر بن قیس کی ہے تو وہ منکر الحدیث اور ساقط ہے، جب اکثر ناقدین حدیث نے کہا ہے۔ یہ وہی شخص ہے جس نے امام مالک سے کہا تھا اے مالک تم بلاکت میں ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں بیٹھ کر بیت اللہ کے حاجیوں سے کہتے ہو کہ صرف حج کا احرام باندھو اتنا حج کا احرام باندھو (تمتع یا قرآن نہ کرو) خدا تم کو سب سے الگ کر دے، امام مالک کے شاگردوں نے اس کو دھمکانا چاہا تو امام نے فرمایا اس سے بات نہ کرو یہ تو شراب پیتا ہے۔ (تہذیب التہذیب)

عمار بن رزق کا قول نقل کرتے ہوئے اہل علم کو شرمناک چاہیے مگر ادارہ طلوع اسلام میں علم کہاں؟ سلیمانی نے اس شخص کے متعلق کہا ہے کہ وہ رافضی تھا، دوسری سند میں ابن رستویہ ہے جس پر ہم جرح کر چکے ہیں وہ یعقوب سے ابن نمیر سے روایت کرتا ہے کہ ہم سے بعض دوستوں نے بیان کیا جو مجہول ہے اور وہ عمار بن رزق سے روایت کرتا ہے جس کا رافضی ہونا معلوم ہو چکا ہے۔ اس کے بعد والی سند میں ابن عمار موصلی تاجر ہے جس کے متعلق ابن عدی نے کہا ہے کہ میں نے ابویعلیٰ موصلی کو بہت برے الفاظ سے اس کو یاد کرتے دیکھا ہے۔ وہ یہ بھی کہتے تھے کہ اس نے میرے ماموں کے خلاف جھوٹی گواہی دی تھی۔ اور ظاہر ہے کہ ابویعلیٰ موصلی اس کو دوسروں سے زیادہ جانتا ہے اس کا قول دوسروں کے اقوال سے زیادہ وزنی ہے کیونکہ وہ اپنے شہر کے آدمیوں کو خوب پہچانتا ہے۔ یہ تو سند کا حال تھا اور متن کے بارہ میں ہم پہلے کہہ چکے



ہیں کہ ایسی باتیں کسی عالم یا دیندار کی زبان سے نہیں نکل سکتیں کوئی جاہل یا بے دین ہی ایسی باتیں کہہ سکتا ہے۔

### طلوع اسلام کی اور ناواقفیت

طلوع اسلام نے اس کے بعد ابو عبیدہ کا قول نقل کیا ہے کہ میں اسود بن سالم کے ساتھ رصافہ کی جامع مسجد میں بیٹھا ہوا تھا وہاں کسی مسئلہ کا ذکر آگیا میرے منہ سے نکل گیا کہ اس بارہ میں ابو حنیفہ ایسا ایسا کہتے ہیں تو اسود نے مجھے ڈانٹ کر کہا (ڈانٹنا کس لفظ کا ترجمہ ہے؟) تو مسجد میں ابو حنیفہ کا تذکرہ کرتا ہے۔ الخ

طلوع اسلام کو اتنی بھی خبر نہیں کہ امام ابو عبیدہ سے اسود بن سالم کو کیا نسبت؟ ابو عبیدہ علم فقہ و حدیث و لغت میں امام مسلم ہے اور اسود بن سالم کو علم میں کچھ بھی دخل نہیں نہ فقہ سے کچھ مناسبت وہ تو محض زاہد خشک عبادت گزار ہے، اس کو مسائل فقہ سے کیا واسطہ؟ اس کا حال تو خطیب کی اسی روایت ہی سے معلوم ہو سکتا ہے جو صفحہ ۳۶ ج ۷ میں مذکور ہے کہ ایک دن اسود بن سالم کو صبح سے دوپہر تک منہ دھوتے ہوئے دیکھا گیا۔ اسی نے کہا کیا بات ہے؟ کہا آج میں نے ایک بدعتی کا منہ دیکھ لیا تھا، اس وقت سے اب تک منہ دھو رہا ہوں، مگر میرا خیال یہ ہے کہ پاک نہیں ہوا۔ اور ابو عبیدہ (قاسم بن سلام) کا جو درجہ علم میں ہے اس سے دنیا واقف ہے ابو عبیدہ کا امام ابو حنیفہ کے قول کو بطور حجت کے پیش کرنا، امام ابو حنیفہ کی جس عظمت شان کو ظاہر کر رہا ہے اہل علم اس کو سمجھ سکتے ہیں، اسود بن سالم کا اس پر انکار کرنا متنبی کے اس شعر کا مصداق ہے۔

وَإِذَا اتَّكَ مَذْمُومِي مِّنْ نَّاقِصٍ فَهِيَ الشَّهَادَةُ لِي بِأَنِّي كَامِلٌ

ترجمہ :- ”اگر میری مذمت کسی ناقص کی طرف سے تیرے پاس

پہنچے تو یہی میرے کامل ہونے کی دلیل ہے۔“

### طلوع اسلام کی جانب سے نیا افسانہ

اس کے بعد طلوع اسلام نے سفیان سے ہشام بن عروہ سے ان کے باپ



سے یہ حدیث نقل کی (اس کو حدیث کہنا غلط ہے بلکہ عروہ کا قول کہنا چاہیے) کہ بنی اسرائیل کا معاملہ اعتدال پر قائم تھا حتیٰ کہ ان میں لونڈی بچوں کا غلبہ ہو گیا جنہوں نے دین میں رائے کو نخل دیا۔ خود بھی گمراہ ہوئے، اور لوگوں کو بھی گمراہ کیا۔ اس کے بعد سفیان نے کہا کہ اسلام میں بھی لوگوں کا معاملہ اعتدال پر قائم تھا حتیٰ کہ اسے ابو حنیفہ نے کوفہ میں عثمان بنی نے بصرہ میں اور ربیعہ بن ابی عبد الرحمن نے مدینہ میں بدل ڈالا۔ ہم نے غور کیا تو ان سب کو ہم نے لونڈی بچے ہی پایا۔ الخ

مگر اس افسانہ کے گھڑنے والے نے خود سفیان بن عیینہ کا نام چھوڑ دیا کیونکہ وہ بھی تو لونڈی بچے ہیں۔ بنو ہلال کے موالیٰ میں سے ہیں۔

تعب ہے کہ خطیب بغدادی کے نزدیک صحابہ کے اقوال بھی حجت نہیں۔ تابعین اور تبع تابعین کے اقوال تو کس شمار میں؟ وہ ہشام کا یا ان کے باپ عروہ کا قول حجت کے طور پر کیسے نقل کر سکتا ہے؟ پھر اس روایت کا غلط ہونا اسی سے ظاہر ہے کہ سفیان بن عیینہ خود بھی باندی بچے ہیں۔ عربی النسل نہیں۔ یہ روایت اگر صحیح سند سے عروہ تک پہنچ بھی جاتی تو اس کا درجہ اسرائیلی روایات سے زیادہ نہیں ہو سکتا تھا جن کی کوئی سند نہیں ہوتی۔

## جاہلیت کی باتیں

یہ محض جاہلیت کی باتیں ہیں جن کو حق تعالیٰ کا یہ ارشاد غلط قرار دیتا ہے ان اکرمکم ط عند اللہ اتقکم اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ حجتہ الوداع بھی ان کی مدد کرتا ہے جو حقیقت میں امت کے لئے وصیت ہے اس خطبہ کو حاکم نے کتاب المعرفۃ صفحہ ۱۹۵ میں ابوبکر بن عبد الرحمن بن ابی نعیم سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کے تکبر کو اور باپ دادا کے فخر کو مٹا دیا ہے سب آدمی آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور وہ سب سے بے ہیں بس کوئی مومن متقی ہے کوئی فاجر بد بخت ہے۔ لوگوں کو ان آدمیوں پر فخر کرنے سے باز آنا چاہیے جو جہنم کے کونکے ہیں یا وہ اللہ تعالیٰ کے

نزدیک گوہ کے کپڑوں سے بھی زیادہ ذلیل ہوں۔

تو جو شخص ایسی جاہلیت کی باتوں پر توجہ کرتا ہے وہ اپنے ہی کو ذلیل کرتا ہے۔  
ابولہب کو اس کے خاندانی نسب نے کچھ نفع نہ دیا اور سلمان فارسی کو ان کے ٹہنی ہونے سے کچھ ضرر نہیں ہوا۔ پھر امام صاحب کو لونڈی بچہ کہنے والا یقیناً جھوٹ بولتا ہے۔ اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفہ فرماتے ہیں کہ واللہ ہمارے اوپر غلامی کا دھبہ کسی وقت بھی نہیں اگا۔  
نیز ابو عبد الرحمن مقرر کا قول مشکل الاثار طحوی میں مذکور ہے کہ امام ابو حنیفہ کو جو مولیٰ کہا جاتا ہے وہ صرف ولایہ موالاة کی وجہ سے ہے نہ ولایہ اسلام یا ولایہ عتق کی بناء پر امام صاحب کے دادا نعمان بن قیس بن مرزبان یوم نبردان میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے علم بردار تھے اور اسماعیل بن حماد کو محمد بن عبد اللہ انصاری نے صحابہ کے بعد تمام قضاۃ بصرہ سے افضل کہا ہے۔

### روایت کی کیفیت

اب اس روایت کی سند کا حال بھی ملاحظہ ہو۔ اس میں ایک تو یعقوب بن سفیان ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی کرتا تھا۔ اس کے بعد محمد بن عوف مجہول ہے۔ یہ حافظ ابو جعفر طائی حمصی نہیں ہے کیونکہ وہ بہت متاخر ہے۔ اسماعیل بن عیاش کی وفات کے بعد پیدا ہوا ہے۔ وہ اسماعیل بن عیاش سے روایت نہیں کر سکتا، جیسا اس سند میں ہے۔ یہ محمد بن عوف کوئی اور ہے جس کا حال مجہول ہے۔ دوسری سند میں حمیدی موجود ہے جو امام ابو حنیفہ سے سخت تعصب رکھتا ہے اس لئے اس کی کوئی بات امام صاحب کے بارے میں قابل قبول نہیں، یہی حال ابو نعیم کا ہے۔

### سفیان بن عیینہ

سفیان بن عیینہ کی مال احتیاط فتویٰ کے باب میں معلوم ہے کہ وہ اس طرح ائمہ مجتہدین کی شان میں زبان درازی ہرگز نہیں کر سکتے نہ وہ جاہلیت کے گڑے مہرے اکھاڑ سکتے ہیں۔ جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قدم مبارک کے نیچے فن کر

دیا تھا نہ وہ ایسے جاہل ہیں کہ اتنی بات بھی نہیں جانتے کہ صحابہ کے بعد بلاد اسلام میں حدیث و فقہ کے عالم زیادہ تر موالی ہی تھے۔ امام حسن بصری محمد بن سیرین، مجاہد، عطاء، مکحول، اوزاعی یزید بن ابی حبیب، لیث بن سعد، طاؤس وغیرہ بے شمار علماء محدثین و فقہا موالی تھے حتیٰ کہ زہری کے نزدیک امام مالک بھی موالی میں سے تھے کیونکہ بخاری کی کتاب الصوم کے شروع میں ایک سند کے اندر زہری کا یہ قول موجود ہے، حدیثی ابن ابی انس مولیٰ الیتم مجھ سے ابن ابی انس نے حدیث بیان کی جو بنو تیم کے مولیٰ تھے اور یہ ابن ابی انس امام مالک کے چچا ہیں، اور بعض علماء کے نزدیک امام شافعی بھی موالی میں سے ہیں۔ جرجانی نے کہا ہے کہ امام مالک کے اصحاب کو امام شافعی کا قریشی ہونا مسلم نہیں۔ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ شافع (جو امام شافعی کے جد اعلیٰ ہیں) ابوہب کے غلام تھے۔ اس نے حضرت عمر سے درخواست کی تھی کہ اسے موالی قریش میں شمار کر لیا جائے۔ انہوں نے انکار کر دیا تو حضرت عثمان سے یہی درخواست کی انہوں نے منظور کر لیا، اسی لئے بعض علماء نے اس شافع کو حضرت عثمان کے موالی میں شمار کیا ہے۔

### ایک واقعہ

غرض رنگ یا خون سے عزت بڑھنا علماء کی شان نہیں، حاکم نے معرفت علوم الحدیث میں اپنی سند کے ساتھ زہری سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن عبدالملک بن مروان کے پاس گیا تو پوچھا کہاں سے آرہے ہو؟ میں نے کہا مکہ سے، کہا وہاں کس کو مکہ والوں کا امام پایا؟ میں نے کہا عطاء، بن ابی رباح کو کہا وہ عربی ہے یا موالی میں سے؟ میں نے کہا موالی میں سے ہے، کہا وہ ان کا امام کیسے بن گیا؟ میں نے کہا دیانت اور روایت کی وجہ سے (یعنی خود دیندار ہے اور صحابہ کی حدیثوں اور روایتوں کا راوی ہے) عبدالملک نے کہا بے شک اہل دیانت و روایت اس لائق ہیں کہ لوگوں کے امام بن جائیں، کہا اہل یمن کا امام کون ہے؟ میں نے کہا طاؤس بن کیسان، کہا وہ عربی ہے یا موالی میں سے؟ میں نے کہا موالی میں سے، کہا وہ کیسے امام بن گیا؟ میں نے کہا

جس طرح عطاء امام بن گئے، کہا اہل مصر کا امام کون ہے؟ میں نے کہا یزید بن ابی حبیب، کہا وہ عربی ہے یا موالی میں سے؟ میں نے کہا موالی میں سے، کہا اہل شام کا امام کون ہے؟ میں نے کہا مکحول، کہا وہ عربی ہے یا موالی میں سے؟ میں نے کہا موالی میں سے (مکحول سندی ہیں اس لئے بعض نے ان کو ہندی بھی کہہ دیا ہے) کہا اہل جزیرہ کا امام کون ہے۔ میں نے کہا کہ میمون بن مہران، کہا وہ عربی ہے یا موالی میں سے، میں نے کہا موالی میں سے، کہا اہل خراسان کا امام کون ہے؟ میں نے کہا ضحاک بن مزاحم، کہا وہ عربی ہے یا موالی میں سے۔ میں نے کہا موالی میں سے، کہا اہل بصرہ کا امام کون ہے؟ میں نے کہا حسن بن ابی الحسن (امام حسن بصری) کہا وہ عربی ہیں یا موالی میں سے؟ میں نے کہا موالی میں سے، کہا تیراناس ہو اور کوفہ والوں کا امام کون ہے؟ میں نے کہا ابراہیم نخعی کہا وہ عربی ہیں یا موالی میں سے؟ میں نے کہا وہ عربی ہیں۔ عبدالملک نے کہا اے زہری اب تو نے میری پریشانی کو کچھ کم کر دیا، واللہ یہ موالی اہل عرب کے سردار بن جائیں گے، ممبروں پر ان کا خطبہ پڑھا جائے گا اور عرب ان کے ماتحت ہوں گے، میں نے کہا امیر المومنین یہ تو اللہ تعالیٰ کا قانون اور اس کا دین ہے جو اس کو محفوظ رکھے گا سردار بن جائے گا جو اس کو ضائع کرے گا پست ہو جائے گا۔

### دوسرا واقعہ

ابو محمد رامہرمزی نے کتاب المحدث الفاصل میں اپنی سند کے ساتھ عبدالملک بن قریب سے بھی اسی کے مثل دوسرا واقعہ ذکر کیا ہے کہ ایک دفعہ خلیفہ عبدالملک بن مروان مسجد حرام میں آیا تو علم و وعظ کے بہت سے حلقے جا بجا دیکھے جس سے وہ خوش ہوا پھر ایک حلقہ کی طرف اشارہ کر کے پوچھا کہ یہ کس کا حلقہ ہے؟ کہا گیا عطاء کا، پھر دوسرے حلقہ پر اشارہ کیا کہ یہ کس کا حلقہ ہے؟ کہا گیا سعید بن جبیر کا، پھر تیسرے حلقہ کو دریافت کیا کہ یہ کس کا حلقہ ہے؟ کہا گیا میمون بن مہران کا، پھر چوتھے حلقے کو پوچھا کہ یہ کس کا ہے؟ کہا گیا مکحول کا، پھر پانچویں کو پوچھا کہ یہ کس کا ہے؟ کہا گیا مجاہد کا۔ اور یہ سب

کے سب فارسی نسل تھے۔ عبد الملک اپنے محل کی طرف واپس آیا اور قبائل قریش کو جمع کیا پھر خطبہ دیا۔ اور کہا اے جماعت قریش! تم کو معلوم ہے کہ ہم کس حال میں تھے پھر اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اور اس دین کی وجہ سے ہم پر احسان فرمایا۔ مگر تم نے اس دین کو حقیر سمجھا اور اس کی تعلیم سے غفلت اختیار کر لی (یہاں تک کہ اہل فارس تم پر غالب آ گئے، (وہ علم دین میں تم سے سبقت لے گئے) اس پر حاضرین پر عالم سبوت طاری ہو گیا کسی سے کچھ جواب نہ بن پڑا تو (امام زین العابدین) علی بن حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء یہ اللہ کا فضل ہے وہ جس کو چاہے دے دے، عبد الملک نے کہا میں نے اس فارسی قوم جیسا کسی کو نہیں دیکھا۔ زمانہ دراز تک ان لوگوں نے بادشاہت کی اور ہمارے محتاج نہ ہوئے اب ہم ان پر بادشاہت کر رہے ہیں تو ایک ساعت کے لئے بھی ہم ان سے مستغنی نہیں ہیں (کیونکہ علم کا ہر مسلمان محتاج ہے جس میں زیادہ حصہ ان کا ہے۔

### تیسرا واقعہ

رامہر مزی نے اپنی سند کے ساتھ حمید طویل سے روایت کیا ہے کہ ایک دیہاتی بصرہ آیا اور خالد بن مہران سے ملا ان سے پوچھا کہ اس شہر کا سردار اور امام کون ہے؟ کہا حسن بصری۔ کہا وہ عربی ہے کہا غلام زادہ؟ کہ غلام زادہ۔ کہا کس کے مولیٰ ہیں؟ کہا قبیلہ انصار کے۔ کہا یہ ان کا سردار کیسے ہو گیا؟ کہا وہ دین میں اس کے محتاج ہیں اور وہ ان کی دنیا سے مستغنی ہے۔ بدوی نے کہا بیشک سردار بننے کے لئے یہ بات کافی ہے۔“

### چوتھا واقعہ

ابن عبد ربہ نے عقد الفرید میں لکھا ہے کہ امیر عیسیٰ بن موسیٰ عباسی نے قاضی محمد بن ابی لیلیٰ سے پوچھا بصرہ کا فقیہ کون ہے؟ کہا حسن بصری کہا ان کے بعد کون ہے؟ کہا محمد بن سیرین، کہا یہ دونوں کون ہیں؟ کہا غلام زادہ، کہا فقیہ مکہ کون ہے؟ کہا عطاء بن ابی رباح، مجاہد، سعید بن جبیر اور سلیمان بن یسار، کہا یہ کون ہیں؟ کہا یہ بھی غلام زادہ

ہیں۔ کہا مدینہ کے فقہا کون ہیں؟ کہا زید بن اسلم، محمد بن مندر، نافع، اوابن ابی نجیح۔ کہا یہ کون ہیں کہا یہ بھی موالی ہیں (غلام زادے) اس پر عیسیٰ بن موسیٰ کا رنگ بدل گیا۔ کہا اچھا اہل قبا کا بڑا فقیہ کون ہے؟ کہا ربیعہ الرائی اور ابن ابی الزناد، کہا یہ کن میں سے ہیں؟ کہا یہ بھی موالی ہیں تو عیسیٰ کا چہرہ سیاہ ہونے لگا کہا یمن کا فقیہ کون ہے؟ کہا طاؤس اور ان کا بیٹا اور ابن منبہ، کہا یہ کون ہیں؟ کہا یہ بھی موالی ہیں۔ تو عیسیٰ کی رگیں پھولنے لگیں اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ کہا خراسان کا فقیہ کون ہے؟ کہا عطاء بن عبد اللہ خراسانی کہا یہ عطا کون ہے؟ کہا یہ بھی موالی میں سے ہے تو اس کا چہرہ پہلے سے زیادہ سیاہ ہو گیا۔ کہا اچھا فقیہ شام کون ہے؟ کہا مکحول کہا یہ مکحول کون ہے؟ کہا یہ بھی غلام ہے کہا اچھا تلامذہ کوفہ کا فقیہ کون ہے؟ ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں میرے جی میں آیا کہ حکم بن عتبہ اور حماد بن ابی سلیمان کا نام لوں (کہ یہ دونوں بھی موالی میں سے ہیں) مگر میں نے سوچا کہ اس کا اثر برا ہوگا تو میں نے کہا کوفہ کے فقیہ ابراہیم نخعی اور شعبی ہیں۔ کہا یہ کون ہیں؟ میں نے کہا یہ دونوں عربی النسل ہیں تو اس نے اللہ اکبر کہا اور غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔

### موالی کا علم

محدث ابن الصلاح نے اپنے مقدمہ میں عبد الرحمن بن زید بن اسلم کے حوالہ سے ذکر کیا ہے کہ عبداللہ کی وفات کے بعد تمام بلاد اسلام میں علم فقہ موالی کی طرف منتقل ہو گیا۔ بجز مدینہ کے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے ایک قریشی کو علم فقہ سے سرفراز اور ممتاز کیا۔ اور وہ سعید بن المسیب ہیں۔ نیز مدینہ کے فقہاء سب سے بھی بجز سلیمان بن یسار کے سب عربی ہیں اور ابن المنذر کو موالی میں شمار کرنا صحیح نہیں وہ عربی ہیں۔ اس طرح بعض روایات ہیں ابراہیم نخعی کو موالی میں شمار کیا گیا ہے یہ بھی غلط ہے اور بدور سب سے ائمہ قرأت بھی سب موالی ہیں بجز ابن عامر اور ابن العلاء کے کہ یہ دونوں عربی ہیں شاطبی نے اس کی تصریح کی ہے۔ غرض فقہ و حدیث و تفسیر و لغت و قرأت وغیرہ تمام علوم میں موالی نے جس قدر کام کیا ہے اگر ہم ان سب کے نام اور کارنامے شمار کرنے لگیں تو اس کے لئے



ایک دفتر ضخیم بھی کافی نہ ہوگا۔ جتنے نام بیان کر دیئے گئے ہیں انہی سے اس روایت کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔

تاریخ خطیب میں اس کی اور بھی روایتیں مذکور ہیں جن کی سندوں میں ابن رزق، ابو عمرو بن السماک اور حمیدی موجود ہیں جن پر بار بار جرح گزر چکی ہے اور بعض سندوں کے راوی مجہول ہیں جن کے تذکرہ سے کلام کو طویل کرنا بے سود ہے حق واضح ہو چکا اور باطل سرنگوں ہو گیا ہے۔ جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا۔

ادارہ طلوع اسلام کے نامہ نگاروں کا یہودی پروپیگنڈے سے متاثر

### ہونا اور اس پر ایک ضروری تنبیہ

ادارہ طلوع اسلام کے بعض مضمون نگاروں نے ایک شامی یہودی کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر یہ دعویٰ کیا ہے کہ حدیثیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دو سو برس بعد جمع کی گئی ہیں اور حدیث جمع کرنے والے زیادہ تر ایرانی عجمی مسلمان تھے جنہوں نے مادی طاقت میں مسلمانوں سے شکست کھا کر دوسرے طریقہ سے ان کو شکست دینے کا یہ طریقہ ایجاد کیا کہ قرآن کے ساتھ حدیث کو بھی حجت شرعی قرار دے کر حدیث میں اپنی طرف سے غلط باتیں ثابت کرنا شروع کر دیں اور اس طرح مسلمانوں کو مذہبی میدان میں شکست دے دی۔

اس عقلمند سے کہانی پوچھئے کہ امام حسن انصاری عطاء بن ابی رباح، محمد بن سیرین، سعید بن جبیر، سلیمان بن یسار، زید ابن اسلم، نافع، ابن ابی کجج، ربیعۃ الرائی، امام زین العابدین، سالم بن عبد اللہ بن عمر، قاسم بن محمد بن ابی بکر، حکم بن عتیبہ، حماد بن ابی سلیمان، عبد اللہ بن مبارک وغیرہ یہ خالص عربی نہیں ہیں ان میں ایرانی خون موجود تھا۔ کسی کے باپ ماں دونوں غلام تھے۔ کسی کی ماں ایرانی تھی تو ان بزرگوں نے بھی مسلمانوں کو گمراہ کیا تھا؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو گویا اس وقت کے تمام مسلمان بیوقوف ہی تھے۔ عوام بھی اور خلفاء و حکام بھی کہ ان ایرانی النسل علماء کی علمی و عملی ترقی کو بجائے سازش



سمجھنے کے قابل رشک سمجھتے اور خاندان قریش کو ملٹی پستی پر زجر و توبیخ کرتے تھے۔  
تاریخ اسلام کا ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے کہ عبدالملک بن مروان کا زمانہ  
خلافت ۷۰ھ کے قریب تھا اس وقت متعدد حضرات صحابہ دنیا میں موجود تھے۔ اسی زمانہ  
میں یہ ایرانی النسل جماعت حدیث و تفسیر و فقہ میں مسلمانوں کی امام تسلیم کر لی گئی تھی۔ اگر  
اس زمانہ کے عوام و خلفاء و حکام بیوقوف تھے تو آج کل کے منکرین حدیث ان سے بڑھ  
کر بیوقوف ہوں گے ان کو عقلمند کوئی تسلیم کرے گا؟

پھر ان عقلمندوں کو یہ بھی خبر نہیں کہ علم قرآن میں بھی یہ ایرانی النسل بزرگ  
عربوں پر سبقت لے گئے تھے۔ چنانچہ فن قرأت کے بدور سببہ میں بجز دو کے سب ایرانی  
النسل ہی تھے۔ اسی طرح علم لغت اور نحو و بلاغت میں بھی زیادہ تر ایرانی النسل علماء نظر  
آئیں گے۔ اگر حدیث میں ایرانیوں نے سازش کی تھی تو کیا قرآن اور لغت میں بھی ان  
کی سازش تسلیم کی جائے گی؟ نعوذ باللہ۔

اگر کہا جائے کہ قرآن تو متواتر ہے تو ان کو سمجھنا چاہیے کہ صحابہ کے بعد قرآن کا  
تواتر بھی زیادہ تر عجمیوں ہی کے طفیل ہے کہ وہ سب سے زیادہ قرآن کی خدمت کرنے  
والے اور حفظ کرنے والے نظر آئیں گے۔

### قرآن کریم کی حفاظت کا مطلب

اگر کہا جائے کہ قرآن کی حفاظت کا خدا نے وعدہ کیا ہے تو سوال یہ ہے کہ  
حفاظت قرآن کے وعدہ کا مطلب کیا ہے؟ کیا صرف حروف و کلمات قرآن کی حفاظت کا  
وعدہ ہے یا اس کے معانی و مطالب کی حفاظت بھی اس میں شامل ہے؟ ظاہر ہے کہ صرف  
حروف و کلمات کی حفاظت کافی نہیں جب تک معانی و مطالب کی حفاظت نہ کی جائے کہ  
اصل مقصود کلام کے معانی ہی ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ معانی و مطالب کی حفاظت زبان  
عربی کی حفاظت۔ اس کے لغت اور گرامر وغیرہ کی حفاظت۔ اس سے طریق استنباط کی  
حفاظت، نزول قرآن کے وقت جس کا قسم کا ماحول تھا اور جس قسم کے واقعات درپیش تھے  
ان کی تاریخی حیثیت سے حفاظت، قرآن پر عمل کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس

طرح صحابہ کو دکھلایا اور اس کے موافق نظام زندگی قائم کرنے کا جو طریقہ بتلایا ان سب کی حفاظت، داخل ہے پس یہ کہنا کہ خدا نے صرف قرآن کے نقوش و حروف اور کلمات کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے غلط ہے بلکہ اس میں وہ سب امور داخل ہیں جن پر قرآن کا سمجھنا موقوف ہے جن میں سب سے پہلا درجہ حدیث رسول کا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ قرآن کو سمجھنے والے اور اس پر عمل کرنے والے تھے۔ آپ کا سب سے بڑا فریضہ کتاب اللہ اور حکمت کی تعلیم و تبیین ہی تھی۔ **هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ، وَانزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ.** آپ نے جو کچھ فرمایا وہ قرآن ہی کی شرح ہے۔ اس کی حفاظت سب سے پہلے ضروری ہے۔

### احادیث صحیحہ کے رد کرنے سے قرآن مجید کو رد کرنا لازم آتا ہے

پھر جس طرح قرآن کے قاریوں میں بعضے شاذ یا غلط پڑھنے والے بھی ہیں جن کی قرأت کو رد کر دیا جاتا ہے اسی طرح حدیث رسول کے راویوں میں بھی بعض غلط قسم کے راوی گھس گئے ہیں جن کی روایتیں رد کر دی جاتی ہیں۔ اگر احادیث رسول کو خواہ وہ کیسی ہی صحیح ہوں۔ بعض غلط قسم کے راویوں کی وجہ سے حجت نہ مانا جائے تو کیا قرآن کو بھی شاذ یا غلط قرأت کرنے والوں کی وجہ سے حجت نہ کہا جائے گا؟ منکرین حدیث کو عقل سے کام لینا چاہیے، یہودیوں کے پروپیگنڈے کا شکار بن کر اپنے دین کو نہ بدلنا چاہیے۔ تمام فقہاء اور خیاری امت اور صالحین کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ قرآن کے بعد حدیث صحیح حجت ہے اور حنفیہ کا مذہب تو یہ ہے کہ حدیث ضعیف بھی رائے اور قیاس سے مقدم ہے۔ جو لوگ حدیث کو حجت شرعیہ نہیں مانتے وہ اجماع امت کی مخالفت کرتے اور مذہب ابو حنیفہ کے خروج کا ارتکاب کرتے ہیں۔ منکر حدیث اپنے کو حنفی کہنے کا ہرگز حق نہیں رکھتا اور قرآن کی تفسیر میں اس کا کوئی قول بھی ہرگز قابل قبول نہ ہوگا۔ جو عامۃ مفسرین کے خلاف ہو۔

## منکرین حدیث سے ایک سوال

ان سے کوئی پوچھے کہ اگر سلف پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا تو قرآن کی تفسیر میں تم پر اعتماد کیسے کیا جاسکتا ہے؟ سلف سے بے اعتمادی اور اپنے اوپر اعتماد اپنی جہالت کا اقرار ہے۔ اگر سلف پر اعتماد نہ کیا جائے تو قرآن کا صحیح پڑھنا بھی دشوار ہے۔ ہاتھ کنگن کو آری کیا ہے۔ ادارہ طلوع اسلام کا سرکردہ بھی جہاں تک ہمارا خیال ہے قرآن صحیح نہیں پڑھ سکتا۔ صحیح تفسیر تو کیا کرے گا؟ ہم نے ایک منکر حدیث حافظ قرآن کو دیکھا ہے جس کے مضامین کبھی کبھی طلوع اسلام میں شائع ہوتے رہتے ہیں اور طلوع اسلام کو اس کی قابلیت پر ناز ہے۔ ایسا غلط قرآن پڑھتا ہے کہ ہمارے گھروں کے بچے بھی اس سے اچھا اور صحیح پڑھتے ہیں۔

## طلوع اسلام کی ایک اور غلطی

اس کے بعد طلوع اسلام نے عنوان، ”فقہ حنفی دجالوں کا کلام ہے“ کے تحت حمدویہ کے حوالہ سے محمد بن مسلمہ مدینی کا قول نقل کیا ہے کہ ان سے پوچھا گیا کیا وجہ ہے کہ ابو حنیفہ کی رائے سارے شہروں میں گھس گئی۔ مگر مدینہ میں داخل نہیں ہو سکی۔ محمد بن مسلمہ نے جواب دیا اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مدینہ منورہ کی ہر گلی پر ایک فرشتہ مقرر ہے۔ جو مدینہ میں دجال کو داخل ہونے سے روکے گا اور یہ بھی چونکہ دجالوں کا کلام ہے اس لئے وہاں داخل نہیں ہو سکا۔“

اس روایت کا غلط ہونا اسی سے ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ اور مدینہ دونوں میں دجال کے داخلہ کی نفی کی ہے جیسا بخاری اور مسلم کی بعض روایات میں موجود ہے اور حمدویہ کے سوال سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ مدینہ کے سوا تمام شہروں میں جن میں مکہ بھی داخل ہے امام ابو حنیفہ کی رائے داخل ہو چکی تھی۔ اگر امام ابو حنیفہ کی رائے دجالوں کا کلام ہے تو مکہ میں وہ کیسے داخل ہو گئی؟ پھر خود امام ابو حنیفہ مکہ اور مدینہ میں کیونکر داخل ہو گئے۔ اگر معاذ اللہ وہ دجالوں میں سے ایک دجال تھے؟ تاریخ

شاید ہے کہ امام صاحب نے پچپن حج کئے تھے اور مدینہ منورہ میں اس سے بھی زیادہ ان کا داخلہ ثابت ہے۔

### اس روایت کے غلط ہونے کا ثبوت

اس روایت کی ایک سند میں انقطاع ہے کیونکہ راوی کہتا ہے حدثنا صاحب لنا عن حمدویہ ہمارے ایک ساتھی نے حمدویہ سے روایت بیان کی۔ یہ صاحب کون ہے؟ اور محمد بن مسلمہ مدینی بھی مجہول ہے وہ حارث بن مسکین کا کاتب نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا نام محمد بن مسلمہ ہے۔ وہ مصری ہے۔ مدینی نہیں۔ دوسری سند میں محمد بن الحسن نقاش ہے جو مشہور کذاب ہے اور مجسمہ میں اس کا شمار ہونا معلوم ہے۔ ابورجاہ مروزی نے تاریخ مرد میں بہت غرائب اور منکرات روایت کی ہیں وہ بھی حجت نہیں۔

ابن ابی العوام حافظ نے اپنی سند کے ساتھ عبدالعزیز دراوردی سے روایت کیا ہے کہ میں نے امام ابوحنیفہ اور امام مالک کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں عشاء کی نماز کے بعد مذاکرہ اور مدارست کرتے دیکھا ہے جب کوئی کسی کے قول پر توقف اور تامل کرتا۔ دوسرا بے تکلف رک جاتا۔ نہ چہرہ پر ہل پڑتا نہ ایک دوسرے کو سخت ست کہتا نہ اس کی خطا نکالتا یہاں تک کی اسی جگہ پر دونوں صبح کی نماز پڑھتے۔ حافظ صیمری (خطیب کے استاد) نے بھی اسی کے قریب الفاظ سے یہ روایت بیان کی ہے۔ اور ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ امام مالک اکثر مسائل میں امام ابوحنیفہ کی موافقت کرتے ہیں اور دراوردی کا بیان ہے۔ کہ امام مالک کے پاس امام ابوحنیفہ کے مسائل فقہ میں سے ساٹھ ہزار کے قریب مسائل تھے۔ امام شافعی نے کتاب الام (جلد ۷ صفحہ ۲۴۸) میں فرمایا ہے میں نے دراوردی سے پوچھا کیا مدینہ کے علماء میں سے کسی کا یہ قول ہے کہ عورت کا مہر رابع دینار سے کم نہیں ہو سکتا؟ کہا نہیں بخدا امام مالک سے پہلے مجھے کسی کا یہ قول معلوم نہیں۔ پھر دراوردی نے کہا میرا خیال یہ ہے کہ امام مالک نے یہ مسئلہ امام ابوحنیفہ سے لیا ہے۔

پھر دنیا جانتی ہے کہ مدینہ میں امام ابوحنیفہ کے اصحاب ان کے اصحاب کے

اصحاب بکثرت داخل ہوئے اور ان کی فقہ کو دہاں سے رائج کیا ہر زمانہ میں ایسا ہوتا رہا۔ امام محمد نے تین سال مدینہ میں قیام کر کے مؤطا پڑھی اور جن مسائل میں علماء مدینہ کو حنفیہ سے اختلاف تھا ان میں مذہب حنفی کی ترجیح ثابت کرنے کے لئے مدینہ ہی میں کتاب الحج تصنیف کی جو طبع ہو چکی ہے۔

امام ابو یوسف کا مدینہ پہنچ کر امام مالک سے بعض مسائل میں مذاکرہ کرنا اور ان کو لا جواب کر دینا تاریخ میں موجود ہے۔

حافظ ابن ابی العوام نے اپنی کتاب میں مدینہ منورہ کے جن حنفی علماء کے نام گنائے ہیں وہ بھی کچھ کم نہیں ان میں ہر طبقہ کے علماء موجود ہیں۔

پھر ہم اس غلط گو کے کان میں چپکے سے یہ بھی کہہ دینا چاہتے ہیں اگر امام ابو حنیفہ کی باتیں تیرے نزدیک دجالوں کا کلام ہیں۔ تو خود اپنے امام کے متعلق تیری کیا رائے ہے جو اکثر مسائل میں ابو حنیفہ کی موافقت کرتے ہیں؟ بلکہ ان کی فقہ کا تانا بانا ہی فقہ حنفی سے تیار ہوا ہے اگر تم کو اس سے انکار ہے تو جن کتابوں میں مسائل خلاف کا ذکر ہے وہ گلا گھونٹنے کو کافی ہیں۔ اور نہایت ندامت کے ساتھ تمہیں اس کا اعتراف کرنا پڑے گا۔ مذہب مالک کی کتاب المدونہ کی بنیاد وہ سوالات ہیں جو امام محمد بن حسن شیبانی نے قائم کئے اور ان کے جوابات مذہب ابو حنیفہ کے موافق دیئے۔ اسد بن الضرات نے ان سوالات کے جوابات مذہب امام مالک پر حاصل کرنا چاہے تو سوائے عبدالرحمن بن القاسم کے کوئی تیار نہ ہوا ان سوالات و جوابات ہی کا مجموعہ مدونہ امام مالک ہے۔

### یہ روایت سند اور درایت پر ہر دو لحاظ سے غلط ہے

غرض یہ روایت سند کے لحاظ سے بھی لچر ہے اور درایت بھی غلط ہے۔ جس کا جی چاہے آج بھی جا کر دیکھ لے کہ مدینہ منورہ میں فقہ حنفی رائج ہے اور بکثرت علماء حنفیہ اور فقہ حنفی کی درس گاہیں بھی موجود ہیں اسی طرح مکہ معظمہ میں جا کر دیکھ لیا جائے۔

پھر اس متعصب کو یہ بھی نظر نہیں آتا کہ مدینہ میں فرقہ قدریہ کی ایک جماعت

امام مالک کے زمانہ میں موجود تھی جس کا رئیس ابراہیم بن محمد بن ابی یحییٰ سلمیٰ ہے جس کو  
 سارے رجال والے اپنی کتابوں میں یہ برائی سے مستم کرتے ہیں۔ اور وہ امام مالک کو یہ قسم  
 دینے والی سے مستم کرتا ہے۔ اور اس نے اپنے عم و مدینہ میں چھپایا بھی ہے چنانچہ امام  
 شافعی نے جس طرح امام مالک سے علم حاصل کیا ہے اس سے بھی حاصل کیا ہے۔ مگر اس  
 قدری کو اور اس کی جماعت کو یہ متعصب و جان نہیں تھا حالانکہ وہ اس کے امام کو بہت برا  
 بھلا کہتا ہے۔ ان امام ابو حنیفہ کو وہ جان بھتا ہے جو امام مالک کا بہت احترام کرتے ہیں اور  
 ان کے شاگرد اور مقلد بھی امام مالک کی سب سے زیادہ عظمت کرتے ہیں۔ اور خود امام  
 مالک بھی امام ابو حنیفہ کا عانت و جد احترام کرتے ہیں۔ جیسا ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔  
 سچ ہے بعض دفعہ تعصب سے انسان اندھا ہو جاتا ہے۔

### طلوع اسلام کا ایک اور افتراء

اس کے بعد طلوع اسلام نے عبداللہ بن مبارک کا قول نقل کیا ہے کہ ابو حنیفہ  
 حدیث میں باطل (یہ اس لفظ کا ترجمہ ہے؟) شتم کرتے تھے۔

### اس روایت کے غلط ہونے کے دلائل

اس روایت کے غلط اور موضوع ہونے کے لیے یہی دلیل کافی ہے کہ عبداللہ بن  
 مبارک کی کتابیں امام ابو حنیفہ کی حدیثوں اور مسائل فقہیہ سے بھری ہوئی ہیں اور ان کا شمار  
 فقہاء حنفیہ میں کیا جاتا ہے۔ ابوبکر مروزی نے کتاب الورع میں جسے وہ امام احمد سے روایت  
 کرتے ہیں۔ ذکر کیا ہے کہ ابن راہویہ نے عبداللہ بن مبارک کی کتابوں سے تین سو زیادہ  
 حدیثیں انتخاب کی تھیں جو امام ابو حنیفہ کے لئے حجت تھیں۔ ابومیلہ شاعر نے عبداللہ بن  
 مبارک کی وفات پر جو ان کا مرثیہ کہا تھا اس میں ایک شعر یہ بھی ہے۔

وہوای العمان کنت بصیرا      حسن بوتی مقاس العمان

اور تم امام ابو حنیفہ کی فتنہ میں بہت ہدایت والے تھے جبکہ امام کے قیامت و بیان  
 کیا جائے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن مبارک مرتے وقت متاثر و غیب میں نہ تھے۔



اور اس میں صاحب بصیرت مشہور ہیں۔ حافظ ابن عبد البر نے اپنی متعدد اسانید کی ساتھ عبد اللہ ابن المبارک سے نقل کیا ہے کہ کسی نے ان کے سامنے امام ابو حنیفہ پر پتھ طعن کیا تو فرمایا خاموش رہو واللہ اگر تم ابو حنیفہ کو دیکھ لیتے تو ان کو بڑا عقل والا اور بڑی عظمت والا پاتے۔ اور یہ بھی نقل کیا ہے کہ عبد اللہ بن المبارک امام ابو حنیفہ کو ہر قسم کی بھلائی سے یاد کرتے ان کی بہت مدح و ثنا اور صفت بیان کرتے تھے اور ابو الحق فزاری امام ابو حنیفہ سے کراہت کرتے تھے اور جب دونوں کسی جگہ جمع ہو جاتے تو ابو الحق فزاری کی مجال نہ تھی کہ ابن المبارک کے سامنے امام صاحب کی شان میں کچھ بھی زبان سے نکالے۔ حافظ ابن ابی العوام نے اپنی سند کے ساتھ عبد ان سے روایت کیا ہے (جو بخاری کے مشائخ میں سے ہیں) کہ میں نے عبد اللہ بن مبارک کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جب میں لوگوں کو امام ابو حنیفہ کا تذکرہ برائی کے ساتھ کرتے دیکھتا ہوں۔ مجھے بہت رنج ہوتا ہے اور ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے غضب نازل ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اور بہت سے اقوال ابن مبارک کے امام ابو حنیفہ کی تعریف میں منقول ہیں جو افتراء کرنے والوں کے جھوٹ کا پردہ فاش کرتے ہیں۔

### طلوع اسلام کا امام ابو حنیفہ پر افتراء

اس کے بعد طلوع اسلام نے ابو قطن کا قول نقل کیا ہے راۓ حنیفہ حدیث میں گونگے تھے۔ (زمن کا ترجمہ گونگا غلط ہے۔ عاجز کہنا چاہیے)

اس کی سند میں عبد اللہ بن احمد ہے جس پر ہم پہلے جرح کر چکے ہیں اور اس کو صحیح مان لیا جائے تو مطلب یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ عام محدثین کی طرح ایک حدیث کو بہت سندوں کیساتھ روایت نہیں کرتے تھے۔ جیسا ابراہیم بن سعید جوہری کا قول ہے کہ ”جو حدیث میرے پاس سوطریقوں سے نہ ہو میں اس میں یتیم ہوں۔“ تو ہم تسلیم کرتے ہیں کہ امام صاحب کا یہ طرز نہ تھا۔ نہ وہ لاکھوں حدیثیں روایت کرنے والے تھے، بس ان کے پاس حدیثوں کے صحائف سے بھرے ہوئے چند صندوق تھے جن میں سے چار ہزار کے قریب حدیثوں کو انتخاب کر لیا تھا جن کا تعلق احکام سے تھا۔



## امام ابوحنیفہ کی مجلس فقہی

اس کے علاوہ بقیہ احادیث میں وہ اپنے ارکان مجلس اور شاگردوں کی روایت پر کفایت کر لیا کرتے تھے جو مختلف علوم کے ماہر اور مجلس فقہی کے اراکین تھے جس کے صدر خود امام صاحب تھے۔ اس مجلس میں مسائل و احکام پر ہر پہلو سے بحث کی جاتی پھر ان کو ایک ہفتہ میں مدون کر لیا جاتا تھا۔ حافظ ابن ابی العوام بسند حسن امام ابو یوسف سے روایت کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کے سامنے جب کوئی مسئلہ آتا ہم سے فرماتے کہ تمہارے پاس اس مسئلہ میں کیا آثار ہیں؟ ہم اپنے آثار بیان کرتے اور امام صاحب اپنی روایتیں بیان کرتے (اگر ان میں باہم تعارض نہ ہوا تو خیر ورنہ) پھر یہ دیکھتے کہ زیادہ آثار کس طرف ہیں؟ اگر کسی جانب آثار زیادہ ہوتے اس کو اختیار فرما لیتے اگر قریب قریب یا مساوی ہوئے تو اجتہاد سے کسی جانب کو ترجیح دی جاتی تھی۔ (یہ تھا امام صاحب کا اجتہاد! جن کے بارے میں طلوع اسلام کہتا ہے کہ وہ تو بس قرآن اور اجتہاد کے پابند نہ تھے، حدیثوں کے پابند نہ تھے حالانکہ امام صاحب آثار صحابہ کی موجودگی میں بھی اجتہاد نہیں کرتے تھے)۔

## خطیب بغدادی کی شہادت

اور یہ تو خود خطیب نے (جلد ۱۴ صفحہ ۲۴۷) ابن کرامہ سے نقل کیا ہے کہ وکیع بن الجراح کی مجلس میں کسی نے کہا ابوحنیفہ نے (اس مسئلہ میں) خطا کی وکیع نے فرمایا ابوحنیفہ کیسے خطا کر سکتے ہیں جب کہ ان کی مجلس میں ابو یوسف اور زفر جیسے صاحب نظر و قیاس اور یحییٰ بن ابی زائدہ اور حفص بن غیاث اور مندل جیسے حفاظ حدیث اور قاسم بن معن جیسا ماہر لغت و عربیت اور داؤد طائی اور فضیل بن عیاض جیسے زائد و متقی موجود رہتے ہیں۔ جس شخص کے جلسے ایسے ہوں وہ خطا نہیں کر سکتا۔ اگر بالفرض خطا کرے بھی تو وہ اس کو راہ صواب کی طرف واپس لے آئیں گے جسے امام صاحب کی اس مجلس فقہی کے ارکان کی پوری کیفیت دیکھنی ہو وہ حسب الراۃ کا مقدمہ مؤلفہ علامہ محمد زابد و ثری مصری کا مطالعہ کرے۔ اس میں بہت تفصیل کے ساتھ اس مجلس کی بہت و شان واضح کر دی گئی ہے۔

## امام ابو حنیفہ کثرت سے احادیث روایت کرتے تھے

پھر امام صاحب کے پاس احادیث احکام کا مقدار کثیر موجود ہونا ان کے مسانید ہی سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ان میں بغیر تکرار معنی اور بغیر تکرار طرق سے امام صاحب نے حدیث کی اتنی کثیر مقدار روایت کی ہے جو امام شافعی اور امام مالک کی روایت کردہ احادیث سے کسی طرح بھی کم نہیں۔ پھر امام صاحب نے جتنی حدیثیں روایت کی ہیں ان میں سے کسی ایک کو بھی نہیں چھوڑا اور امام مالک اور امام شافعی نے خود اپنی روایت کردہ احادیث کی خاصی مقدار کو ترک کر دیا ہے (مکرر ترک حدیث سے بدنام امام صاحب کو کیا جاتا ہے)

## عبداللہ بن نمیر اور طلوع اسلام کی غلط بیانی

اس کے بعد طلوع اسلام نے عبداللہ بن نمیر کا قول نقل کیا ہے کہ ”میں نے لوگوں کو اس پر متفق پایا ہے کہ وہ رائے تو رائے ابو حنیفہ کی حدیث پر مبنی اختیار کرتے تھے۔“ اس روایت کا غلط ہونا اسی سے واضح ہے کہ عبداللہ بن نمیر خود امام صاحب سے روایت کرتے اور ان کی تعریف کرتے اور ان کی رائے بھی بیان کرتے تھے۔ معنف ابن ابی شیبہ میں ایسی سند کے ساتھ جو پہاڑ کی طرح مضبوط ہے عبداللہ بن نمیر نے امام صاحب سے حدیث لعان روایت کی اور ان کی رائے بھی بیان کی ہے۔ امام صاحب سے حدیث روایت کرنے والے علماء کی بہت بڑی جماعت ہے۔ ان کے شک نہ وہ تمذیب الکمال منصف علماء مصر کی وہ دیکھ لے معلوم ہو جائے گا کہ امام صاحب سے روایت کرنے والے کیسے کیسے حضرات ہیں جنہوں نے شرق و غرب و مہم حدیث و فتنہ سے جبرایا ہے۔ چنانچہ ابن حجر مکی شافعی نے امام صاحب کے مناقب میں اقرار کیا ہے کہ ”اور اسے آئندہ یہ بات نصیب نہیں ہوگی جو امام ابو حنیفہ کو نصیب ہوئی کہ ان کے شاگرد بہت زیادہ ہیں جن کے ذریعہ ان کا علم تمام آفاق میں پھیل گیا ہے۔“

## طلوع اسلام اور حجاج بن ارطاة

اس کے بعد طلوع اسلام نے حجاج بن ارطاة کا قول نقل کیا ہے کہ ”ابو حنیفہ کون تھا؟ ابو حنیفہ کی بات کون قبول کرتا تھا (یہ ترجمہ غلط ہے ان سے علم کون لیتا تھا، لکھنا چاہیے) ابو حنیفہ تھا ہی کیا؟“

اگر ادارہ طلوع اسلام میں کوئی بھی صاحب علم ہوتا تو ایسی لغویات کو ہرگز سپرد قلم

نہ ہونے دیتا۔

اہل علم خوب جانتے ہیں کہ حجاج بن ارطاة ناقدین حدیث کے نزدیک خود مجروح ہے۔ اس کے قول کو جرح و تعدیل کے سلسلہ میں وہی بیان کر سکتا ہے جسے علم سے مس بھی نہ ہو۔ پھر اس بات کا مبہمل ہونا اسی سے ظاہر ہے کہ امام ابو حنیفہ کو تو دینا جانتی ہے ان کے علم سے شرق و غرب درخشنده و تاباں ہے جس کے سامنے علماء کی گردنیں جھکی ہوئی ہیں۔ آدھی سے زیادہ امت مسلمہ ان کی تقلید کرتی ہے۔ مگر حجاج بن ارطاة کو کون جانتا ہے؟ اس مقام پر ملک معظم ایوبی نے اسہم المصیب فی کبد الخطیب میں بہت تفصیل کے ساتھ بتلایا ہے کہ امام ابو حنیفہ کون ہیں؟ جسے معلوم نہ ہو اس سے معلوم کر لے۔

## طلوع اسلام اور یحییٰ بن سعید القطان

اس کے بعد طلوع اسلام نے یحییٰ بن سعید قطان کا قول نقل کیا ہے کہ ان سے امام ابو حنیفہ کی حدیث کے متعلق دریافت کیا گیا تو کہا وہ حدیث والے تھے ہی کب؟“

اس کی سند میں محمد بن العباس خزاز ہے جس پر جرح گزر چکی۔ خطیب نے بھی خود اس پر جرح کی ہے۔ (ج ۳ صفحہ ۱۲۲) کہ جب اس کے پاس اپنی کتاب نہ ہوتی تو ابو الحسن رزاز کی کتاب سے بغیر سماع کے روایت کر دیتا تھا اور رزاز پر بھی جرح گزر چکی ہے کہ اس کی کتابوں میں اس کا بیٹا اضافہ کر دیا کرتا تھا۔

پھر اس روایت کا غلط ہونا اس سے بھی ظاہر ہے کہ یحییٰ بن سعید قطان کے متعلق یحییٰ بن معین نے اپنی تاریخ میں جو کتب خانہ ظاہریہ دمشق میں بے تصریح کی ہے کہ وہ بھی

کلیج بن الجراح کی طرح امام ابو حنیفہ کے فتوے پر عمل کیا کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ یحییٰ بن سعید قطان جیسا محدث ایسے شخص کے فتاویٰ پر کیسے عمل کر سکتا تھا جس کو حدیث نبوی میں مہارت تامہ حاصل نہ ہو۔ علامہ ابن عبد البر نے بھی کتاب الانتقاء میں یحییٰ بن سعید قطان کا امام صاحب کے فتاویٰ پر عمل کرنا بیان کیا ہے اور خود خطیب نے بھی صفحہ ۲۴۵ و صفحہ ۳۴۶ میں اس کو ذکر کیا ہے۔ علامہ ذہبی نے بھی اپنی کتابوں میں اس کو نقل کیا ہے۔

### طلوع اسلام کی ایک اور غلط بیانی

اس کے بعد یحییٰ بن معین کا قول طلوع اسلام میں نقل کیا گیا ہے کہ ان سے امام ابو حنیفہ کی حدیث کے متعلق دریافت کیا گیا تو یحییٰ نے کہا کہ ان کے پاس حدیثیں تھیں ہی کتنی کہ تم ان کے متعلق پوچھتے ہو؟“

اس کی سند میں علی بن محمد بن مہران سواق ہے جو کہ دارقطنی کے ضعیف مشائخ میں سے ہے۔ اس روایت کا غلط ہونا ظاہر ہے کیونکہ یحییٰ بن معین حنفی ہیں امام محمد سے جامع صغیر کو روایت کرتے ہیں۔ حافظ ابن عبد البر نے انتقاء میں متعدد اسانید سے یحییٰ بن معین کا یہ قول ذکر کیا ہے کہ ابو حنیفہ ثقہ ہیں۔ میں نے کسی کو انہیں ضعیف کہتے نہیں سنا۔ یہ شعبہ ان کو لکھتے ہیں کہ میرے حکم سے حدیث بیان کرو۔ اور شعبہ شعبہ ہی ہے (کہ امیر المومنین فی الحدیث ہے)

### طلوع اسلام کا ایک اور افتراء

اس کے بعد طلوع اسلام میں ابو بکر بن ابی داؤد کا قول نقل کیا گیا ہے کہ ابو حنیفہ نے کل ایک سو پچاس حدیثیں روایت کی ہیں اس میں بھی آدمی حدیثوں میں غلطی کی ہے۔“

ابو بکر بن ابی داؤد پر جرح نزر چکی اس کو خود اس کے باپ امام ابو داؤد نے جھوٹا بتایا ہے اور ابن صالحہ وابن الاصبہانی وابن جریر نے بھی اس کو کذاب کہا ہے۔ وہ ناصبی مجسم ہے۔ اس قابل نہیں کہ جرح و تعدیل میں اس کے اقوال سے احتجاج کیا جائے

کہ وہ خود ہی مجروح ہے۔ پھر امام ابو حنیفہ کے سترہ مسانید ہی میں ایک ہزار کے قریب حدیثیں موجود ہیں۔ کتاب الآثار ان کے علاوہ ہے امام صاحب کی حدیثوں کا صحیح ہونا ”عقود الجواہر المذیہ“ سے معلوم ہو سکتا ہے جس میں علامہ زبیدی نے امام صاحب کی ایک ایک حدیث کو بیان کر کے بتلایا ہے کہ امام کے علاوہ اور کس کس نے اس کو روایت کیا ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ امام صاحب روایت حدیث میں بہت متشدد ہیں۔ جو راوی بغیر حفظ کے اپنے لکھے ہوئے پر ہی اعتماد کرے وہ اس کی روایت کو قبول نہیں کرتے۔ پھر ان کی حدیث غیر صحیح کیسے ہو سکتی ہے؟ ہم اوپر بتلا چکے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کے پاس حدیثوں کا بڑا ذخیرہ تھا جس میں سے انہوں نے چار ہزار حدیثوں کو جن کا احکام سے تعلق تھا منتخب فرمالیا تھا۔ جیسا امام بخاری نے جامع صحیح میں بحذف مکررات چار ہزار حدیثوں کو منتخب کیا ہے۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں امام صاحب کو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے۔ اس لئے ابو بکر بن ابی داؤد کے قول مذکور کو وہی بیان کر سکتا ہے جس کو علم حدیث سے ذرا بھی مس نہیں۔ کوئی عالم اس کی بات پر اصلاً التفات نہیں کر سکتا۔ اگر ابن ابی داؤد میں کچھ بھی علم و تحقیق کی شان ہوتی تو اس طرح کی مہمل بات زبان سے نہ نکالتا بلکہ ان حدیثوں کو بیان کرتا جن میں امام صاحب نے اس کے نزدیک خطا کی تھی اور ان کی خطا بھی ظاہر کرتا اور یہ بھی بتلاتا کہ یہ حدیثیں اس نے کون سی کتاب سے شمار کی تھیں، یا کس کے واسطے سے اس کو پہنچی تھیں؟

### طلوع اسلام میں سفیان ثوری کی طرف ایک قول کی غلط نسبت

اس کے بعد طلوع اسلام میں سفیان ثوری کا قول نقل کیا گیا ہے کہ ان کے سامنے ابو حنیفہ کا ذکر آیا تو کہا کہ ابو حنیفہ نہ ثقہ تھے نہ مامون تھے۔ الخ۔ اس کی سند میں علی بن احمد راز ہے جس کا بیٹا اس کی کتابوں میں اضافات کیا کرتا تھا اور وہ مغفل ان سب کو روایت کر دیا کرتا تھا وہ علی بن محمد بن سعید موصلی سے روایت کر رہا ہے وہ بھی ثقہ نہیں ہم پہلے اس پر جرح کر چکے ہیں۔ دوسری سند میں ابراہیم بن ابی الیث نصر الترمذی

ہے جس کے بارے میں یحییٰ بن معین کا قول ہے کہ اگر اس کے پاس اسی آدمی منصور بن المعتمر جیسے (ثقافت) بھی آمدورفت کرتے جب بھی وہ کذاب ہی رہتا۔ ابن معین کے علاوہ اور بہت لوگوں نے اس کو جھوٹا بتلایا ہے۔ سفیان ثوری بھلا ایسی بیہودہ بات زبان سے کیسے نکال سکتے تھے جب کہ وہ امام صاحب سے بعض احادیث کی روایت بھی کرتے ہیں۔ چنانچہ مسانید امام میں ان کا امام صاحب سے روایت کرنا ثابت ہے اور واقعہ یہ ہے کہ وہ خفیہ طور سے امام صاحب کے درس میں بھی شریک ہوتے تھے۔ بعض دفعہ امام صاحب سفیان ثوری کے والد سے کوئی روایت بیان کرتے تو ان الفاظ سے روایت کرتے تھے اخبرنا ابو هذا المختفی خلف الاستوانہ ہم سے اس شخص کے باپ نے جو ستون کے پیچھے چھپ کر بیٹھے ہیں یہ حدیث بیان کی۔“

### ”طلوع اسلام“ کی عمارت تاریخ خطیب کی لغویات پر قائم ہے

ہم اس فصل کے آخر میں جب محدثین کے تعریفی الفاظ امام صاحب کی ثناء و صفت میں بیان کریں گے اس وقت معلوم ہوگا کہ سفیان ثوری امام صاحب کے کس قدر مداح تھے۔ اس وقت تو ہم تاریخ خطیب کی ان بے ہودہ لغویات کا پول کھولنا چاہتے ہیں۔ جو مجرمین و کذابین کے واسطے سے امام صاحب کی شان میں روایت کی گئی ہیں۔ طلوع اسلام ان لغویات پر کسی عمارت کا قائم کرنا اگر فریب خوردگی نہیں ہے تو عوام کو مغالطہ میں ڈالنے کا اور دھوکہ دینے کے سوا اور کیا ہے؟ کیا ادارہ طلوع اسلام میں کوئی بھی ایسا صاحب علم نہیں جسے یہ معلوم ہو کہ تاریخ خطیب کی ان لغویات و ہذیانات کا جواب ایک دو نہیں متعدد کتابوں میں دیا جا چکا ہے؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو ہم کو بتلایا جائے کہ اس حقیقت کو جانتے ہوئے پھر کس لئے ان بے ہودہ باتوں سے مسلمانوں کے قلوب کو مجروح کیا گیا ہے؟ اور اگر جواب نفی میں ہے تو ایسے ادارہ کو ہرگز یہ حق نہیں پہنچتا کہ اپنے آرگن کا نام طلوع اسلام رکھیں اور مسائل علمیہ و احکام شرعیہ میں داخل در معقول



تاریخ خطیب صفحہ ۴۱۹ و صفحہ ۴۵۰ میں احمد بن عطیہ کی یہ روایت بسند صحیح موجود ہے کہ یحییٰ بن معین سے پوچھا گیا کیا سفیان (ثوری) نے امام ابو حنیفہ سے روایت کی ہے؟ کہا ہاں ابو حنیفہ ثقہ ہیں اور حدیث میں سچے اور اللہ کے دین میں قابل اطمینان و اعتماد ہیں۔

### احمد بن اصلت پر خطیب کی جرح مہمل ہے

خطیب نے احمد بن عطیہ پر جرح کی ہے کہ وہ احمد بن اصلت کے نام سے مشہور ہے ثقہ نہیں ہے مگر احمد بن اصلت کا جرم اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اس نے امام ابو حنیفہ کے مناقب میں کتاب لکھی اور عبد اللہ بن جزاء صحابی سے امام صاحب کا روایت کرنا اور حضرت انس صحابی سے بھی روایت کرنا بیان کیا ہے۔ حالانکہ اس میں احمد بن اصلت منفرد نہیں ہے بلکہ ابن عبد البر نے جامع بیان العلم جلد ۴ صفحہ ۴۵ میں دوسرے طریق سے جس میں احمد بن اصلت نہیں ہے۔ امام صاحب کا سماع عبد اللہ بن جزاء زبیدی سے بیان کیا ہے اور ابن سعد کے حوالہ سے اس کی تصریح کی ہے کہ امام ابو حنیفہ نے حضرت انس بن مالک اور عبد اللہ بن جزاء صحابی کو دیکھا ہے۔

### عبد اللہ بن جزاء صحابی کا سن وفات

رہا ذہبی کا یہ کہنا کہ عبد اللہ بن جزاء کا انتقال ۸۶ھ میں بمقام مصر ہوا ہے۔ ان کو امام صاحب نہیں پاسکتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قرن اول یعنی صحابہ کی ولادت اور وفات کے سنہ میں بہت اختلافات ہیں۔ کیونکہ وفیات کے باب میں کتابیں بہت مدت کے بعد لکھی گئی ہیں۔ اس لئے کسی ایک شخص کی روایت سے کسی کے سن وفات پر قطعی حکم لگانا دشوار ہے۔ دیکھو ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بڑے مشہور صحابی ہیں۔ ان کے سن وفات میں بہت اختلاف ہے۔ کسی نے ۱۸ھ کہا کسی نے ۲۲ھ کہا ہے۔ ذہبی کو اس پر اصرار ہے۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ ۳۲ھ تک زندہ رہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں جمع قرآن میں دوسرے صحابہ کے ساتھ شریک تھے۔ جیسا طبقات ابن سعد



میں تصریح ہے۔ عبد اللہ بن جزاء صحابی کا وہ درجہ کہاں جو حضرت ابی بن کعب کا ہے تو ان کی وفات میں اختلاف ہونا چنداں بعید نہیں۔ چنانچہ حسن بن علی غزنوی نے عبد اللہ بن جزاء کی وفات ۹۹ھ میں بیان کی ہے۔ ہمارے نزدیک اسی قول کا صحیح ہونا قرین قیاس ہے اور احمد بن الصلت کی روایت قابل اعتماد ہے۔ خصوصاً جبکہ ابن ابی خيثمہ نے اپنے بیٹے عبد اللہ سے کہا تھا کہ بیٹا اس شخص کی روایات کو لکھ لیا کرو۔ کیونکہ وہ ہمارے ساتھ مجلس (حدیث) میں ستر سال سے حدیثیں لکھتا رہا ہے۔ مراد احمد بن الصلت ہے اس کی سند عالی ہے۔ اس سے بہت لوگوں نے حدیث روایت کی ہے۔ جن میں بڑے بڑے آئمہ بھی شامل ہیں مگر اہل تعصب اس کو کس طرح برداشت کر سکتے ہیں جبکہ وہ ابن عیینہ سے یہ بات نقل کرتا ہے کہ علماء چار ہیں۔ عبد اللہ بن عباس اپنے زمانہ میں۔ شععی اپنے زمانہ میں، ابو حنیفہ اپنے زمانہ میں، اور سفیان ثوری اپنے زمانہ میں۔ کیونکہ تاریخ خطیب میں اضافہ کرنے والے تو سفیان بن عیینہ کو امام صاحب کی مذمت کرنے والوں میں شمار کرتے ہیں اور جن راویوں کے ذریعہ سے مذمت نقل کی گئی ہے۔ ان کی حقیقت حال کو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ اور بتلا چکے ہیں کہ سفیان بن عیینہ امام صاحب کے شاگردوں اور مداحوں میں سے ہیں۔ ان کی طرف سے امام صاحب کی شان میں مذمت روایت کرنا مجروحین کذا میں ہی کا کام ہے۔

آج تک پوری امت اسلامیہ امام ابو حنیفہؒ کو امام اعظم کے لقب

سے یاد کرتی آئی ہے

اگر عبد اللہ بن عباسؒ و شععیؒ و ثوریؒ کی صف میں امام ابو حنیفہؒ کو شمار کرنے کی وجہ سے احمد بن الصلت جھوٹا ہو گیا۔ تو کیا یحییٰ بن معین کو بھی جھوٹا کہا جائے گا؟ جن سے خطیب کے استاد صمیری نے عمدہ سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ فقہا چار ہیں۔ ابو حنیفہ، سفیان، مالک اور اوزاعی۔ اور پوری امت اسلامیہ نے ہر زمانہ میں امام ابو حنیفہؒ کو آئمہ مذاہب میں سب سے پہلے رکھا اور امام اعظم کے لقب سے یاد کیا ہے۔ اور خود خطیب نے

اسانید جیدہ کے ساتھ بڑے بڑے اماموں کا یہ قول روایت کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ اپنے زمانہ میں سب سے بڑے عالم تھے اور امام ابوحنیفہ کے علم نے شرق و غرب کو بھر دیا ہے۔ جس پر مورخ ابن اثیر کے قول کے موافق آدھی امت عمل کر رہی ہے۔ اور علامہ علی قاری شارح مشکوٰۃ کے نزدیک دو تہائی امت چل رہی ہے۔ اس کے بعد طلوع اسلام کس ڈھٹائی سے کہتا ہے کہ مندرجہ بالا آراء کو سامنے رکھئے اور غور کیجئے کہ یہ کن لوگوں کی رائے ہے۔ اور کس کے متعلق ہے؟ ان میں کا ہر شخص حدیث اور علم رجال کا ستون تسلیم کیا گیا ہے۔“

سبحان اللہ! سند کے اخیر میں سفیان ثوری۔ یحییٰ بن سعید قطان، یحییٰ بن معین کا نام آنے سے ہی یہ سمجھ لیا گیا کہ ان اساتین امت کا یہ فیصلہ امام ابوحنیفہ کے متعلق ہے۔ یہ نہ دیکھا گیا کہ سند کے شروع اور وسط میں کتنے کذاب و ضاع اور مجروحین دہرے ہوئے ہیں۔

### خوابوں کے سہارے

تاریخ خطیب میں امام ابوحنیفہؒ کی مذمت کو ایک خواب پر ختم کیا گیا ہے اور اس کو اپنے خاتمہ کا اندیشہ کئے بغیر لکھ دیا گیا۔

سند کی ابتداء میں عبداللہ بن جعفر بن درستویہ درایہمی ہے جس پر برقانی اور لاکائی کی جرح بار بار گزر چکی ہے کہ یہ شخص مہم ہے اس کو جب کوئی چند درہم دے دیتا تو ایسی باتیں کر دیتا تھا جو اس نے کسی سے سنی بھی نہیں تھیں۔ سند کی انتہا بشر بن ابی الازہر نیشاپوری پر ہے جو نیشاپور میں فقہا حنفیہ کے امام تھے اور سب علماء سے زیادہ امام ابوحنیفہ کے متبع اور ان کی تعظیم کرنے والے تھے۔ یقیناً یہ خواب وضع کر کے بشر بن ابی الازہر کے سر تھوپ دیا گیا۔ جیسا تاریخ خطیب میں امام صاحب کے دوسرے شاگردوں کی زبان سے بھی ان کی مذمت میں بہت باتیں وضع کرو کے بیان کر دی گئی ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ خطیب کی زبان یا قلم سے یہ خواب کیسے نکل سکتا ہے۔

## امام ابو حنیفہ کی مقبولیت کے متعلق چند خواب

حالانکہ امام محمد بن حسن کے ترجمہ میں اس نے (جلد ۲ صفحہ ۱۸۲) پر عمدہ سند سے خود ہی یہ خواب نقل کیا ہے کہ ابن ابی رجا، قاضی فرماتے ہیں کہ میں نے محمودیہ سے سنا جن کو ہم ابدال میں شمار کرتے تھے۔ کہ میں نے امام محمد بن حسن کو خواب میں دیکھا تو پوچھا آپ کا انجام کیسا ہوا؟ کہا مجھ سے حق تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے تم کو علم کا خزانہ اس لئے نہیں بنایا تھا کہ تم کو عذاب دوں۔ میں نے پوچھا کہ امام ابو یوسف کا کیا حال ہے؟ فرمایا وہ مجھ سے بھی اوپر ہیں۔ میں نے پوچھا امام ابو حنیفہ کا کیا حال ہے؟ فرمایا وہ ابو یوسف سے بھی کئی درجے اوپر ہیں۔

اگر خطیب کو خوابوں سے احتجاج کرنا تھا۔ تو اس خواب کو بھی یہاں نقل کر دینا تھا۔ علامہ حافظ ابن عبدالبر نے کتاب الانتقاء میں اس خواب کو دوسری سند سے بیان کیا ہے۔ جس میں احمد بن الصلت نہیں ہے جس کو خطیب نے گرانا چاہا ہے۔ حالانکہ وہ ثقہ ہے۔ وہ عمدہ سند سے محمد بن شجاع سے روایت کرتے ہیں کہ ہمیں ابو رجا، نے خبر دی۔ جو عبادت اور بزرگی میں بڑے درجہ پر تھے کہ امام محمد بن الحسن کو خواب میں دیکھا۔ پوچھا اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا برتاؤ کیا؟ کہا مجھے بخش دیا میں نے کہا اور امام ابو یوسف؟ کہا وہ مجھ سے بھی بلند درجہ پر ہیں۔ میں نے کہا اور امام ابو حنیفہ؟ کہا ارے وہ تو اعلیٰ علیین میں ہیں۔

اس خواب کو اس سند سے خطیب بھی روایت کر سکتا تھا۔ کیونکہ اس کے شیخ عتقی نے بھی صید لانی سے اس کو روایت کیا ہے۔

حافظ صمیری نے اپنی کتاب اخبار ابی حنیفہ واصحابہ میں اچھی سند سے محمد بن ابی رجا سے روایت کیا ہے کہ میں نے اپنے باپ سے سنا کہ میں نے امام محمد بن الحسن کو خواب میں دیکھا تو پوچھا آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا معاملہ کیا؟ فرمایا مجھے جنت میں داخل کر دیا اور فرمایا کہ میں نے تم کو علم کا خزانہ اس لئے نہیں بنایا کہ تم کو عذاب دوں۔ میں نے کہا اور

امام ابو یوسف؟ کہا وہ تو مجھ سے ایک درجہ اوپر ہیں۔ میں نے کہا کہ اور امام ابو حنیفہ؟ کہا وہ تو اعلیٰ علیین میں ہیں۔ اس سند سے بھی خطیب یہ خواب روایت کر سکتا تھا۔ کیونکہ یہ اس کے استاد صمیری کی روایت سے ہے۔ جن کو خطیب ثقہ بتلاتا اور ان کی بہت تعریف کرتا ہے۔ حافظ ابن ابی العوام نے بھی اچھی سند سے اس خواب کو ابو علی احمد کے حوالہ سے محمد بن ابی رجا سے ابو رجا سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ پھر حافظ ابن ابی العوام نے دوسری سند کے ساتھ ابو نعیم فضل بن وکیع سے روایت کیا ہے کہ میں حسن بن صالح کے پاس اس دن کے آخری حصہ میں گیا۔ جس میں وہ اپنے بھائی علی بن صالح کو دفن کر چکے تھے۔ تو انہوں نے ایک اچھا خواب بیان کیا۔ ابو نعیم کہتے ہیں کہ چند دنوں کے بعد میں حسن بن صالح کے پاس پھر گیا۔ تو مجھے دیکھتے ہی بولے ابو نعیم! تمہیں خبر بھی ہے۔ آج رات میں نے اپنے بھائی علی بن صالح کو دیکھا کہ وہ سبز کپڑے پہنے ہوئے میرے پاس آئے میں نے کہا تمہارا تو انتقال ہو چکا ہے؟ کہا ہاں۔ میں نے کہا کہ پھر یہ سبز کپڑے تمہارے بدن پر کیوں ہیں؟ کہا یہ جنت کے سندس و استبرق ہیں اور میرے پاس تمہارے واسطے بھی ایسے ہی کپڑے ہیں۔ میں نے کہا اللہ تعالیٰ نے تم سے کیا معاملہ کیا؟ کہا مجھے بخش دیا اور میری وجہ سے اور امام ابو حنیفہ کی وجہ سے فرشتوں پر مباہات کی (یعنی خوشی کا اظہار فرمایا) میں نے کہا ابو حنیفہ نعمان بن ثابت؟ کہا ہاں۔ میں نے کہا ان کا درجہ کہاں ہے؟ کہا ہمارے پاس ہی اعلیٰ علیین میں ہے۔ قاسم بن غسان راوی کہتے ہیں کہ ابو نعیم جب کبھی امام ابو حنیفہ کا تذکرہ کرتے یا کوئی دوسرا امام صاحب کا تذکرہ ان کے سامنے کرتا تو فرماتے نخ نخ فی اعلیٰ علیین واہ واہ سبحان اللہ وہ تو اعلیٰ علیین میں ہیں۔ پھر یہ واقعہ بیان کیا کرتے۔

### حضرت مولینا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ کا اپنا خواب

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس فصل کو اپنے ایک خواب پر ختم کروں جو اسی ماہ رجب میں دیکھا ہے کہ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میرے پاس تشریف لائیں اور فرمایا السلام علیکم ورحمۃ اللہ یا اسی کے قریب کوئی لفظ تھا، میں نے دریافت کیا آپ کون ہیں؟ میں نے پہچانا نہیں۔ فرمایا میں ام المؤمنین عائشہ ہوں۔ میں تم

کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو دیکھیں گے تو آپ بھی بہت خوش ہونگے اور میرے خیال میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی زیارت اسی وجہ سے نصیب ہوئی کہ میں ان ایام میں اللہ کے ایک مقبول بندے فقیہ الامۃ امام ابوحنیفہؒ کے اوپر سے غلط اتہامات کو دور کر رہا ہوں اور حضرت عائشہ صدیقہؓ ہر اس شخص کیلئے موجب تسلی ہیں۔ جس پر کذاہین نے جھوٹے الزامات لگائے ہوں کہ حضرت صدیقہ پر بھی منافقین نے واقعہ افک میں جھوٹی تہمت لگائی تھی۔ جس سے ان کا بری اور پاک ہونا سورۃ النور کی آیات میں بیان کیا گیا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فقہاء صحابہ میں سے ہیں ان کو فقیہ الامت امام اعظم ابوحنیفہؒ سے خاص مناسبت ہے اس لئے ان کے اوپر سے غلط اتہامات کو دفع کرنا ان کی مسرت کا باعث ہوا ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔ امید ہے کہ امام صاحب کا یہ تبریہ بارگاہ رسالت پھر بارگاہ صمدیت میں بھی قبول ہو گیا ہے۔ احقر نے امام صاحب کے مناقب میں ایک مستقل کتاب بزبان عربی بھی تالیف کی تھی۔ جس کا نام حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے ”ابحاث الوطن عن الازدراء بامام الزمن“ تجویز فرمایا تھا اس کا مسورہ خائفہ امدادیہ تھا نہ بھون کے مسودات میں محفوظ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے اور اعلاء السنن کے بقیہ حصوں کی طباعت کی کوئی صورت پیدا فرمائیں۔ آمین۔

### طلوع اسلام کی ایک اور غلط بیانی

اس کے بعد طلوع اسلام نے ”امام ابو یوسف کے متعلق ائمہ رجال کی رائے کا عنوان قائم کر کے عبد اللہ بن مبارک سے ان کی مذمت نقل کی ہے۔ مگر اس کی کوئی سند بھی ایسے مجروحین سے خالی نہیں۔ جن کی روایت سے احتجاج ائمہ رجال کے نزدیک جائز نہیں۔ جیسے سلم بن سالم۔ علی بن مہران۔ عبیدۃ الخراسانی اور عبد الرزاق بن عمر اور ان ہی جیسے دوسرے مجروحین ہیں۔

### صریح کذب بیانی

کمال یہ ہے کہ تاریخ خطیب جلد ۱۴ صفحہ ۲۵۶ و صفحہ ۲۵۷ میں ابن المبارک کی طرف یہ بات بھی منسوب کی گئی ہے کہ جب امام ابو یوسف کا انتقال ہوا۔ اور اس کی خبر

ابن المبارک کو پہنچی تو کہا یعقوب الشیعی۔۔۔ حالانکہ بالاتفاق عبداللہ بن مبارک کا انتقال امام ابو یوسف سے ایک سال پہلے ہو چکا تھا تو کیا وہ امام ابو یوسف کے انتقال کے وقت دوبارہ زندہ ہو کر دنیا میں یہ بات کہنے آئے تھے۔ حق تعالیٰ جھوٹوں کو اسی طرح رسوا کیا کرتا ہے۔ وکفی اللہ المؤمنین القتال۔

### ایک اور دروغ

اس کے بعد امام بخاری سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے نعمان (امام ابو حنیفہ) کا قول نقل کیا گیا ہے کہ تم لوگوں کو یعقوب (امام ابو یوسف) پر تعجب کیوں نہیں آتا۔ اس نے مجھ پر اس قدر جھوٹ باندھ دیئے ہیں۔ جو میں نے کبھی نہیں کہے۔ اس روایت کا غلط ہونا اس سے ظاہر ہے کہ امام بخاری نے امام ابو حنیفہ کو نہیں پایا۔ درمیان میں واسطہ ہے۔ جس کا نام ظاہر نہیں کیا گیا۔ اگر وہ واسطہ حمیدی یا نعیم بن حماد ہے تو ہم تھلا چکے ہیں کہ ان دونوں کی کوئی روایت بھی امام ابو حنیفہ کے بارہ میں قابل قبول نہیں ہے۔ اگر کوئی اور واسطہ ہے تو جب تک نام معلوم نہ ہو مجہول کی روایت پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

### امام احمد بن حنبل امام ابو یوسف کی تعریف کرتے ہیں

اس کے بعد امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین سے ان کی مذمت نقل کی گئی ہے۔ حالانکہ احمد بن کامل شجری صاحب ابن جریر نے کہا ہے کہ یحییٰ بن معین اور احمد بن حنبل اور علی بن المدینی تینوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ امام ابو یوسف نقل روایات میں ثقہ ہیں۔ ان کے زمانہ میں ان سے مقدم کوئی نہ تھا۔ علامہ ابن الجوزی نے اپنی کتاب اخبار الحفاظ میں امام ابو یوسف کو ان سوا افراد میں شمار کیا ہے جن کی قوت حافظہ ضرب المثل تھی۔ یہ کتاب کتب خانہ طاہریہ دمشق میں محفوظ ہے۔

### تاریخ خطیب کی دارقطنی کی طرف غلط نسبت

اس کے بعد دارقطنی سے نقل کیا گیا ہے کہ ان سے امام ابو یوسف کے متعلق پوچھا



گیا تو انہوں نے کہا کہ وہ محمد بن الحسن کی نسبت زیادہ قوی ہیں مگر اندھوں میں کانے ہیں۔“  
یہ روایت بھی غلط ہے۔ کیونکہ دارقطنی نے اپنی کتاب ”غرائب مالک“ میں  
امام محمد کو ثقات حفاظ متقین میں شمار کیا ہے اور جب امام ابو یوسف ان سے بھی زیادہ قوی  
ہیں تو وہ تو ثقہ حافظ متقین سے بھی اوپر ہوئے پس تاریخ خطیب میں دارقطنی کی طرف جو  
قول منسوب کیا گیا ہے۔ وہ محض بکواس ہے۔

### طلوع اسلام کا دروغ بے فروغ

اس کے بعد طلوع اسلام نے ”امام محمد بن الحسن کے متعلق ائمہ رجال کی رائے“  
کا عنوان قائم کر کے یحییٰ بن معین وغیرہ سے ان کا کذاب ہونا نقل کیا ہے اس دروغ  
بے فروغ کو لکھتے ہوئے ان لوگوں کو شرم نہیں آتی۔ کیا ان کو نظر نہیں آتا کہ ان اقوال کی  
سندوں میں وہی ہالکین مجروحین دہرے ہوئے ہیں۔ جن پر ہم بار بار جرح نقل کر چکے  
ہیں۔ اس لئے یہ سب اقوال دیوار پر مار دینے کے قابل ہیں ہم اوپر دارقطنی کا قول نقل کر  
چکے ہیں کہ انہوں نے ”غرائب مالک“ میں امام محمد کو ثقات حفاظ متقین میں شمار کیا ہے۔

اب ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد کے متعلق  
محدثین کے اقوال توثیق و تعدیل بھی نقل کر دیں جو ان حضرات کی مدح و ثناء میں صحیح اور  
حسن اور عمدہ اسانید سے روایت کئے گئے ہیں۔ تاریخ خطیب بغدادی کا مطالعہ کرنے  
والے اگر اسماء رجال کا کچھ بھی علم رکھتے ہیں تو وہ خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ ان حضرات کی  
مدح و ثناء میں جو اقوال روایت کئے گئے ہیں ان کی سندیں کیسی ہیں اور مذمت میں جو  
اقوال منقول ہیں ان کی سندیں کس قدر ساقط اور مہمل ہیں۔

۱۔ دارقطنی نے اس کتاب میں حدیث رفع یدین عند الركوع روایت کر کے اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ امام  
مالک نے حدیث رفع یدین عند الركوع کو موطا میں روایت نہیں کیا تو دارقطنی نے کہا کہ اس حدیث کو امام  
مالک سے میں ثقات حفاظ متقین نے روایت کیا ہے جن میں سے محمد بن الحسن الشیبانی اور یحییٰ بن سعید  
قطان ہیں۔ (نصب الراية) ان میں سب سے پہلا نام امام محمد کا ہے تو وہ نمبر اول کے ثقہ حافظ متقین ہوئے۔



## الامام محمد بن الحسن الشیبانیؒ

مجتہد مطلق اور بہت بڑے امام ہیں۔ بڑے بڑے علماء نے ان سے استفادہ کیا ہے امام احمد بن حنبل سے پوچھا گیا کہ یہ مسائل دقیقہ آپ نے کہاں سے لئے ہیں؟ فرمایا محمد بن الحسن کی کتابوں سے خطیب بغدادی کے امام شافعیؒ نے ان سے ہی فقہ حاصل کیا ہے۔ اسی طرح امام ابو عبید قاسم بن سلام اور امام اسد بن الضرات جو مذہب امام مالک کو مدون کرنے والے ہیں۔ اور فقہ میں ان ہی کے شاگرد ہیں۔ دارقطنی نے ”غرائب مالک“ میں ان کو ثقہ حفاظ متقنین میں شمار کیا ہے۔ یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ میں نے جامع صغیر امام محمد سے سنی ہے۔ ابن المدینی کہتے ہیں کہ محمد بہت سچے ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے اوپر علم فقہ میں سب سے زیادہ احسان امام محمد کا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے اجتہاد کو امام محمد کی وفات کے چھ سال بعد فروغ حاصل ہوا ہے۔ تو ان کی شان میں بے ہودہ اقوال نقل کرنا خطیب بغدادی کے امام شافعی کی شان کو پست کرنا اور ان کے علم پر دھبہ لگانا ہے۔

## تانیب

امام ابو حنیفہ کی صحبت میں بالالترام رہے۔ ان سے فقہ و حدیث حاصل کیا۔ سفیان ثوری قیس بن الربیع عمر بن زر۔ مسعر بن کدام وغیرہ سے حدیث سنی شام میں امام اوزاعی وغیرہ سے اور مدینہ میں امام مالک وغیرہ سے حدیث سنی۔ ان سے امام شافعی نے حدیث روایت کی۔ چنانچہ مسند شافعی میں ان کی روایتیں امام محمد سے موجود ہیں۔ ابو عبید قاسم بن سلام اور ہشام بن عبید اللہ رازی، ابوسلیمان جوزجانی۔ علی بن مسلم طوسی، ابو جعفر احمد بن محمد بن مہران نے اور بہت لوگوں نے ان سے روایت کی ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ مجھ سے امام محمد نے فرمایا کہ میں نے امام مالک کے پاس تین سال قیام کیا۔ اور سات سو سے زیادہ حدیثیں ان کی زبان سے سنی ہیں۔ حالانکہ امام مالک خود حدیث بہت کم پڑھتے تھے۔ بلکہ عموماً شاگرد پڑھتے اور وہ سنتے تھے۔ اگر امام محمد کا قیام ان کے پاس

طویل عرصہ تک نہ ہوتا اور ان کی عزت امام مالک کے دل میں نہ ہوتی، تو یہ بات ان کو حاصل نہ ہو سکتی تھی۔ امام محمد بھی موطا مالک کے راویوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ (تجیل المنفعة) اور اوپر گزر چکا کہ دارقطنی نے امام محمد کو اپنی کتاب غرائب مالک میں ثقات حفاظ میں شمار کیا ہے۔ ربیع نے امام شافعی سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام محمد سے ایک اونٹ کے بوجھ کے برابر کتابیں پڑھی ہیں۔ امام شافعی اور احمد بن حنبل ان کی بہت عظمت کرتے تھے۔ (تجیل المنفعة) ذہبی نے میزان میں کہا ہے کہ امام محمد مالک بن انس سے روایت کرتے ہیں۔ وہ علم کا سمندر ہیں، اور مالک کی حدیثوں میں قوی ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ جب وہ مالک سے روایت کرتے ہیں قوی ہیں تو جن مشائخ کوفہ کی صحبت میں امام مالک سے بھی زیادہ رہے ہیں ان کی حدیثوں میں قوی کیوں نہ ہوں گے۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ امام محمد کی پیدائش جزیرہ میں ہوئی تھی اور نشوونما کوفہ میں ہوا۔ انہوں نے حدیث کی روایت میں کوشش کی اور بہت حدیثیں سنیں۔ کوفہ سے بغداد آئے تو لوگ ان کے پاس کثرت سے آمدورفت کرتے تھے اور حدیث وفقہ سنتے تھے۔ خطیب کی روایت میں اتنا اور زیادہ ہے کہ جب وہ امام مالک سے روایت کرتے تو گھر بھر جاتا اور لوگ اس کثرت سے حدیث سننے آتے کہ جگہ تنگ ہو جاتی۔ اس سے اندازہ کر لیا جائے کہ علماء کے قلوب میں امام محمد کی کس قدر عظمت تھی۔

### الامام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم الانصاری

مجتہد مطلق ہیں بڑے بڑے مجتہدین کے استاذ ہیں۔ ابن حبان کو اگرچہ حنفیہ سے بہت زیادہ انحراف ہے مگر امام ابو یوسف کے متعلق فرماتے ہیں کہ حافظ متقن ہیں۔ بہت نیک تھے۔ پے در پے روزے رکھتے تھے اور علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ قاضی القضاۃ بننے کے بعد بھی دوسور کعتیں ہر رات پڑھتے تھے۔ حافظ طلحہ بن جعفر معدل فرماتے ہیں کہ امام ابو یوسف کی شان مشہور ہے۔ ان کی فضیلت ظاہر ہے امام ابو حنیفہ کے شاگرد اور اپنے زمانہ میں سب سے زیادہ فقیہ تھے ان کے زمانہ میں کوئی ان سے مقدم نہ تھا۔ علم اور

قضا اور ریاست و قدر و منزلت میں انتہائی درجہ پر تھے۔ سب سے پہلے ان ہی نے مذہب ابو حنیفہ کے اصول فقہ میں کتابیں تصنیف کیں۔ مسائل کا املا کیا فقہ حنفی کو تمام اطراف عالم میں پھیلا یا ہے۔ ہلال بن یحییٰ بصری فرماتے ہیں کہ امام ابو یوسف تفسیر و مغازی اور تاریخ عرب کے حافظ تھے۔ ان کے علوم میں فقہ سب سے کم درجہ پر تھا۔ یعنی ان کا فقہ جس درجہ کا ہے اس کو تو عالم اور جاہل سب جانتے ہیں۔ علامہ ذہبی نے یحییٰ بن خالد کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ ابو یوسف ہمارے یہاں آئے اور فقہ ان کے علوم میں سب سے کم درجہ کا علم تھا۔ انہوں نے اپنی فقہ سے شرق و غرب کو مالا مال کر دیا ہے۔ اور یحییٰ بن معین سے دوری نے روایت کیا ہے کہ ابو یوسف صاحب حدیث اور صاحب سنت تھے۔ (یعنی متبع سنت تھے۔ بعض محدثین کی طرح تشبیہ یا تجسیم کے قائل نہ تھے)۔

### امام ابو یوسف کا حافظہ

ابن جریر نے اپنی کتاب الذیل المذیل میں لکھا ہے کہ ابو یوسف بعض محدثین کی مجلس میں حاضر ہوتے اور اس سے پچاس ساٹھ حدیثیں سنتے پھر مجلس سے باہر آ کر سب حدیثوں کو بجنہ بیان کر دیتے تھے اور اس سے ان کی قوت حافظہ کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ اسی لئے ابن الجوزی نے ان سو افراد میں ان کو شمار کیا ہے جن کی قوت حافظہ ضرب المثل تھی۔ جیسا ہم نے اوپر بیان کیا ہے (تانیہ)

### اسلام میں سب سے پہلے قاضی القضاة

سب سے پہلے قاضی القضاة کا لقب ان ہی کو دیا گیا۔ علامہ ذہبی نے اپنی کتاب تذکرۃ الحفاظ میں امام ابو یوسف کو حفاظ حدیث میں شمار کیا۔ اور الامام العلامة فقیہ العراقین کے لقب سے یاد کیا ہے۔ انہوں نے ہشام بن عروہ اور ابو اسحق شیبانی اور عطاء بن اُسَائب اور اس طبقہ کے دوسرے محدثین سے حدیث سنی۔ اور ان سے امام محمد بن الحسن الفقیہ اور امام احمد بن حنبل اور بشر بن الولید اور یحییٰ بن معین اور علی بن الجعد (شیخ البخاری) اور بہت مخلوق نے روایت کی ہے۔ امام مزنی نے کہا ہے کہ ابو یوسف سب سے

زیادہ قبیح حدیث ہیں۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ ابو یوسف حدیث میں عدل و انصاف سے کام لیتے تھے۔ ابن معین فرماتے ہیں کہ اصحاب الرائے میں ابو یوسف سے زیادہ حدیث کا عالم اور زیادہ مضبوط دوسرا نہیں محمود بن غیلان کہتے ہیں کہ میں نے یزید بن ہارون سے پوچھا کہ ابو یوسف کے بارہ میں آپ کیا فرماتے ہیں۔ کہا میں ان سے خود روایت کرتا ہوں۔

### ابن عدی کا قول

ابن عدی نے کہا کہ اہل الرائے میں ابو یوسف سے زیادہ حدیث کا عالم نہیں۔ بسا اوقات وہ اپنے اصحاب کی مخالفت کرتے اور آثار کا اتباع کرتے ابن عدی فقہ اور قیاس اور علوم عربیہ سے کوسوں دور رہے اور ابتدا میں وہ امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کے متعلق بہت زبان درازی کرتے تھے۔ پھر امام ابو جعفر طحاوی سے ملے اور ان سے استفادہ کیا تو کسی قدر ان کی حالت اچھی ہو گئی، یہاں تک کہ مسند ابی حنیفہ کے نام سے ایک کتاب تالیف کی۔ (تانیب صفحہ ۱۶۹) اس لئے امام ابو یوسف کی شان میں جو تھوڑے سے تعریفی جملے ان کے قلم سے نکل گئے ہیں یہ بھی غنیمت ہیں۔

ابن حبان نے امام ابو یوسف کو ثقات میں ذکر کیا ہے اور کہا کان شیخا متقنا اور یہ لفظ توثیق کے اعلیٰ الفاظ میں سے ہے۔ معانی نے کتاب الانساب میں کہا ہے کہ یحییٰ بن معین اور امام احمد بن حنبل اور علی بن المدینی تینوں کا اس پر اتفاق ہے کہ ابو یوسف روایت میں ثقہ ہیں۔ ان کے زمانہ میں کوئی بھی ان سے مقدم نہ تھا۔ علم اور قضا اور ریاست و قدر و منزلت میں انتہا کو پہنچے ہوئے تھے۔

### آئمہ ثلاثہ کی تعریف میں امام احمد بن حنبل کا قول

بیہقی نے بھی امام ابو یوسف کو ثقہ کہا ہے اور امام احمد بن حنبل سے روایت کیا ہے کہ جس مسئلہ میں تین شخص متفق ہوں۔ پھر ان کے مخالف کی بات نہ سنی جائے گی، پوچھا گیا وہ تین کون ہیں؟ فرمایا ابو حنیفہ و ابو یوسف اور محمد بن الحسن۔ ابو حنیفہ قیاس میں

سب سے زیادہ بصیرت رکھتے ہیں۔ اور ابو یوسف آثار اور احادیث کو سب سے زیادہ جانتے ہیں۔ اور محمد عربیت میں سب سے زیادہ ماہر ہیں۔

خطیب نے یحییٰ بن معین سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے ابو یوسف سے بہت حدیثیں لکھیں ہیں۔ عباس (دوری) نے امام احمد بن حنبل سے روایت کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے طلب حدیث شروع کی تو سب سے پہلے قاضی ابو یوسف کے پاس گیا۔ ان کے بعد دوسروں سے حدیثیں لکھی ہیں۔ عاصم بن یوسف کہتے ہیں۔ میں نے امام ابو یوسف سے کہا لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ اس وقت علم میں آپ سے بہتر کوئی نہیں۔ فرمایا کہ میرا علم امام ابو حنیفہ کے علم کے سامنے ایسا ہے۔ جیسے دریائے فرات کے سامنے چھوٹی سی نہر۔

### لطیفہ

حافظ ابن ابی العوام نے امام طحاوی سے عبدة بن سلیمان بن بکر سے ابراہیم ابن الجراح سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے (طلب علم کے لئے) بصرہ جانے کا ارادہ کیا تو امام ابو یوسف سے پوچھا کہ وہاں کس کی صحبت اختیار کروں؟ فرمایا حماد بن زید کے پاس جاؤ اور ان کی بہت تعریف کی (بڑی عظمت سے ان کا تذکرہ کیا) چنانچہ بصرہ پہنچ کر میں نے حماد بن زید کی صحبت میں رہنے کا التزام کر لیا مگر بخدا جب کبھی ان کی مجلس میں امام ابو یوسف کا ذکر آتا وہ ان کی شان میں بُرے الفاظ ہی استعمال کرتے تھے۔ ایک دن ان کے پاس ایک عورت آئی جو کوئی دستاویز لکھوانا چاہتی تھی۔ حماد بن زید کو اس کی درخواست کا رد کرنا بھی گراں تھا۔ اور درس حدیث کو موقوف کرنا بھی گراں تھا۔ میں نے ان کی پریشانی کا احساس کر کے عرض کیا کہ آپ اس عورت کو فرما دیجئے کہ یہ کاغذ میرے حوالہ کر دے۔ میں دستاویز لکھ دوں گا۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اور درس حدیث کو میری فراغت تک موقوف کرنے کا ارادہ کیا۔ میں نے کہا اس کی ضرورت نہیں آپ درس حدیث جاری رکھئے۔ جب میں دستاویز لکھ چکا تو کاغذ ان کے

حوالہ کیا۔ انہوں نے میرے ہاتھ سے کاغذ لے کر پڑھا۔ تو تعجب سے کہنے لگے۔ تم لوگ یہ علم کس سے حاصل کرتے ہو؟ میں نے کہا اسی شخص سے جس کا ذکر آپ کی مجلس میں کبھی آتا ہے تو آپ اس کی مذمت بھی ساتھ ساتھ کر دیتے ہیں۔ اور ان کا برتاؤ آپ کے ساتھ غائبانہ یہ ہے کہ جب میں نے بصرہ آنے کا ارادہ کیا تو انہوں نے مجھے یہ وصیت کی تھی کہ آپ کے سوا کسی کے پاس نہ جاؤں فرمایا وہ کون صاحب ہیں؟ میں نے کہا امام ابو یوسف اس پر حماد بن زید شرمندہ ہو گئے اور اس کے بعد ہمیشہ ان کا ذکر خیر بھلائی سے کرنے لگے (پھر کبھی برائی نہیں کی) یہ تو حماد بن زید کا حال ہے۔ اسی سے اندازہ کر لیا جائے کہ بعض راویان حدیث بعض دفعہ کسی فقیہ کا قول ظاہر حدیث کے خلاف سنتے ہیں تو اس کو مخالفت حدیث پر محمول کرنے لگتے ہیں۔ حالانکہ حدیث کے مطلب و مقصد کو فقہاء ان جیسے حضرات سے زیادہ جانتے ہیں۔ البتہ جو محدثین فقہاء بھی ہوتے ہیں وہ ہرگز امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کو مخالف حدیث نہیں سمجھتے۔

## امام الائمۃ امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ

مجتہد کبیر، سراج الامۃ کاشف الغمہ امام الائمۃ ہیں۔ آپ کے علم نے دیار اسلام کے شرق و غرب کو منور کر دیا ہے۔ ائمہ متبوعین میں آپ ہی کو شرف تابعیت حاصل ہوا ہے۔

### امام صاحب کا تابعی ہونا

امام صاحب کا بعض صحابہ کو دیکھنا اور ان سے ملاقات کرنا ثابت ہے البتہ روایت کرنے میں اختلاف ہے۔ مگر ملا علی قاری وغیرہ کے نزدیک صحیح یہی ہے کہ امام صاحب نے بعض صحابہ سے روایت بھی کی ہے۔ جیسا ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ حضرت انس بن مالک صحابی رضی اللہ عنہ کو امام صاحب کا دیکھنا اور تابعین میں داخل ہونا محدثین کی بڑی جماعت کے نزدیک ثابت ہے۔ چنانچہ ابن سعد نے طبقات میں اور حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں اور حافظ ابن حجر نے ایک سوال کے جواب میں اور حافظ عراقی نے



دارقطنی اور امام ابو معشر عبدالکریم بن عبدالصمد طبری شافعی نے اس کی تصریح کی ہے اور وہ صحابہ سے امام صاحب کی روایت بھی ثابت کرتے ہیں۔ حافظ سیوطی نے بھی یہ فیصلہ کیا ہے کہ صحابہ سے امام صاحب کا روایت کرنا باطل نہیں ہے۔ حافظ ابوالحجاج مزی اور حافظ خطیب بغدادی حافظ ابن الجوزی حافظ ابن عبدالبر اور سمعانی صاحب کتاب الانساب اور امام نووی، حافظ عبدالغنی مقدسی، امام جزری اور نور پشٹی اور صاحب کشف الکشاف اور صاحب مراۃ الجنان امام یافعی اور علامہ ابن حجر مکی شافعی اور علامہ احمد قسطلانی اور علامہ ازہقی صاحب مدینۃ العلوم اور علامہ بدرالدین عینی نے بھی امام صاحب کا حضرت انس کو دیکھنا ثابت کیا۔ اور ان کو تابعین میں شمار کیا ہے۔

### امام صاحب کا علم مرتبہ

پس امام صاحب حق تعالیٰ کے اس ارشاد کا مصداق ہیں والذین اتبعوہم باحسان رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ سمعانی نے کتاب الانساب میں کہا ہے کہ امام ابو حنیفہ طلب علم میں مشغول ہوئے اور اس میں درجہ کمال کو پہنچے تو ان کو وہ مرتبہ حاصل ہوا جو دوسروں کو حاصل نہ ہوا۔

### دنیا کا سب سے بڑا عالم

ایک بار خلیفہ منصور عباسی کے دربار میں تشریف لے گئے تو عیسیٰ بن موسیٰ نے منصور سے کہا کہ یہ شخص آج کل دنیا کا سب سے بڑا عالم ہے۔ اور مکی بن ابراہیم کا قول ہے (جن کے واسطے سے امام بخاری کی اکثر ثلاثیات مروی ہیں) کہ ابو حنیفہ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم تھے امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ میں نے حدیث کی شرح کرنے میں امام ابو حنیفہ سے بڑا عالم نہیں دیکھا اور یزید بن ہارون نے (جو صحاح ستہ کے رجال میں بڑے درجہ کے ثقہ اور حجت ہیں) فرمایا کہ میں نے ایک ہزار علماء کو پایا اور اکثر سے حدیث لکھی ان میں پانچ شخصوں سے زیادہ فقیہ زیادہ متقی زیادہ عالم کسی کو نہیں پایا۔ جن میں پہلا نمبر امام ابو حنیفہ کا ہے اھ علامہ ابن عبدالبر نے جامع العلم میں اس کو



بیان کیا ہے۔ خطیب نے شداد بن حکیم کا قول نقل کیا ہے۔ کہ میں نے امام ابو حنیفہ سے زیادہ علم والا کسی کو نہیں دیکھا اھ۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن داؤد خرمی سے سنا وہ فرماتے تھے کہ اہل اسلام پر امام ابو حنیفہ کے لئے نمازوں میں دعا کرنا واجب ہے اس کے بعد حدیث و فقہ کو مسلمانوں کے لئے امام صاحب کا محفوظ کرنا بیان کیا۔ امام ابو جعفر شیرازی نے شفیق بلخی کا قول نقل کیا ہے۔ امام ابو حنیفہ سب سے زیادہ متقی سب سے بڑے عالم اور سب سے بڑے عابد تھے۔ ابراہیم بن عکرمہ مخزومی نے کہا میں نے کسی عالم کو امام ابو حنیفہ سے زیادہ عابد و زاہد اور ان سے زیادہ علم والا نہیں دیکھا اھ۔ عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ میں کوفہ پہنچا تو وہاں کے علما سے دریافت کیا کہ تمہارے شہروں میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟ سب نے کہا۔ امام ابو حنیفہ، خلف بن ایوب فرماتے ہیں کہ علم اللہ تعالیٰ کے پاس سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا پھر آپ کے اصحاب کو پہنچا پھر تابعین کو اور امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کے پاس پہنچ گیا۔ اور ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں حدیث و قرآن ہی کا نام علم تھا۔ جو شخص اس زمانہ میں سب سے بڑا عالم تھا۔ وہ قرآن و حدیث کو سب سے زیادہ جاننے والا تھا۔ اس لئے امت کا اتفاق ہے کہ امام صاحب بڑے فقیہ مجتہد تھے۔ اور اس لئے ان کو امام اعظم کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

### امام ابو حنیفہ کی تعریف میں اکابر دین کی شہادتیں

(۱) خطیب نے محمد بن بشر سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں امام ابو حنیفہ اور سفیان ثوری کے پاس آتا جاتا تھا جب میں سفیان ثوری کے پاس جاتا اور وہ پوچھتے کہاں سے آرہے ہو؟ میں کہتا امام ابو حنیفہ کے پاس سے آ رہا ہوں تو فرماتے تم سب سے بڑے فقیہ زمانہ کے پاس سے آئے ہو۔

(۲) حجر بن عبد الجبار کہتے ہیں کہ قاسم بن معن سے کسی نے کہا کہ تم امام ابو حنیفہ کے شاگردوں میں شمار ہونے پر راضی ہو؟ تو فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کی مجلس سے زیادہ نفع بخش کس کی مجلس نہیں۔

(۳) محمد بن مزاحم نے عبداللہ بن مبارک سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں

کہ ابوحنیفہ سب سے بڑے فقیہ ہیں میں نے فقہ میں ان کی مثل کسی کو نہیں دیکھا۔  
 (۴) نیز فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ ابوحنیفہ اور سفیان ثوری کے ذریعہ سے میری  
 (علمی) مدد نہ فرماتے تو میں عام لوگوں کی طرح ایک آدمی ہوتا۔  
 (۵) حافظ ابو نعیم کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ مسائل (شرعیہ) میں بڑے باریک  
 بین تھے۔

(۶) یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن قطان کو یہ کہتے سنا کہ ہم اللہ  
 کے سامنے جھوٹ نہیں بول سکتے ہم نے امام ابوحنیفہ کی رائے سے بہتر رائے نہیں سنی اور  
 ہم نے بکثرت ان کے اقوال کو اختیار کیا ہے۔  
 (۷) ربیع و حرمہ (جو امام شافعی کے خاص شاگردوں میں ہیں) فرماتے ہیں  
 کہ ہم نے امام شافعی سے سنا فرماتے تھے کہ فقہ میں سب لوگ امام ابوحنیفہ کے عیال ہیں  
 (یعنی ان سے مستفید) ”تہذیب“

(۸) امام اسفرائینی نے اپنی سند سے علی بن المدینی (شیخ الامام البخاری) سے  
 نقل کیا ہے کہ میں نے عبدالرزاق سے سنا ہے کہ ان کے استاد معمر فرماتے تھے کہ حسن  
 بصری کے بعد امام ابوحنیفہ سے بہتر فقہ میں گفتگو کرنے والا کسی کو نہیں پایا۔  
 (۹) ابو حیاں تو حیدی کہتا ہے کہ تمام بادشاہ سیاست میں حضرت عمرؓ کے عیال  
 ہیں اور فقہاء قیاس میں امام ابوحنیفہ کے عیال ہیں۔

(۱۰) نصر بن شمیل فرماتے ہیں کہ لوگ فقہ میں سوئے ہوئے تھے یہاں تک  
 کہ امام ابوحنیفہ نے ان کو اپنے بیان و تحقیق سے بیدار کر دیا۔ (تک عشرہ کاملہ)  
 امام ابوحنیفہ کا حافظ حدیث ہونا مسلم ہے اور اس بارے میں

### چند شہادتیں

اور ظاہر ہے کہ فقہ بغیر حفظ احادیث و آثار اقوال صحابہ و تابعین اور معرفت  
 اختلافات و ناخ و منسوخ کے حاصل نہیں ہو سکتا جب علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ امام

ابو حنیفہؒ سب سے بڑے فقیہ تھے تو اس سے ان کا حافظ احادیث ہونا خود مسلم ہو گیا۔  
(۱) اسی لئے ابن خلدون مورخ نے کہا ہے کہ علم حدیث میں امام ابو حنیفہؒ کے مجتہد عظیم ہونے کی دلیل یہ ہے کہ علماء کے درمیان ان کے مذہب پر اعتماد اور بھروسہ کیا جاتا ہے اور اس سے رد و قبول بحث کی جاتی ہے۔

(۲) علامہ ذہبی نے امام صاحب کو حافظ حدیث میں شمار کیا ہے۔ خطیب نے اسرائیل بن یونس سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ابو حنیفہؒ بڑے اچھے آدمی ہیں جن حدیثوں میں احکام (شرعیہ) مذکور ہیں ان کے بہت بڑے حافظ اور بہت زیادہ محقق اور مسائل حدیث کے بہت بڑے عالم ہیں۔

(۳) علامہ ابن القیم نے اعلام الموقعین یحییٰ بن آدم کا قول نقل کیا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے اپنے شہر کی سب حدیثوں کو جمع کر لیا تھا اور شروع سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک تمام حدیثوں پر ان کی نظر تھی اس سے بڑھ کر امام صاحب کے حافظ حدیث ہونے کی اور کیا دلیل ہوگی کیونکہ اس وقت کوفہ مرکز علوم تھا وہاں بڑے بڑے حافظ حدیث موجود تھے۔

(۴) یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ میں نے کعب سے افضل کسی کو نہیں پایا اور وہ امام ابو حنیفہؒ کی رائے پر فتوے دیتے اور ان کی سب حدیثوں کے حافظ تھے انہوں نے امام صاحب سے بہت حدیثیں سنی ہیں۔

(۵) سفیان بن عیینہ کا قول گزر چکا ہے کہ مجھے سب سے پہلے امام ابو حنیفہؒ نے محدث بنایا میں کوفہ پہنچا تو امام صاحب نے لوگوں سے کہا یہ شخص عمرو بن دینار کی حدیثوں کا سب سے بڑا عالم ہے ان کے اس فرمانے سے لوگ میرے گرد جمع ہو گئے اور میں نے درس حدیث شروع کر دیا۔

(۶) محمد بن سہاء (شاگرد امام محمد بن الحسن) کہتے ہیں کہ امام صاحب نے اپنی کتابوں میں ستر ہزار سے اوپر حدیثیں ذکر کی ہیں اور کتاب الآثار کو چالیس ہزار حدیثوں سے منتخب فرمایا ہے۔

(۷) حافظ ابن حجر نے تہذیب میں فرمایا ہے کہ محمد بن سعد عوفی کہتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن معین سے سنا کہ ابوحنیفہ ثقہ ہیں۔ وہی حدیث بیان کرتے ہیں جو حفظ یاد ہو اور جو حفظ یاد نہ ہو اس کی روایت نہیں کرتے (یعنی صرف کتاب پر اعتماد کر کے روایت نہیں کرتے)

(۸) صالح بن محمد نے یحییٰ بن معین سے روایت کیا ہے کہ ابوحنیفہ ثقہ ہیں۔ حافظ ابن عبدالبر نے کتاب الانتقاء میں بیان کیا ہے کہ ابن معین اور عبداللہ بن احمد دورق سے سوال کیا گیا کہ کیا ابوحنیفہ سے حدیث سنی جائے؟ ابن معین نے کہا وہ ثقہ ہیں میں نے کسی کو انہیں ضعیف کہتے نہیں سنا۔ یہ شعبہ بن الحجاج ان کو لکھتے ہیں کہ میرے حکم سے حدیث بیان کرو اور شعبہ شعبہ ہی ہے۔ الخ۔

(۹) ابن عبدالبر نے جامع العلم میں بیان کیا ہے کہ ابن معین سے کسی نے کہا اے ابو ذکریا! کیا ابوحنیفہ حدیث میں سچے ہیں؟ فرمایا ہاں بہت سچے ہیں شعبہ کی رائے ان کے بارے میں بہت اچھی تھی۔ ابن عبدالبر نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ علی بن المدینی نے کہا کہ ابوحنیفہ سے سفیان ثوری اور عبداللہ بن مبارک روایت کرتے ہیں وہ ثقہ ہیں ان میں کوئی بات نہیں۔

(۱۰) حافظ ابن الاثیر جزری فرماتے ہیں کہ ابوحنیفہ علوم شرعیہ میں بہت اچھے امام تھے ابن حجر مکی نے خیرات حسان میں لکھا ہے کہ شعبہ نے فرمایا بخدا ابوحنیفہ بہت سمجھدار اور اچھے حافظہ والے تھے۔ (تلمک عشرہ کاملہ)

### ایک واقعہ

ابن مندہ نے اپنی سند سے ابن معین سے روایت کیا ہے کہ میں نے علی بن سہر سے سنا کہ جب اعمش حج کو چلے تو قادیسیہ پہنچ کر مجھے بلایا ان کو معلوم تھا کہ میں ابوحنیفہ کے حلقہ میں بیٹھا کرتا ہوں فرمایا کہ کوفہ واپس جاؤ اور ابوحنیفہ سے درخواست کرو کہ میرے واسطے احکام حج قلم بند فرمادیں۔ چنانچہ میں واپس ہوا اور ان سے یہ درخواست کی تو امام

صاحب نے مجھے احکام حج املا کرا دیئے۔ پھر میں اس کتاب کو لے کر اعمش کے پاس آیا (اس سے معلوم ہو گیا کہ محدثین کو امام صاحب کے علم پر کس قدر اعتماد تھا)

### امام ابو حنیفہؒ کے علوم مرتبہ پر دیگر شہادتیں

(۱) امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ مشکل مسائل کو ابو حنیفہ سب سے زیادہ جانتے

ہیں۔

(۲) امام جعفر صادق نے فرمایا کہ ابو حنیفہ اپنے شہر میں سب سے بڑے فقیہ

ہیں۔

(۳) یحییٰ بن آدم کہتے ہیں کہ میں نے حسن بن صالح سے سنا کہ ابو حنیفہ جہاں

تک ہم جانتے ہیں حدیث میں بڑے ثقہ تھے۔

(۴) ابن مبارک فرماتے ہیں کہ مسعر (بن کرام) جب امام صاحب کو دیکھتے

کھڑے ہو جاتے اور آپ کے سامنے بڑے ادب سے بیٹھتے تھے وہ امام صاحب کے بڑے معتقد اور ثنا خواں تھے، اور دنیا جانتی ہے کہ مسعر بن کرام حفظ حدیث اور زہد میں کوفہ کے لئے فخر تھے۔

(۵) سمعانی نے کتاب الانساب میں لکھا ہے کہ مسعر بن کرام فرماتے تھے جو

شخص اپنے اور خدا کے درمیان ابو حنیفہؒ کو واسطہ بنا لے مجھے امید ہے کہ اس کو کوئی اندیشہ نہ ہوگا اور اس نے اپنے لئے احتیاط میں کچھ کوتاہی نہیں کی (کیونکہ امام صاحب کا مذہب احتیاط پر ہی مبنی ہے۔

(۶) ابن حجر نے قلاند العقیان میں لکھا ہے کہ امام سفیان ثوری فرماتے تھے کہ

ہم امام ابو حنیفہ کے سامنے ایسے تھے جیسے باز کے سامنے چڑیا اور واقعی وہ سید العلماء ہیں (علماء کے سردار)

(۷) ابن خلکان نے اپنی تاریخ میں ابن معین کا یہ قول نقل کیا ہے کہ میرے

نزدیک قرأت تو حمزہ کی قرأت ہے۔ اور فقہ ابو حنیفہ کا فقہ ہے میں نے اسی پر لوگوں کو پایا ہے۔

(۸) ابن حجر فرماتے ہیں کہ بعض ائمہ نے کہا ہے کہ مشہور اماموں میں کسی کو ایسے اصحاب اور شاگرد نصیب نہیں ہوئے جیسے امام ابوحنیفہ کو نصیب ہوئے اور علماء و عوام نے جتنا نفع امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب سے احادیث مشککہ کی تفسیر اور مسائل کے استنباط میں حاصل کیا اتنا اور کسی سے حاصل نہیں کیا۔

(۹) حافظ ابن مہدالبر فرماتے ہیں کہ جن محدثین نے امام اصحاب کے بارے میں کلام کیا ہے ان کے نزدیک امام صاحب میں بڑا عیب یہ تھا کہ وہ رائے اور قیاس میں زیادہ انہماک رکھتے تھے اور ہم بتلا چکے ہیں کہ یہ کوئی عیب کی بات نہیں (اگر فقیہ قیاس سے کام نہ لے تو قرآن حدیث سے مسائل کا استنباط کیونکر ہوگا؟ اور علم فقہ کس طرح مدون ہوگا؟)

(۱۰) یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ ہمارے اصحاب یعنی اہل حدیث امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کے بارے میں بہت زیادتی کرتے ہیں۔

(۱۱) ابن داؤد خرمی (جو اصحاب صحاح کے رجال میں ثقہ شمار ہوتے ہیں) فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کے متعلق لوگ دو قسم پر ہیں ایک حاسد دوسرے جاہل اور میرے نزدیک ان میں جاہل اچھا ہے (کہ بے چارہ معذور ہے) ایک شخص نے ابن داؤد خرمی سے پوچھا کہ لوگوں نے (یعنی اہل حدیث نے) امام ابوحنیفہ میں کیا عیب دیکھا؟ فرمایا بخدا مجھے تو اس کے سوا اور کوئی عیب معلوم نہیں ہوا کہ ابوحنیفہ بولتے ہیں تو صحیح بات کہتے ہیں اور دوسرے بولتے ہیں تو خطا کرتے ہیں میں نے امام صاحب کو صفا مردہ کے درمیان سعی کرتے ہوئے دیکھا میں خود ان کے ساتھ تھا اور مخلوق کی نگاہیں ان پر جمی ہوئی تھیں۔

(۱۲) موسیٰ بن ابی عائشہ نے (جو اصحاب صحاح کے رجال میں ثقہ عابد تابعی ہیں) ایک بار امام صاحب کی کوئی حدیث بیان کی تو حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا ہم ان کی حدیث نہیں چاہتے فرمایا خبردار اگر تم ان کو دیکھتے تو ضرور چاہتے مجھے تمہارے اور ان کے متعلق کس شاعر کا یہی قول یاد آتا ہے۔

اقلوا علیہم ویلکم لا ابالکم

من اللوم اوسدو المکان الذی سدوا

ترجمہ: تمہارا ناس ہو تمہارا باپ مرے ان پر ملامت کلم کرو یا اس

جگہ کو پرکردو جسے انہوں نے پر کیا۔ (خطیب بغدادی)

(۱۳) علامہ عینی نبایہ شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں کہ بڑے بڑے ائمہ نے امام

صاحب کے مدح و ثنا کی ہے جن میں عبداللہ بن مبارک، سفیان بن عیینہ، اعمش، سفیان ثوری، عبدالرزاق حماد بن زید اور وکیع جیسے حضرات ہیں۔ ائمہ ثلاثہ امام مالک و شافعی احمد رحمہم اللہ امام صاحب کی رائے پر فتویٰ دیا کرتے تھے ان کے علاوہ اور دوسرے بھی بہت حضرات ہیں۔

(۱۴) اسماعیل بن ابی فدیك کہتے ہیں کہ میں نے امام مالکؒ کو دیکھا کہ امام

ابوحنیفہ کے ہاتھ میں ہاتھ دیئے ہوئے چل رہے تھے جب مسجد نبویؐ کے قریب پہنچے تو امام ابوحنیفہ کو آگے کر دیا۔

(۱۵) نصر بن محمد مروزی شاگرد امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ یحییٰ بن سعید انصاری

اور ہشام بن عروہ اور سعید بن ابی عروہ کو فہ آئے تو امام صاحبؒ نے ہم سے فرمایا کہ جاؤ دیکھو ان کے پاس کوئی ایسی حدیث ہے جس کو ہمیں سننا چاہیے؟ اس سے امام صاحب کی طلب حدیث کی شان ظاہر ہے۔

(۱۶) جہان بن علی (محدث جلیل) فرماتے ہیں کہ دین و دنیا کے جس معاملہ

میں بھی امام صاحبؒ کی طرف رجوع کیا جاتا تھا ان کے پاس کوئی اچھا اثر ضرور ملتا تھا (خواہ حدیث مرفوع ہو یا قول صحابہ و تابعین)

(۱۷) یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے باپ نے فرمایا

کہ بیٹا تم نعمان بن ثابت کی صحبت کو اپنے اوپر لازم کر لو ان کی وفات سے پہلے ان سے علم حاصل کر لو۔ یحییٰ کہتے ہیں کہ بعض دفعہ میں امام ابوحنیفہؒ کے فتاویٰ اپنے باپ کے سامنے پیش کرتا تو بڑا تعجب کرتے تھے (یہ دونوں باپ بیٹے ثقافت حفاظ میں سے ہیں)



(۱۸) وکیع بن جراح سے کسی نے کہا آپ امام زفر کے پاس بہت آتے جاتے ہیں؟ فرمایا تم لوگوں نے ہمیں امام ابوحنیفہ کے متعلق تو دھوکہ میں رکھا۔ یہاں تک کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ اب زفر کے متعلق بھی دھوکہ دینا چاہتے ہو تا کہ ہمیں اس کے بعد اس کے شاگردوں کا محتاج بننا پڑے۔ (یہ وکیع بن جراح وہی ہیں جن کے متعلق یحییٰ بن معین کا قول گزر چکا ہے کہ میں نے ان سے افضل کسی کو نہیں پایا اور وہ امام ابوحنیفہ کے قول پر فتویٰ دیا کرتے تھے۔ ابتداء میں ناواقف حضرات کی طرح یہ بھی امام صاحب سے منحرف تھے۔ جامع ترمذی میں جو ان کے بعض اقوال امام صاحب کے خلاف مذکور ہیں وہ اسی زمانہ کے ہیں۔ بعد میں حقیقت منکشف ہوئی تو امام صاحب کی شاگردی اختیار کی مگر فقہ کی تکمیل نہ ہوئی تھی کہ امام صاحب کا انتقال ہو گیا تو امام زفر کی صحبت اختیار کی اس پر بعض محدثین نے اپنی ناگواری کا اظہار کیا تو بتلادیا کہ تم لوگ دھوکہ میں ہو اور دوسروں کو بھی دھوکہ دینا چاہتے ہو۔ تم نے امام صاحب کے اقوال کو سمجھا نہیں خواہ مخواہ ان کو مخالفت حدیث پر محمول کرنے لگے۔

### امام ابوحنیفہ کے بارے میں خطیب بغدادی کے استاد کی شہادت

حافظ صمیری (خطیب بغدادی کے استاد جن کی وہ بہت تعریف اور توثیق کرتے ہیں) فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کے شاگردوں میں علی بن مسہر بھی ہیں (جو اصحاب حجاج کے رجال ثقات میں سے ہیں) ان سے ہی سفیان ثوری نے امام ابوحنیفہ کا علم حاصل کیا اور ان کی کتابوں کو نقل کیا تھا۔ حافظ ابن سندہ نے اپنی سند کے ساتھ نقل کیا ہے کہ اعمش کے پاس ایک شخص آیا اور کوئی مسئلہ ان سے دریافت کیا تو فرمایا اس حلقہ میں پہنچ جاؤ مراد امام ابوحنیفہ کا حلقہ تھا کیونکہ ان کے سامنے جب کوئی مسئلہ آتا تو برابر اس میں باری باری کلام کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ صحیح جواب پالیتے ہیں۔

### امام ابوحنیفہ کا مذہب شخصی نہیں بلکہ شوریٰ ہے

امام طحاوی نے اپنی سند کے ساتھ اسد بن الضرات سے نقل کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے جن اصحاب نے ان کی کتابیں مدون کی ہیں وہ چالیس افراد تھے جن میں دس

حضرات سب سے مقدم تھے جیسے امام ابو یوسف اور امام زفر اور داؤد طائی۔ اسد بن مہر، یوسف بن خالد سمی، یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ یحییٰ بن زکریا نے تو تیس سال تک خدمت کتابت و تدوین کا حق ادا کیا ہے۔

بقیہ حضرات کے نام خطیب بغدادی کی روایت میں مذکور ہیں یعنی حفص بن غیاث، قاسم بن معن، فضیل بن عیاض، حبان بن علی، مندل بن علی، امام محمد بن الحسن، وغیرہم خطیب نے اپنی سند کے ساتھ ابن کرامہ سے روایت کیا ہے کہ کسی نے ولیع بن جراح سے کہا کہ ابو حنیفہؒ نے (فلاں مسئلہ میں) خطا کی ہے تو انہوں نے امام صاحب کے ان اصحاب گرامی کا نام لے کر فرمایا کہ جس کو مجلس میں ایسے ایسے مجتہد اور حفاظ حدیث اور ماہران عربیت اور زہاد و اتقیا، رہتے ہوں وہ کیسے خطا کر سکتا ہے اور خطا کر بھی جائے تو یہ لوگ اسے خطا، پر کیسے چھوڑ سکتے ہیں۔ یقیناً حق کی طرف لے آئیں گے۔ مفصل روایت اوپر گزر چکی ہے اس سے معلوم ہوا کہ مذہب ابو حنیفہؒ ”شخصی نہیں ہے بلکہ شوریٰ ہے کہ چالیس ائمہ اجلہ کے مشورہ کے بعد مسائل لکھے جاتے تھے۔

امام ابو حنیفہؒ جس طرح فقہ کے امام اعظم ہیں اسی طرح علم حدیث

کے بھی بڑے امام اور مجتہد ہیں

کتب اسماء رجال و اصول حدیث کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ جرح و تعدیل کے باب میں جس طرح شعبہ اور امام مالک کے اقوال نقل کئے جاتے ہیں اسی طرح امام ابو حنیفہؒ کے اقوال بھی بیان کئے جاتے ہیں۔ امام سفیان ثوری جیسے بزرگوں کے متعلق بھی امام صاحب سے دریافت کیا جاتا تھا کہ ان سے روایت کی جائے یا نہیں؟ امام صاحب نے فرمایا ہاں ان سے روایت کرو وہ ثقہ ہیں۔ مگر ابو اسحاق کی حدیثیں حارث کے واسطے سے نہ لینا۔ اسی طرح جابر جعفی کی حدیث بھی نہ لینا (کتاب المدخل للبیہقی) اس سے امام صاحب کا درجہ علم حدیث میں کس قدر بلند نظر آتا ہے کہ وہ سفیان ثوری جیسے محدث جمیل کی حدیثوں پر ناقدانہ کلام فرماتے ہیں۔ حارث اعمور اور جابر جعفی امام صاحب کے

نزدیک لائق اعتماد نہ تھے۔ مگر سفیان ثوری ان کی حدیثوں کو بے تکلف روایت کرتے تھے اس لئے امام صاحب نے سائل کو متنبہ کر دیا کہ سفیان کی وہ حدیثیں نہ لینا جو ان مجروحین کے واسطے سے ہوں۔ امام صاحب نے عطاء بن ابی رباح، امام جعفر صادق کی توثیق کی۔ زید بن عیاش کو مجہول کہا۔ طلق بن حبیب کو قدری بتلایا۔ جہم بن صفوان کو معطلہ میں شمار کیا مقاتل کو مجسمہ میں داخل کیا اور ان کے یہ اقوال محدثین نے کتب اسماء رجال میں نقل کئے اور احتجاج و اعتماد کے ساتھ نقل کئے ہیں۔ عمرو بن دینار کی کیفیت لوگوں کو امام صاحب ہی سے معلوم ہوئی۔ عبد اللہ بن مغفل صحابی کے بیٹے یزید کا نام امام صاحب کے سوا کسی کو معلوم نہ تھا اصول حدیث کی کتابوں میں برابر امام صاحب کے اقوال بیان کئے جاتے ہیں۔ ملاحظہ ہو تدریب الراوی اور مقدمہ اعلیٰ السنن وغیرہ جن سے امام کی عظمت شان کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ جس طرح فقہ میں امام اعظم ہیں اسی طرح علم حدیث کے بھی بڑے امام اور مجتہد ہیں علامہ ذہبی جیسے اہل انصاف نے اس کا اعتراف کیا ہے۔

### تاریخ خطیب بغدادی کی مہمل روایات کی حقیقت

اس کے بعد تاریخ خطیب بغدادی کی وہ مہمل روایات جو مجہولین، کذابین، مجروحین سے نقل کی گئی ہیں سب پادر ہوا ہو گئیں کیونکہ اصول حدیث کا یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ جس شخص کی امامت و عدالت درجہ تواتر و شہرت کو پہنچ جائے اس کے متعلق کوئی جرح قبول نہ کی جائے گی۔ اور امام صاحب کی عدالت و امامت کی تو یہ شان ہے۔

كالشمس فی كبد السماء وضوءها یغشی البلاد مشرقاً ومغرباً  
جیسے آفتاب وسط آسمان چمک رہا ہو جس سے مشرق و مغرب میں روشنی پھیل رہی ہے اگر کسی اندھے کو آفتاب کی روشنی نظر نہ آئے تو اس میں آفتاب کا قصور نہیں اس کی آنکھوں کا قصور ہے۔

گرنہ بیند بروز شہرہ چشم چشمہ آفتاب راچہ گناہ

پھر یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ بہت لوگوں کو امام صاحب سے اور ان کے شاگردوں سے حسد تھا جو لوگ ان پر جرح کرتے تھے وہ افراط و تفریط اور حدود سے تجاوز کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کی جرح ہرگز قابل التفات نہیں ہو سکتی۔

فدتہ نفوس الحاسدین فانہا معذبة فی حقرة و مغیب

وفی تعب من یحسد الشمس ضوہا ویجہد ان یأتی بہا لضریب

حاسدوں کی جانیں ان پر فدا ہو جائیں کیونکہ وہ تو ان کے سامنے بھی عذاب میں گرفتار ہیں اور پیچھے بھی اور جو شخص آفتاب کی روشنی پر حسد کرنے لگے اور اس جیسا دوسرا لانے کی کوشش کرے وہ خود بھی پریشان ہوگا جس کو اس سے زیادہ امام صاحب کے فضائل و مناقب معلوم کرنے کا شوق ہو وہ میری کتاب انجاء الوطن کی طباعت کا انتظار کرے۔ انشاء اللہ اس کے مطالعہ سے اچھی طرح حقیقت منکشف ہو جائے گی۔

### طلوع اسلام کے غلط دعاوی

اس کے بعد طلوع اسلام نے عنوان قائم کیا ہے کہ ”حنفی کیونکر اہل حدیث بن گئے“ اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ حدیث کے معاملہ میں امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کو حنفیہ نے چھوڑ دیا ہے وہ روایت پرست حضرات کے طوفان سے تنگ آ کر خود ان ہی کے سایہ میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔“

یہ ساری عمارت اسی غلط دعوے پر مبنی ہے جو گزشتہ اوراق میں کیا گیا ہے کہ فتنہ خلق قرآن فرو ہونے کے بعد طاقت اقتدار محدثین کے ہاتھ میں آ گئی تھی اور انہوں نے حنفیہ سے انتقام لینا شروع کیا تو وہ اہل حدیث سے مرعوب ہو گئے۔ ”ہم نے اس غلط بیانی پر طلوع اسلام کو تاریخ میں بدل ڈالنے میں انگریز کا شاگرد بتا کر اس حقیقت کو واضح کر دیا ہے کہ اس فتنہ کے فرو ہو جانے کے بعد بھی عہدہ قضا برابر حنفیہ کے ہاتھ میں رہا۔ ہمیں بتلایا جائے کہ فتنہ خلق قرآن فرو ہو جانے کے بعد محدثین کے ہاتھ میں محکمہ احتساب کب اور کس خلیفہ کے زمانہ میں آیا؟ اپنی طرف سے یہ ایک فرضی افسانہ

گھڑ لینا اور اس پر غلط دعوے کی بنیاد قائم کر کے یہ کہہ دینا کہ حنفیہ محدثین سے مرعوب ہو کر اہل حدیث بن گئے تھے۔ شیخ چلی کی خرافات نہیں تو اور کیا ہے؟ (مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الصدیق امامت نمبر بابت ماہ جمادی الاخریٰ ۱۳۷۵ھ)

طلوع اسلام نے اس غلط بیانی کے بعد اس کا اعتراف کیا ہے کہ ”اس طوفان بدتمیزی کے باوجود یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ امت کی اکثریت کا مسلک فقہ حنفی ہی کے مطابق رہا اور حنفی مسلمان اس وقت تک اہل حدیث سے الگ فرقہ کی حیثیت سے موجود چلے آتے ہیں اور نہ صرف موجود ہیں بلکہ اکثریت میں ہیں۔“

میں کہتا ہوں کہ فتنہ خلق قرآن کے وقت بھی اور اس کے فرو ہو جانے کے بعد بھی امت کی اکثریت کا مذہب فقہ حنفی ہی تھا اور وہ کسی وقت بھی اہل حدیث سے مرعوب نہیں ہوئے نہ ان کے دامن میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے یہ سب طلوع اسلام کا تراشا ہوا افسانہ ہے۔

طلوع اسلام کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ حنفیہ کے نزدیک صرف متواتر

### حدیث قابل قبول ہے

آگے چل کر پھر وہی بے تکی ہانکی کہ احناف حدیث کے معاملہ میں ظاہری طور پر اپنی فقہ کے موسس امام اعظم ابوحنیفہ کے متبع نہیں رہے لیکن حدیث کو قبول کرنے کے لئے خود ان کی اصول کی کتابوں میں جو شرائط مذکور ہیں وہ اہل حدیث کی شرائط سے بالکل مختلف ہیں پھر علامہ محمد الخضری مصری کے حوالہ سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ”حنفیہ کے نزدیک صرف متواتر حدیث ہی اصولاً قابل قبول ہے۔“ ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ کسی امام کا مذہب معلوم کرنے کے لئے خود ان کی کتابوں اور اس کے اصحاب کی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ دنیا کے سامنے مسانید امام اعظم موجود ہیں۔ امام محمد کی موطا اور کتاب الآثار، امام ابو یوسف کی کتاب الخراج اور کتاب الآثار طبع ہو چکی ہیں۔ کیا طلوع اسلام یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ ان کی سب حدیثیں متواتر ہیں؟ امام محمد نے کتاب الحج

اور موطا میں جن احادیث سے مالکیہ کے اقوال کا رد کیا ہے اور امام ابو یوسف نے یہ الاوزامی کی تنقید میں جو روایات بیان کی ہیں کیا وہ بھی سب متواتر ہیں؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو اس کا یہ دعویٰ غلط ہو گیا کہ خبر متواتر کی تعداد ایک یا دو سے زیادہ نہیں، اور اگر نفی میں ہے تو یہ دعویٰ غلط ہے کہ حنفیہ کے نزدیک صرف متواتر حدیث ہی قابل قبول ہے متاخرین کی کتابوں کو چھوڑ دو کہ وہ تو طلوع اسلام کے نزدیک محدثین کے نزدیک مرعوب ہو گئے تھے خود امام اعظم اور ان کے اصحاب کی کتابیں اس بات کو واضح کر رہی ہیں کہ فقہ حنفی کے موسس اخبار آحاد کو حجت مانتے اور ان سے احکام کا برابر استنباط کرتے رہتے ہیں بلال رازی کی کتاب الاوقاف طبع ہو چکی ہے اور وہ بلا واسطہ امام ابو یوسف کے شاگرد ہیں امام جصاص رازی امام طحاوی صرف دو واسطوں سے امام محمد و ابو یوسف کے شاگرد ہیں۔ امام سرخسی اور شمس اللامہ بزدویٰ تین چار واسطوں سے صاحبین کے شاگرد ہیں ان کی کتابیں اصول فقہ حنفی میں دنیا کے سامنے ہیں۔ کیا کوئی ان کتابوں سے ثابت کر سکتا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک صرف خبر متواتر ہی حجت ہے اخبار آحاد حجت نہیں۔

### طلوع اسلام کے دعویٰ کی تردید اور اخبار آحاد کے قبول کرنے کی شرائط

فقہ حنفی کے موسس اعلیٰ اور ان کے اصحاب کی کتابوں سے اخبار آحاد کے قبول کرنے کی جو شرائط معلوم ہو رہی ہیں مختصراً حسب ذیل ہیں۔

(۱) مراسل ثقات حجت ہیں جبکہ ان سے قوی تر حجت معارض نہ ہو حدیث مرسل کا حجت ہونا قرون فاضلہ میں سنت متواتر تھی۔ ابن جریر کا قول ہے کہ مرسل کو مطلقاً رد کر دینے کی بدعت دوسری صدی کے شروع میں ظاہر ہوئی ہے (ملاحظہ ہو اصول بابی و تمہید ابن عبدالبر و شرح ملل الترمذی لابن رجب) امام بخاری جزو قرأت خلف الامام وغیرہ میں تو مرسل سے احتجاج کرتے ہی ہیں۔ مگر جاننے والے جانتے ہیں کہ انہوں نے بعض مقامات پر اپنی صحیح میں بھی مرسل سے احتجاج کیا ہے۔ صحیح مسلم میں بھی کچھ مراسل موجود ہیں (ملاحظہ ہو مقدمہ فتح الملہم شرح صحیح مسلم للعلامة التتانی) جو اوک

مختص ارسال کی بناء پر مرسل کو مطلقاً ضعیف قرار دے کر رد کر دیتے ہیں وہ احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا آدھا حصہ چھوڑتے ہیں جس کو امام ابوحنیفہ نے قبول کیا ہے امام ابوحنیفہ کا مرسل کو حجت سمجھنا ایسا مشہور مسئلہ ہے جس سے علم فقہ کا ادنیٰ طالب علم بھی انکار نہیں کر سکتا مذہب حنفی کے بہت سے مسائل حدیث مرسل ہی پر مبنی ہیں جیسے نماز میں قہقہہ سے وضو کا باطل ہو جانا اور دار الحرب میں حربی کافر سے سودی معاملہ کا جائز ہونا وغیرہ وغیرہ۔ اگر طلوع اسلام کے نزدیک حنفیہ صرف حدیث متواتر ہی کو حجت مانتے ہیں تو وہ بتائیں کہ ان مسائل میں حنفیہ کے پاس کون سی متواتر حدیث ہے؟ اور جبکہ امام صاحب کے نزدیک حدیث مرسل حجت ہے تو یہ دعویٰ بھی غلط ہے کہ امام ابوحنیفہ اسی حدیث کو مانتے ہیں جس پر فقہاء امصار متفقہ عامل ہوں کیونکہ ہر شخص جانتا ہے کہ حدیث مرسل کو تمام فقہاء نہیں مانتے۔

(۲) قرآن و سنت سے جو اصول کلیہ جمع کئے گئے ہیں اگر کوئی خبر واحد ان اصول کے خلاف وارد ہوگی تو اس میں تاویل کی جائے گی۔ اصول کو نہیں چھوڑا جائے گا جیسے حدیث مصراۃ قاعدہ کلیہ الخراج بالضممان کے خلاف ہے حنفیہ نے اس کو حکم سیاسی پر محمول کیا ہے اگر کسی وقت خلیفہ کو ضرورت محسوس ہو تو سیاست حدیث مصراۃ کو جاری کیا جاسکتا ہے۔ ورنہ اصل قاعدہ پر عمل کیا جائے گا۔ علماء اور فقہاء اس اشارہ کو سمجھ جائیں گے۔ اگر ادارہ طلوع اسلام نہ سمجھے تو اس کی فہم کا قصور ہوگا۔

مخالفت اصول کی بناء پر کسی صحیح حدیث کے ظاہر کو چھوڑ دینا اور اس میں تاویل کرنا حدیث کی مخالفت نہیں بلکہ قوی دلیل کو ضعیف پر ترجیح دینا ہے جس سے کسی مجتہد کو بھی چارہ نہیں۔

(۳) امام ابوحنیفہ کے نزدیک کتاب اللہ کے عموماً اور نطوابع بھی قطعی ہیں اگر خبر واحد کسی عام یا ظاہر کتاب اللہ کے خلاف وارد ہوگی تو اس میں تاویل کی جائے گی کتاب اللہ کے عموم یا ظاہر کو نہیں چھوڑا جائے گا۔

(۴) جو خبر واحد کتاب اللہ کے عموم یا ظاہر کے خلاف نہ ہو بلکہ مکمل کتاب اللہ



کا مطلب واضح کر رہی ہو وہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک حجت ہے کیونکہ جب کتاب اللہ کی عبارت مجمل ہے تو بغیر بیان کے وہ کسی حکم پر دلالت نہیں کر سکتی جیسے آیت وضو میں لفظ **وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ** مجمل ہے اس سے نہیں معلوم ہوتا کہ پورے سر کا مسح مراد ہے یا بعض کا تو جن اخبار آحاد میں مسح ناصیہ کا ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر کے اگلے حصہ پر مسح کیا ہے ان کو آیت کا بیان قرار دے کر حنفیہ نے چوتھائی سر کا مسح لازم کیا۔ اسی طرح **وَالْمُطَلَقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بَانَفْسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ** میں لفظ **قُرُوءٍ** مجمل ہے کہ اس سے مراد حیض ہے یا طہر کیونکہ لغت یہ لفظ دونوں معنی میں مستعمل ہے حنفیہ نے حدیث **عَدَّةُ الْأَمَةِ حِضَّتَانِ** کو اس کا بیان قرار دے کر ثلاثہ قُرُوءٍ سے تین حیض مراد لئے ہیں۔ کیا طلوع اسلام کے نزدیک یہ حدیثیں متواتر ہیں؟ اگر نہیں تو یہ کہنا غلط ہے کہ حنفیہ متواتر کے سوا کسی حدیث کو نہیں مانتے۔

(۴) خبر واحد کے مقبول ہونے کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ سنت مشہورہ کے خلاف نہ ہو خواہ سنت مشہورہ قولی ہو یا فعلی کیونکہ سنت مشہورہ بہر حال مقدم ہے اگر اس کے خلاف خبر واحد وارد ہوگی تو یا منسوخ ہوگی یا مؤول۔

(۵) ایک شرط یہ بھی ہے کہ ایک خبر واحد کے معارض دوسری خبر واحد نہ ہو اگر دو خبریں معارض ہوں گی تو ایک کو دوسری پر ترجیح دی جائے گی۔ وجوہ ترجیح معلوم کرنے کے لئے میرا مقدمہ علماء السنن ملاحظہ کیا جائے نماز کے اندر آمین بلند آواز سے کہنا اور رکوع میں جاتے ہوئے اور رکوع سے سر اٹھانے کے وقت رفع یدین کرنا اسی اصل کے ماتحت ہے کہ اس میں متعارض خبریں وارد ہیں امام صاحب نے آمین بالسر اور ترک رفع یدین کی روایت کو ترجیح دی ہے۔ دوسری روایتوں کو تعلیم پر محمول کیا یا منسوخ قرار دیا۔

(۶) ایک شرط یہ بھی ہے کہ خود راوی کا عمل اپنی روایت کے خلاف نہ ہو۔ جیسے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث **إِذَا وَلَغَ الْكَلْبُ فِي آثَاءِ أَحَدٍ كَمْ فَلْيَغْسِلْهُ سَبْعًا** الخ جب کتا کسی برتن میں منہ ڈال دے تو اس کو سات دفعہ دھویا جائے ان کے فتوے کے خلاف ہے جس میں تین بار دھونے کو کافی کہا گیا ہے اس صورت میں عمل راوی کو ترجیح دی جائیگی۔ اور

روایت کو استحباب وغیرہ پر محمول کیا جائے گا۔ اس اصول میں بہت سے فقہاء سلف امام صاحب کے ساتھ ہیں۔ جیسا شرح ملل الترمذی ابن رجب کے مطالعہ سے معلوم ہوگا۔

(۷) عموم بلوئی میں خبر واحد قبول نہ کی جائے گی یعنی صحابہ و تابعین و تبع تابعین کے زمانہ میں جو عمل عام طور سے رواج پذیر ہوا اس کے خلاف خبر مشہور یا متواتر ہی قبول کی جاسکتی ہے خبر واحد قبول نہ کی جائے گی۔ جیسے تراویح کا بیس رکعت ہونا حضرت عمر اور حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں اور ان کے بعد بھی عام معمول تھا اس کے خلاف مؤطا کی وہ روایت قبول نہ کی جائے گی جس میں تراویح کی آٹھ رکعت مذکور ہیں۔ اس کو راوی کا وہم قرار دیا جائے گا کہ اس کو تراویح اور تہجد میں خلط ہو گیا ہے یا کسی عذر پر محمول کیا جائے گا۔

(۸) جو خبر واحد کسی ایسے حکم کے متعلق وارد ہو جس میں صحابہ کا اختلاف ہے تو اس کے مقبول ہونے کی شرط یہ ہے کہ اختلاف کرنے والوں میں سے کسی صحابی نے اس حدیث کو رد نہ کیا ہو جسے ایک صحابی روایت کر رہا ہے۔

(۹) خبر واحد کے مقبول ہونے کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ سلف میں سے کسی نے اس حدیث میں یا اس کے راوی میں کوئی جرح نہ کی ہو سلف سے مراد صحابہ و اکابر تابعین ہیں۔ (۱۰) حدود اور تعزیرات میں اختلاف روایات کے وقت اسی روایت کو ترجیح ہوگی جس میں زیادہ خفت ہو۔

(۱۱) اسی طرح حدود میں اختلاف روایات کے وقت اسی روایت کو لیا جائے گا جس میں احتیاط کا پہلو زیادہ ہو۔

کیونکہ حدود و کوشبہات سے ساقط کر دینے کا حکم ہے۔ اسی لئے امام صاحب نے دس درہم (پونے تین روپے) سے کم قیمت کا مال چرانے میں چور کا ہاتھ کاٹنے کو منع فرمایا ہے کیونکہ اس باب میں روایات مختلف ہیں بعض میں ربع دینار آیا ہے (اڑھائی درہم) بعض میں دس درہم آیا ہے احتیاط اسی میں ہے کہ دس درہم کی روایت کو ترجیح دی جائے۔

(۱۲) حدیث سننے کے بعد سے روایت کرنے کے وقت تک راوی کو حدیث حفظ یاد ہو۔ درمیان میں کسی وقت بھولا نہ ہو۔ اگر اس نے استاذ سے حدیث سن کر قلم بند کر لی۔ پھر حفظ یاد نہ رہی تو صرف کتاب کے بھروسہ پر روایت کرنا امام صاحب کے

نزدیک جائز نہیں۔ صاحبین اور جمہور فقہاء و محدثین کے نزدیک جائز ہے جبکہ اپنی قلم کو پہچانتا ہے اور کتاب کی پوری حفاظت کرتا رہا ہے۔

### طلوع اسلام کا دعویٰ جہالت پر مبنی ہے

حافظ محمد بن یوسف صالحی (شافعی) نے اپنی کتاب عقود الجمان فی مناقب النعمان میں حافظ ابو بکر بن ابی شیبہ کے ان اعتراضات کے جواب میں جو امام ابو حنیفہ پر انہوں نے اپنی مصنف میں کئے ہیں۔ ان ہی اصول کا ذکر کر کے فرمایا ہے کہ امام نے ان اصول کی بناء پر بعض اخبار آحاد پر عمل نہیں کیا اور اس میں وہ منفرذ نہیں ہیں کیونکہ کوئی مجتہد بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ وہ ساری حدیثوں پر عمل کرتا ہے۔ جب کسی مسئلہ میں مختلف روایتیں ہوں گی لامحالہ ایک کو لیا جائے گا۔ دوسری کو ترک کیا جائے گا۔ پھر جوہ ترجیح میں مجتہدین کی رائیں مختلف ہو سکتی ہیں کوئی حفظ و اتقان رواقہ کی بناء پر ایک روایت کو دوسری پر ترجیح دیتا ہے کوئی فقہ راوی کی بناء پر ترجیح دیتا ہے کبھی ضعیف روایت کو حسن یا صحیح پر اس لئے ترجیح دی جاتی ہے کہ وہ سنت مشہورہ یا عموم کتاب اللہ یا ظاہر کتاب اللہ یا عمل صحابہ کے موافق ہے اس موافقت کی وجہ سے اس کا ضعف مبدل بقوت ہو جاتا ہے۔ طلوع اسلام کا یہ دعویٰ کہ حنفیہ زبان سے حدیث کا اقرار تو کرتے ہیں لیکن اس طرح کہ جب حدیث پر عمل کرنے کا سوال سامنے آئے تو یا تو کوئی حدیث ان کی شرائط پر پوری ہی نہ اترے اور یا ضعیف اور موضوع حدیثوں کی آڑ لے لی جائے۔ ”محض جہالت پر مبنی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حنفیہ سے زیادہ حدیث پر عمل کسی کا بھی نہیں ہے جب ان کے نزدیک حدیث مرسل بھی حجت ہے تو موصول کیسے حجت نہ ہوگی؟ شافعیہ اور محدثین صرف موصول کو حجت مانتے ہیں۔ مرسل و منقطع کو ارسال و انقطاع کی علت سے رد کر دیتے ہیں۔ اب ہمیں بتایا جائے کہ حدیث پر عمل حنفیہ زیادہ کرتے ہیں یا شافعیہ اور احمدیہ؟

### ایک غلط فہمی کا ازالہ

یہ ضروری ہے کہ حنفیہ کے پاس بھی خبر واحد کی صحت و ضعف کا فیصلہ کرنے والے کچھ اصول ہیں جن کا نمونہ اوپر گزر چکا ہے دوسرے ائمہ اور محدثین کے پاس بھی کچھ

اصول ہیں تو ہو سکتا ہے کہ ایک حدیث محدثین کے اصول پر صحیح ہو حنفیہ کے اصول پر صحیح نہ ہو یا محدثین کے اصول پر ضعیف ہو حنفیہ کے اصول پر ضعیف نہ ہو۔ اس کے باوجود ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ جس حدیث کو محدثین نے اپنے اصول پر صحیح کہا ہے حنفیہ نے اس کو رد کبھی نہیں کیا بلکہ ہمیشہ محمل حسن پر محمول کیا ہے جس کو شک ہو وہ ہماری کتاب اعلیٰ السنن اور اس کے مقدمہ انہاء السنن کا مطالعہ کرے۔

### حنفیہ پر ایک افتراء

رہا حدیث کا موضوع کی آڑ لینا یہ تو سراسر افتراء ہے۔ حنفیہ نے کسی مسئلہ میں بھی حدیث موضوع کی آڑ نہیں لی۔ یہ ہو سکتا ہے کہ ابن الجوزی جیسے متشددین نے کسی صحیح حدیث کو بھی موضوع کہہ دیا ہو اور دوسرے محدثین نے اس کو موضوع نہ مانا ہو۔ حنفیہ نے عام محدثین کے قول کو رائج قرار دے کر حدیث کے موضوع ہونے سے انکار کر دیا ہو، حدیث کو موضوع مان لینے کے بعد اس سے استدلال کرنا تو کجا اس کا روایت کرنا بھی جائز نہیں۔ جب تک یہ تصریح نہ کر دی جائے کہ یہ حدیث موضوع ہے قول رسول نہیں ہے۔

### طلوع اسلام کی ایک اور جہالت

آگے چل کر طلوع اسلام نے علامہ خضریٰ مصری کے حوالہ سے امام ابو یوسفؒ کی کتاب الرد علی الاوزاعی کا اقتباس دیا ہے جس میں امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ ”تم صرف اس حدیث کو اوجو عام طور پر لوگوں کو معلوم ہو اور شاذ حدیث کو چھوڑ دو“ اس میں کوئی ایسی بات نہیں جو طلوع اسلام کے مسلک کی تائید کرتی ہو۔ محدثین و فقہا سب کے نزدیک روایت شاذہ حجت نہیں، خصوصاً جبکہ عموم بلوی میں وارد ہو تو حنفیہ کے نزدیک اصلاً حجت نہیں۔

### طلوع اسلام کی علمیت

اس کے بعد امام ابو یوسفؒ کے واسطے سے چند حدیثیں بیان کی ہیں جو اکثر مرسل یا منقطع ہیں ان میں سے کوئی بھی مشہور یا متواتر نہیں اور طلوع اسلام کا دعویٰ یہ ہے

کہ حنفیہ کے نزدیک متواتر کے سوا کوئی حدیث قابل قبول نہیں۔ پس یا تو امام ابو یوسف کی طرف ان احادیث کی نسبت غلط ہے یا طلوع اسلام کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ حنفیہ کے نزدیک صرف حدیث متواتر ہی قابل قبول ہے۔ پھر جس شمارہ میں امام ابو یوسف کی کتاب الرد علی الاوزاعی کا اقتباس دیا گیا ہے اسی میں حدیث مثله معہ کی تحقیق میں یہ دعویٰ بھی کیا گیا ہے کہ محدثین کی کتابوں میں جھوٹی حدیثیں داخل کر دی جاتی تھیں (ص ۶۶ طلوع اسلام دسمبر ۱۹۵۲ء) تو اس کی کیا ضمانت ہے کہ امام شافعی کی کتاب الام میں امام ابو یوسف کی کتاب الرد علی الاوزاعی بھی اسی طرح داخل نہ کر دی گئی ہو؟ آخر اس کی کیا وجہ کہ امام ابو یوسف کی یہ کتاب نہ امام محمد روایت کرتے ہیں نہ ہلال رازی نہ عصام بن یوسف نہ محمد بن سماعہ وغیرہم جو امام ابو یوسف کے خاص شاگرد اور ان کی فقہ حنفی کے راوی اور امام ابو حنیفہ کے مقلد و متبع بھی ہیں صرف امام شافعی ہی کتاب الام میں روایت کرتے ہیں اور کتاب الام کو امام شافعی سے روایت کرنے والا بھی تنہا ربیع بن سلیمان ہے جس کی حالت یہ ہے کہ امام شافعی اور امام محمد کے مناظرات و مکالمات کو ایسے انداز سے بیان کرتا ہے جس سے امام محمد امام شافعی کے سامنے طفل مکتب نظر آتے ہیں حالانکہ دنیا جانتی ہے اور خود شافعیہ کو بھی اس کا اعتراف ہے کہ امام شافعی امام محمد کے شاگرد ہیں مسند شافعی میں ایسی روایتیں بکثرت موجود ہیں جو امام شافعی نے امام محمد سے روایت کی ہیں مگر کتاب الام کو اٹھا کر دیکھ لیجئے۔ اس میں ان دونوں استاد شاگرد کے مناظرے اور مکالمے اس انداز سے بیان کئے گئے ہیں کہ استاد شاگرد معلوم ہوتا ہے اور شاگرد استاد پس یا تو ربیع بن سلیمان قابل اعتماد نہیں جیسا بعض محدثین<sup>۱</sup> کا خیال ہے یا بقول طلوع اسلام کتاب الام میں بھی جھوٹی حدیثیں داخل کر دی گئی ہیں۔

۱۔ قال مسلمة كان (ای ربیع بن سلیمان) یوسف بفضلة شديدة وهو ثقة ورری ابو الحسن الرازی الحافظ عن علی بن ابی حسان الریادی سمعت ابایزید القراطبی یوسف بن یزید یقول سماع الربیع بن سلیمان من الشافعی لیس بالثبت وانما اخذ اکثر الكتب من ان البویطی بعد موت البویطی کذا فی التہذیب ص ۲۴۶ ج ۳

حدیث رسول ﷺ میں جو کچھ ہے وہ قرآن ہی کا بیان ہے  
اور اسی کی تشریح ہے

### مدیر طلوع اسلام کو چیلنج

یہ تو الزامی جواب تھا۔ جس سے عہدہ برآ ہونا طلوع اسلام کیلئے آسان نہیں ہے۔ تحقیقی جواب یہ ہے کہ اس پر تو پوری امت کا اتفاق ہے کہ جو حدیث قرآن کے مخالف ہو۔ وہ ہرگز قابل قبول نہیں مگر اس کا فیصلہ کرنا فقہاء مجتہدین ہی کا کام ہے کہ کون سی حدیث مخالف قرآن ہے۔ یہ کسی پست ع کا منصب نہیں۔ جو نہ قرآن کو سمجھتے ہیں نہ حدیث کو اور سمجھنا تو دور رہا قرآن و حدیث کو صحیح طور پر پڑھ بھی نہیں سکتے۔ ان لوگوں کی عقل کا اسی سے اندازہ کر لیا جائے کہ جو حدیثیں ایسے مضامین پر مشتمل ہوں۔ جن سے قرآن خاموش ہے وہ بھی ان کے نزدیک قرآن کے خلاف ہیں اور دلیل کیسی خوبصورت بیان کی گئی ہے کہ قرآن جس مسئلہ میں خاموش ہے، حدیث اگر قرآن کے موافق ہے تو اس کو بھی خاموش ہی رہنا چاہیے۔ ایسی جگہ حدیث کا زبان کھولنا ضرور قرآن کی مخالفت ہے اور مدیر طلوع اسلام اس دلیل پر حاشیہ چڑھاتا ہے سبحان اللہ ایدک اللہ بروح منہ (ص ۵۳ دسمبر ۱۹۵۲ء)

ان عقل کے دشمنوں سے کوئی پوچھے کہ قرآن تو اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا ہے  
نِسَاءُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنْتُمْ اس نے کچھ نہیں بتلایا کہ یہاں  
حرف انی کیف کے معنی میں ہے یا مِنْ اَيْنَ کے۔ پہلی صورت میں ترجمہ یہ ہوگا۔ تمہاری  
بیبیاں تمہارے لئے بمنزلہ کھیت کے ہیں۔ تو اپنے کھیت میں جس طرح چاہو آؤ۔ دوسری  
صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ اپنے کھیت میں جس طرف سے چاہو آؤ۔ دوسری صورت میں  
بیوی سے پیچھے کی طرف سے بھی وطمی کرنا جائز ہو جاتی ہے جیسا بعض علماء شیعہ کا خیال ہے  
تو کیا حدیث کو یہاں خاموش ہی رہنا چاہیے؟ اور اگر کسی حدیث میں اس کی تشریح کر دی  
گئی کہ یہاں انی بمعنی کیف ہے تو وہ خلاف قرآن ہوگی؟ اور کیا ادارہ طلوع اسلام اس  
مسئلہ میں شیعہ کی ہم نوائی پر آمادہ ہوگا؟



اسی طرح آیت **فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً** میں قرآن خاموش ہے کہ یہاں استمتاع سے مراد وطی اور دخول ہے یا نکاح متعہ۔ دوسری صورت میں اس سے نکاح متعہ کا جواز نکلتا ہے۔ جیسا عام علماء شیعہ کا خیال ہے تو کیا طلوع اسلام کے نزدیک یہاں بھی حدیث کو خاموش ہی رہنا چاہیے؟ اور کیا وہ نکاح متعہ کو جائز قرار دیگا؟

اسی طرح آیت **اقِمِ الصَّلَاةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَى غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْآنَ الْفَجْرِ** اتنا کہہ کر خاموش ہے کہ آفتاب ڈھلنے سے لے کر رات کی اندھیری تک نماز پڑھتے رہو۔ کیا یہاں بھی حدیث کو خاموش رہنا چاہیے؟ اور کیا ادارہ طلوع اسلام سورج ڈھلنے سے لے کر رات کی اندھیری تک نماز پڑھتے رہنے اور دنیا کے سب کاروبار چھوڑ دینے کو فرض کہے گا؟ اور جن حدیثوں میں ظہر و عصر مغرب و عشا کے اوقات کی تحدید مذکور ہے۔ ان کو خلاف قرآن کہے گا؟

اسی طرح آیت **وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَأَعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرُبُوهُنَّ حَتَّى يَطْهُرْنَ** میں قرآن یہ کہہ کر خاموش ہے کہ حیض گندی چیز ہے اس حالت میں تم بیویوں سے الگ رہو۔ اور جب تک پاک نہ ہو جائیں ان کے پاس نہ جاؤ۔ جس کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ حائضہ عورت سے بالکل الگ تھلگ رہنا چاہیے نہ اس کے ہاتھ کی روٹی کھانی جاوے نہ پانی پیا جاوے نہ اسے کسی چیز کو ہاتھ لگانے دیا جائے۔ جیسا یہود اور بنود کا عمل ہے تو کیا یہاں بھی حدیث کو خاموش رہنا چاہیے؟ اور کیا ادارہ طلوع اسلام حائضہ عورت سے وہی معاملہ کرے گا۔ جو یہود و بنود کیا کرتے ہیں؟

اسی طرح آیت **وَيَحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبُ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثُ** تو اتنا کہہ کر خاموش ہے کہ پاکیزہ چیزیں حلال ہیں اور خبیث چیزیں حرام ہیں ان کی نشان دہی نہیں کی گئی کہ طيبات کیا ہیں۔ خبائث کیا ہیں؟ اگر اس کو ہر قوم کی صوابدید پر چھوڑ دیا جائے تو بعض قومیں تو کتے، بلی، سانپ، بندر، گدھے، خچر کو بھی طيبات میں شمار کرتی ہیں اور بے تکلف کھاتی ہیں۔ تو کیا حدیث کو بھی اس جگہ خاموش رہنا چاہیے؟ اور کیا ادارہ طلوع اسلام کتے، بلی، گدھے، خچر اور سانپ اور بندر کو حلال قرار دیگا؟ اگر نہیں تو اس کا یہ



عوئی غلط ہے کہ قرآن جس مسئلہ میں خاموش ہے۔ وہاں حدیث کو بھی خاموش رہنا چاہیے اور ایسی جگہ حدیث کا زبان کھولنا قرآن کی مخالفت ہے۔

اس عقلمند سے وئی پوچھے کہ اگر حدیث کا ایسے مسائل میں زبان کھولنا قرآن کی مخالفت ہے تو فقہ کا زبان کھولنا تو اس سے بھی بڑھ کر ہوگا۔ پھر تو فقہ کی ساری عمارت ہی منہدم ہو جائے گی۔ کیا فرماتے ہیں خضریٰ مصری مصنف تاریخ الفقہ الاسلامی ایسی جماعت کے بارہ میں جو ان کی تاریخ الفقہ کے حوالہ سے اپنا الو اس طرح سیدھا کرنا چاہتی ہے کہ سرے سے فقہ ہی دنیا سے نیست و نابود ہو جائے۔ جس پر عالم اسلام کو فخر ہے اور دوسری تو میں بھی اس کی عظمت کے سامنے گردنیں جھکا دیتی ہیں اور علامہ خضریٰ بھی اس کی عظمت و جلالت کے قائل ہیں۔

### کوئی بوج نہجہکڑ

ممکن ہے ادارہ طلوع اسلام کا کوئی بوج نہجہکڑ یہ جواب دیے کی کوشش کرے کہ ان مسائل مذکورہ میں قرآن خاموش تو نہیں ہے۔ بالا جمال ناطق ہے اور اجمال کی تفسیر کے لئے حدیث کو زبان کھولنے کا حق ہے۔

تو ہم کہیں گے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جتنی بھی صحیح حدیثیں ہیں وہ قرآن کا بیان اور تشریح و توضیح ہی ہیں۔ مگر اس کے سمجھنے کے لئے عقل سلیم کی ضرورت ہے۔ سلیم کے نام خطبوط لکھنا کافی نہیں۔ قرآن صاف صاف کہہ رہا ہے، وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ہم نے آپ پر یہ قرآن نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کے سامنے اس بات کو کھول کر بیان کر دیں۔ جو ان کی طرف نازل کی گئی ہے اور تاکہ وہ خود بھی فکر سے کام لیں۔ پس حدیث رسول میں جو کچھ ہے۔ وہ قرآن ہی کا بیان اسی کی تشریح ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔

قرآن کریم کے ارشادات کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کوئی

### نہیں سمجھ سکتا

اس لئے وہ حدیث بہارے خلاف نہیں۔ جس میں بقول طلوع اسلام رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں صرف اس چیز کو حرام کرتا ہوں۔ جس کو قرآن نے حرام کیا ہے۔ الخ

مگر قرآن کے ارشادات کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر نہ صحابہ سمجھتے تھے نہ فقہاء مجتہدین تو ادارہ طلوع اسلام کس شمار میں ہے۔ اس لئے جن چیزوں کو حدیث میں حرام کیا گیا ہے اور تم کو قرآن میں ان کی حرمت نظر نہیں آتی۔ یہ تمہاری نظر کا قصور ہے۔ اور اگر کسی کو یہ دعویٰ ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر قرآن کو سمجھتا ہے۔ وہ اپنے ایمان کی خیر منائے۔ ایسا شخص قابل خطاب نہیں۔

❦ قال الشاطبی رحمہ اللہ السنۃ راجعة فی معناہا الی

الکتاب فہی تفصیل مجمدہ و بیان مشکله و بسط

مختصرہ و ذلک لانہا بیان لہ و هو الذی دل علیہ قولہ

تعالیٰ و انزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیہم فلا

تجد فی السنۃ امرا الا و القرآن قد دل علی معنای دلالة

اجمالیۃ او تفصیلیۃ و ابضا فکل ما دل علی القرآن ہو

کلیۃ الشرح و یسوع لہا فہو دلیل علی ذلک الی ان

قال فالسنۃ فی محصول الامر بیان لما فیہ و ذلک

معنی کونہا راجعة الیہ ❦ (مقدمہ فتح المبین ص ۲۱)

شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سنت اپنے معانی و مطالب میں کتاب اللہ کی طرف ہی رجوع کرتی ہے کیونکہ اس میں مجملات قرآن کی تفصیل اور مشکلات کا بیان اور مختصر کی توضیح ہے کیونکہ سنت قرآن کا بیان ہے اور یہی مطلب ہے حق تعالیٰ کے اس ارشاد کا و انزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیہم پس تم سنت میں جو بات بھی پاؤ گے قرآن نے اس کو اجمالاً یا تفصیلاً ضرور بتایا ہے۔ پھر جن دلائل سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ قرآن میں شریعت کلی طور پر مذکور ہے اور وہ شریعت کا سرچشمہ ہے وہی اس پر بھی دالت کرتی ہیں (کہ اس کلی کے لئے جزئیات بھی ہونی چاہئیں اور سرچشمہ

سے نہریں اور دریا بھی نکلنے چاہئیں۔ اسی کا نام سنت ہے، خلاصہ یہ کہ (جیت) سنت کا حاصل اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ مفہوم قرآن کا بیان ہے یہی مطلب ہے قرآن کی طرف سنت کے راجع ہونے کا۔ اھ۔

## طلوع اسلام کی ایک اور جہالت

آگے چل کر طلوع اسلام نے یہ عنوان قائم کیا ہے کہ فقہ حنفی ابد الابد تک کیلئے ناقابل تغیر نہیں تھا۔ اور دلیل یہ بیان کی ہے کہ ”جس شخص کا یہ عقیدہ ہو کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے بھی قیامت تک کے لئے غیر متبدل قرار نہیں دیئے جاسکتے وہ کبھی خود اپنے فیصلوں کے متعلق یہ کہہ سکتا ہے کہ انہیں قیامت تک کے لئے غیر متبدل سمجھا جائے؟“ اس کے جواب میں ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کا یہ عقیدہ ہرگز نہیں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے غیر متبدل نہیں یا ان کو تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ طلوع اسلام نے یہ نتیجہ ان مہمل روایات سے نکالا ہے جن میں امام صاحب کی طرف بعض احادیث کا رد کر دینا منقول ہے۔ ہم نے ان روایات پر مفصل کلام کر کے بتا دیا ہے کہ ان کی سندوں میں مجہولین۔ محرومین کذا بین، ہرے ہوئے ہیں اور جن احادیث پر امام صاحب نے عمل نہیں کیا وہاں ان سے زیادہ قوی حدیث یا قرآن کے عموم اور ظاہر پر عمل کیا ہے۔ اس کو رد حدیث پر محمول کرنا جہالت ہے بلکہ اس کی حقیقت دو دلیلوں میں سے اقویٰ کو ترجیح دینا ہے۔

اس کے بعد طلوع، اسلام نے اسی تاریخ خطیب سے بعض روایات نقل کر دی ہیں۔ جس پر بہت تفصیل کے ساتھ ہم کلام کر چکے ہیں کہ اس میں امام صاحب کے جس قدر معائب بیان کئے گئے ہیں۔ ان کی کوئی سند بھی عیب سے خالی نہیں۔ چنانچہ یہاں بھی نصر بن محمد مروزی سے نقل کیا گیا ہے کہ ایک شامی امام ابوحنیفہ سے فقہ پڑھ کر اپنے وطن کو واپس جانے لگا۔ تو اس سے کہا تم بہت بڑے شہر کو اپنے ساتھ لے جا رہے ہو۔ اس کی سند میں حاجب بن احمد طوسی ہے۔ جس کے متعلق حاکم نے لکھا ہے کہ

اس نے کبھی کوئی حدیث نہیں سنی۔ مطلب یہ کہ وہ کبھی علماء کی مجلس میں نہیں بیٹھا۔ اور اگر روایت کو مان لیا جائے تو نصر بن محمد یا امام صاحب نے اہل شام کی مذمت کے طور پر یہ فرمایا ہوگا کہ تم بڑے شر کو اپنے ساتھ لے جا رہے ہو۔ کیونکہ اہل شام فقہ حنفی کو اس وقت شر سمجھتے تھے۔ حالانکہ وہ سراسر خیر ہے۔ مطلب یہ تھا کہ جس فقہ کو تم خیر سمجھ کر لے جا رہے ہو۔ تمہارے ملک والے اس کو خیر نہیں سمجھتے۔ کیونکہ محدث شام اوزاعی اس وقت تک امام صاحب سے منحرف تھے۔ پھر آخر میں حج کے موقع پر امام صاحب سے ملے تو ان کی عظمت کے قائل ہو گئے۔

تاریخ خطیب میں اضافہ کرنے والے اصل مقصود لو تو سمجھے نہیں اس روایت کو بھی امام صاحب کے عیوب میں لکھ مارا۔ طلوع اسلام کو تو ڈوبتے کے لئے تنکے کا سہارا چاہیے اس نے اس سے اپنا الو سیدھا کر لیا کہ امام ابو حنیفہ جب اپنی فقہ کو سب سے بڑی شرفر مار رہے ہیں۔ وہ اس کو غیر متبدل کیسے کہہ سکتے ہیں؟ اس عقلمند سے کوئی پوچھے کہ متبدل یا غیر متبدل ہونے کا سوال تو الگ رہا۔ سب سے پہلا سوال تو یہ ہے کہ جب امام صاحب اپنی فقہ کو سب سے بڑی شر سمجھتے تھے تو ساری عمر اس میں کیسے مشغول رہے؟ اور امت بھی بے وقوف ہی تھی کہ سب سے بڑی شر میں درجہ اعلیٰ حاصل کرنے پر انہیں امام اعظم کا لقب دے دیا۔ یہ حال ہے منکرین حدیث کی عقل کا بس یوں ہی یہ لوگ قرآن و بھی سمجھتے ہوں گے کہ ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھیں۔

اس کے بعد مزاحم میں زفر سے نقل لیا ہے کہ امام صاحب نے اپنے فتاویٰ و نسبت فرمایا بخدا مجھے معلوم نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ باطل ہو اور اس کے باطل ہونے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ ہو۔ پھر امام زفر سے نقل کیا ہے کہ امام صاحب نے ابو یوسف سے فرمایا۔ تیرا ناس ہو جو کچھ تو مجھ سے سنتا ہے۔ اسے سب کا سب نہ لکھ لیا کر کیونکہ آج میری کچھ رائے ہوتی ہے اور کل میں اسے چھوڑ دیتا ہوں اور کل میری کچھ رائے ہوتی ہے اور پرسوں میں اسے چھوڑ دیتا ہوں۔

نیز ابو نعیم سے نقل لیا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے فرمایا مجھ سے کوئی مسئلہ نقل نہ کرے۔

کیونکہ بخدا مجھے خبر نہیں کہ میں اپنے اجتہاد میں خطا کار ہوں یا مصیب؟ ان سب روایات کی سندوں میں ابن رزق۔ ابن سلم موجود ہیں جن پر بار بار جرح کوزر چکی ہے۔ نیز ابراہیم جوہری بھی سندوں میں درج ہوا ہے۔ جس پر حافظ تاج شاعر نے جرح کی ہے کہ یہ شخص نہ شہ بیان کرتے ہوئے سو جاتا تھا اور لوگ لقمہ دیتے اور یہ اسی حالت میں لقمہ لیتا تھا۔

شیخ روایت وہ ہے جو حافظ ابن ابی العوام نے امام طحاوی کے حوالہ سے محمد بن عبداللہ یحییٰ سے سلیمان بن عمر ان سے اسد بن الفرات سے اسد بن عمرو سے بیان کی ہے کہ ہم لوگ امام صاحب کے سامنے مسائل میں اپنے اپنے مختلف جوابات بیان کرتے تھے امام صاحب سے کوسن کر اپنا جواب بیان کرتے جو سب پر حاوی ہوتا تھا۔ بعض دفعہ ایک مسئلہ میں تین دن تک بحث ہوتی رہتی۔ اس کے بعد اس کو دفتر میں لکھا جاتا تھا۔ اسی سند سے یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ امام صاحب کے جن اصحاب نے امام صاحب کے مسائل کتابوں میں جمع کئے ہیں۔ وہ چالیس حضرات تھے۔ حافظ صمیری (شیخ الخطیب) نے اپنی سند سے الحق بن ابراہیم سے روایت کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے اصحاب ایک ایک مسئلہ میں ان کے ساتھ غور و خوض کرتے تھے۔ اگر عافیہ (القاضی) کسی دن مجلس میں حاضر نہ ہوتے تو امام صاحب فرماتے کہ ابھی اس مسئلہ (کی بحث) ختم نہ کرو جب تک عافیہ نہ آجائے۔ جب وہ حاضر ہوتے اور سب کی موافقت کرتے اس وقت امام صاحب اس مسئلہ کو مع جواب کے دفتر میں لکھنے کا حکم دیتے ورنہ منع کر دیتے۔ اس طرح فقہ حنفی کے مسائل مدون ہوئے ہیں کہ سب تک ہر مسئلہ پر پہلو سے پوری طرح بحث و گفتگو ختم نہ ہو جاتی اس وقت تک اس کو کتاب میں درج نہیں لیا جاتا تھا۔ ممکن ہے امام ابو یوسف نے کسی مسئلہ میں تنہا امام صاحب کا جواب سن کر اسے نوٹ کر لیا ہو۔ اور امام صاحب نے منع کر دیا ہو کہ جب تک جملہ فقہاء و محدثین و اراکین مجلس اس مسئلہ پر پہلو سے گفتگو نہ کر لیں اس وقت تک دفتر فقہ میں کوئی مسئلہ درج نہ کرو۔ اب آپ ہی انصاف کیجئے کہ جس امام نے اس طرح بڑے بڑے محدثین و فقہاء و مجتہدین اور ماہرین حدیث کے مشورہ سے قرآن و حدیث کے مسائل کو منضبط کیا ہو اس کی فقہ قیامت تک کے لئے امت مسلمہ دستور العمل بننے قابل ہے یا جو پست و

تنہا اپنی عقل سے قرآن کے مطالب بیان کریں وہ قیامت تک کے لئے امت کا دستور العمل بن سکتے ہیں؟ جن کی حالت یہ ہے کہ قرآن و حدیث کو صحیح طور سے پڑھ بھی نہیں سکتے۔ سمجھنا تو درکنار ان علممندوں سے کوئی پوچھے کہ قرآن کے غیر متبدل ہونے سے یہ کہاں لازم آیا کہ جو کچھ تم اس کا مطلب بیان کرتے ہو وہ بھی غیر متبدل ہے؟ امام ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ حدیث رسول قرآن کا بیان ہے۔ اس لئے قرآن کے وہی معانی و مطالب صحیح ہیں جو حدیث کی روشنی میں بیان کئے جائیں۔ اور فقہاء و مجتہدین کا قیاس قرآن و حدیث کے معانی و مطالب کا مظہر ہے۔ خود کسی معنی و مطلب کا ثبوت نہیں۔ اس لئے فقہاء و مجتہدین کے اقوال سے قرآن و حدیث ہی کے مطالب ظاہر ہوتے ہیں۔ کسی خارجی حکم کا اثبات نہیں ہوتا۔ تو جب قرآن قیامت تک کے لئے دستور العمل ہے۔ حدیث و فقہ بھی قیامت تک کے لئے دستور العمل ہیں کیونکہ یہ اسی کا بیان اور تشریح ہیں۔

﴿قال ابن عبد البر في مباحث السنة ان ذلك المعبر في السنة هو المراد في الكتاب فكان السنة بمنزلة التفسير والشرح لمعاني احكام الكتاب و دل على ذلك قوله تعالى لتبين للناس ما نزل اليهم فاذا حصل بيان قوله تعالى والسارق والسارقة فاقطعوا ايديهما بان القطع من الكوع و ان المسروق نصاب فاكثر من حرز مثله فذلك هو المراد من الآية. لا ان تقول ان السنة اثبت هذه الاحكام دون الكتاب. كما اذا بين لنا مالک و غيره من المفسرين معنى آية او حديث فعملنا بمقتضاه فلا يصح لنا ان نقول انا عملنا بقول فلان دون ان نقول عملنا بقول الله او قول رسوله عليه الصلاة والسلام وهكذا سائر ما بينته السنة من كتاب الله تعالى فمعنى كون السنة قاضية على الكتاب انها بينة له



فلا یوقف مع اجمالہ و احتمالہ و قد بینت المقصود منه  
لا انها مقدمة عليه ۵۱

(من فتح المهمل جلد ۱ ص ۲۱)

”علامہ حافظ ابن عبد البر نے سنت کے باب میں فرمایا ہے کہ جو کچھ سنت میں بیان کیا گیا ہے کتاب اللہ کی مراد کا بیان ہے۔ سنت کتاب اللہ کے معانی کی تفسیر اور شرح ہے جس پر حق تعالیٰ کا ارشاد لتبین للناس ما نزل الیہم دلالت کر رہا ہے۔ مثلاً جب حدیث نے بیان کر دیا کہ آیت والسارق والسارقة فاقطعوا ايديهما (چوری کرنے والے مرد و عورت کا ہاتھ کاٹ دو) سے مراد پینچے کے گٹے سے ہاتھ کاٹنا ہے جبکہ مقدار نصاب کی چور کی گئی ہو (یعنی ربع دینار یا ایک دینار) اور محفوظ مال کی چوری کی گئی ہو، تو کہا جائے گا کہ آیت کی مراد یہی ہے۔ جو حدیث میں مذکور ہے۔ یہ نہ کہا جائیگا کہ یہ احکام حدیث نے ثابت کئے ہیں قرآن نے ثابت نہیں کئے۔ جیسے امام مالک یا اور کوئی مجتہد ہمارے سامنے کسی آیت یا حدیث کا مطلب بیان کرے اور ہم اس کے موافق عمل کریں تو یہ کہنا صحیح نہیں کہ ہم نے فلاں کے قول پر عمل کیا ہے بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ ہم نے اللہ و رسول کے ارشاد پر (فلاں مجتہد کی تفسیر کی روشنی میں) عمل کیا ہے۔ اسی طرح ان تمام احکام کو سمجھو جو حدیث نے احکام کتاب اللہ کے متعلق بیان کئے ہیں۔ پس یہ جو کہا گیا ہے کہ سنت کتاب اللہ پر فیصلہ کرتی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ سنت کتاب اللہ کے مقصود کو بیان کرتی ہے۔ لہذا قرآن کے اجمال و احتمال پر ٹھہر جانا جائز نہیں



جبکہ سنت نے اس کا مقصود واضح کر دیا ہے۔ اس قول کا یہ مطلب ہے  
گز نہیں کہ سنت کتاب اللہ سے مقدم ہے اھ۔

یہی تمام اہل مذاہب کا مسلک ہے کہ وہ امام ابو حنیفہ۔ امام مالک امام شافعی  
واحد بن حنبل کا اتباع نہیں کرتے بلکہ ان کی تفسیر کی روشنی میں کتاب اللہ اور سنت  
رسول کا اتباع کرتے ہیں اور جب کتاب اللہ ناقابل تبدیل ہے تو اس کے وہ معانی و  
مطالب بھی جو حدیث نے بیان کئے ہیں فقہاء امت نے قرآن و حدیث سے سمجھ کر  
بیان کئے ہیں۔ ناقابل تبدیل ہیں۔ مگر چونکہ مجتہد معصوم نہیں اس لئے وہ قرآن و  
حدیث سے مسائل کا استنباط کرنے کے بعد یہی کہے گا کہ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے۔  
یہ ہماری فہم کے مطابق ہے۔ جو بہتر سے بہتر ہم نے سمجھا ہے اگر کوئی ہمارے قول سے  
بہتر قرآن و حدیث کا مطلب بیان کر سکے وہی صحت کے زیادہ قریب ہوگا۔ اس میں  
طلوع اسلام کے لئے کوئی حجت نہیں کیونکہ وہ بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ قرآن کا  
مطلب بیان کرنے میں وہ خطا سے معصوم ہے۔ قرآن کی عبارت و الفاظ تو یقیناً محفوظ  
ہیں۔ مگر اس کا جو مطلب ادارہ طلوع اسلام اپنی طرف سے بیان کرتا ہے اس کے محفوظ  
اور معصوم ہونے کی کیا دلیل ہے۔

پس اگر خطا سے معصوم نہ ہونا فقہ کو قابل تبدیل قرار دے سکتا ہے۔ تو وہ  
معانی و مطالب بھی قابل تبدیل ہیں۔ جو ادارہ طلوع اسلام قرآن کی شرح میں بیان  
کرتا ہے۔ ورنہ وہ فرق بتلائے کہ اس کے بیان کردہ معانی و مطالب کو حدیث و فقہ  
کے بیان کردہ معانی و مطالب پر کیا ترجیح ہے اور کیوں؟ جماعت منکرین حدیث نے  
بس ایک لفظ یاد کر لیا ہے کہ آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر غیر متبدل صرف قرآن  
ہے۔ مگر ان عقلمندوں نے یہ نہیں سمجھا کہ قرآن کے غیر متبدل ہونے کا لازمی نتیجہ یہ ہے  
کہ اس کے معانی و مطالب بھی غیر متبدل ہیں۔ اب اس کا فیصلہ کرنا رہ گیا کہ قرآن

کے معانی و مطالب وہ صحیح ہیں۔ جو حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور فقہ میں فقہاء امت نے بیان کئے ہیں یا وہ صحیح ہیں جو پرویز اور تمنا عنادی محض بہت دھڑی سے بے پر کی اڑاتے ہیں؟

اس حقیقت کو سمجھ لینے کے بعد ہر شخص یہ کہنے پر مجبور ہوگا کہ طلوع اسلام جس مسلک کی طرف دعوت دے رہا ہے۔ وہ نہ حضرات صحابہ کا مسلک ہے نہ اجلہ تابعین کا نہ امام ابوحنیفہ کا۔ بلکہ خوارج کا مسلک ہے۔ جن کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد شروع مقالہ میں بیان کر چکا ہوں ان ادر کتھم لا قتلھم قتل عاد و ثمود کہ اگر میں ان کو پاؤں تو قوم عاد و ثمود کی طرح نیست و نابود کر کے رکھ دوں۔



حوانج بشریہ اور تعلیم نبوت



## ﴿حوانج بشریہ اور تعلیم نبوت﴾

زندگی کی ضروریات سے جن کو حوانج بشریہ کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے تقریباً ہر شخص واقف ہے اور ان کے پورا کرنے کے لئے ہر انسان کا ایک خاص طرز عمل ہے خواہ وہ اس نے اپنی طبیعت سے ایجاد کیا ہو یا کسی حکیم و ڈاکٹر سے پوچھ کر اختیار کیا ہو یا کسی آسمانی و غیر آسمانی کتاب سے اس نے سمجھا ہو یا اپنے ملک و رواج کے دستور العمل سے اخذ کیا ہو کھانا پینا سونا جاگنا، شادی و غمی، تکلم و سکوت یہ وہ ضروریات ہیں جن سے کوئی شخص مستثنیٰ نہیں اور ان کی تھوڑی بہت ضرورت ہر انسان کا حق ہوتی ہے اس وقت ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضروریات زندگی کے پورا کرنے میں جس طرز عمل کو اختیار فرمایا اور اس کے اتباع کو اپنی امت کے لئے سنت قرار دیا وہ کس درجہ کامل و مکمل دستور العمل ہے جس میں ثواب آخرت و رضاء الہی کا بھرپور خزانہ موجود ہونے کے علاوہ انسان کی دنیوی مصالح اور حفظ صحت وغیرہ کی بھی اس درجہ رعایت کی گئی ہے کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں پھر ہر کام میں افراط و تفریط کے دونوں مضر پہلوؤں سے بچا کر ایسا معتدل طریقہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار کیا ہے جس پر نظر کرتے ہوئے ہر منصف کو یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ درحقیقت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انسان کامل اور سید البشر اور تمام عالم سے عقل و حکمت میں ممتاز ہیں چنانچہ حوانج بشریہ یا ضروریات زندگی کی تین قسمیں ہیں ایک وہ جن میں قلت اور کمی کا پہلو اختیار کرنا افضل ہے دوسری وہ جن میں کثرت اور زیادت قابل مدح ہوتی ہے۔ تیسرے وہ جن میں اختلاف ہے کہ کسی کے نزدیک ان میں قلت اور کمی افضل ہے اور کسی کے نزدیک کثرت و زیادت۔

اب ہم ان تینوں قسموں کے متعلق یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ضرورت بشری میں ہمیشہ افضل جانب ہی کو اختیار فرمایا ہے اور آپ کا طرز عمل ہر صورت میں وہی رہا ہے جو عقلاً درجہ کمال سمجھا جاتا ہے چنانچہ کھانا پینا اور سونا یہ

وہ ضروریات ہیں جن میں قلت اور کمی کو اختیار کرنا تمام عقلاً، حکماً، عرب و عجم کے نزدیک بالاتفاق افضل ہے اور ان کی زیادتی کو عقلاً و نقلاً و عادتاً برا اور مذموم سمجھا جاتا ہے ہر زمانہ میں عقلاً، اور حکماً، کھانے پینے اور سونے کی قلت کو اپنے لئے مایہ ناز اور سبب افتخار سمجھتے آئے اور ان کی کثرت کو ہمیشہ بری نگاہ سے دیکھتے رہے ہیں کیونکہ کھانے پینے کی کثرت غلبہ حرص کی دلیل ہے نیز اس سے شہوتِ بہیمیہ بھی بہت بڑھ جاتی ہے اور غلبہ حرص اور غلبہ شہوت یہ دو چیزیں ہی دینی اور دنیوی بہت سی مضرتوں کا سبب ہوا کرتی ہیں نیز کھانے پینے کی کثرت سے جسم انسانی بہت سی بیماریوں کا گھر ہو جاتا ہے اور اس سے طبیعت میں گرانی پیدا ہوتی اور دماغِ رطوبات سے بھر جاتا ہے اور کھانے پینے میں کمی کرنا اس کی علامت ہے کہ یہ شخص اپنے نفس پر قابو یافتہ اور قناعت کے جوہر سے ممتاز ہے نیز ان میں کمی کرنے سے شہوتِ بہیمیہ کا بھی زیادہ غلبہ نہیں ہوتا اور صحت و تندرستی بھی اچھی رہتی ہے طبیعت بالکل پھلکی اور دل و دماغ میں نشاط و سرور رہتا ہے اور قوتِ فکر یہ میں بہت تیزی پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح زیادہ سونا نفس کی سستی اور کمزوری کی علامت اور ذکاوت ذہن اور طبیعت کی تیزی کے زائل ہونے کا سبب ہے نیز زیادہ سونے سے کسل بڑھ جاتا اور بلند حوصلگی کم ہو جاتی اور عمر عزیز بے فائدہ رائیگاں جاتی ہے اور دل کی قساوت و غفلت زیادہ ہو کر گویا وہ بالکل مردہ ہو جاتا ہے اور یہ وہ باتیں ہیں جن کے ثابت کرنے کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں بلکہ بداهت اور مشاہدہ خود اس کے لئے کافی دلیل ہے نیز حکماء، سابقین کے اقوال اور صحیح احادیث اور حضراتِ صحابہ و تابعین کے آثار اور حکماء عرب کے اشعار وغیرہ ان کی مذمت و مضرت میں تواتر کے درجہ کو پہنچ چکے ہیں اور جس شخص نے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ مقدسہ کو ایک نظر سے بھی دیکھا ہے وہ اس کا کبھی انکار نہیں کر سکتا کہ آپ نے کھانے اور پینے اور سونے میں ہمیشہ قلت اور کمی کو اختیار فرمایا ہے۔ غذا و نند میں آپ اس درجہ کمی کرتے تھے کہ اس سے زیادہ کمی جائز ہی نہیں کیونکہ حفظِ صحت اور قوتِ علی الطاعت کے لئے جس قدر غذا، اور نیند کی عادت ضرورت ہے اس کا اختیار کرنا تو ہر شخص پر واجب ہے ان دونوں میں اتنی کمی کرنا جس سے صحت پر



برا اثر پڑنے یا طامات میں بہت کمزوری ہونے لگے شرمناک جائز ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیر ہو کر کبھی اپنا پیٹ نہیں بھرا۔ اور مسلم کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن پے در پے گیسوں کی روٹی سیر ہو کر کبھی نہیں کھائی یہاں تک کہ آپ دنیا سے تشریف لے گئے اور قاضی میاض نے اپنی سند متصل کے ساتھ حضرت مقدم بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ماملأ ابن آدم وعاء شراً من بطنه حسب ابن آدم اکلات یقمن صلبه فان کان لامحالة فثلث لطعامه وثلث لشرابه وثلث لنفسه اھ۔ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ پیٹ سے برا کوئی برتن بھی انسان نہیں بھرتا آدمی کے لئے چند لقمے (کھا لینا) کافی ہیں جو اس کی پشت کو سیدھا کر دیں اور اگر وہ لامحالہ زیادہ ہی کھانا چاہے تو ایک تہائی کھانے کے لئے اور ایک تہائی پانی کے لئے اور ایک تہائی سانس کے لئے رکھنا چاہیے (اس سے زیادہ نہ کھانا چاہیے کیونکہ اتنی مقدار صحت بدن کی حفاظت اور اعتدال مزاج کے لئے کافی ہے اتنی خوراک کھانے والا علاج و معالجہ کا بہت کم محتاج ہوگا اور اس کی طبیعت میں صفائی اور رقت ہوگی اور شہوت پر قابو یافتہ ہوگا اس میں غفلت اور قساوت نام کو نہ رہے گی عبادات و طاعات پر مداومت و استقامت اس کے لئے آسان ہو جائے گی۔

ناظرین یہ ہے وہ پاکیزہ تعلیم جو سید ولد آدم صلی اللہ علیہ وسلم نے حوان کج بشریہ کے متعلق اپنی امت کو فرمائی ہے جس میں دنیا اور آخرت دونوں کی مصالح کا پوری طرح لحاظ کیا گیا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی غلام کو خریدنے کا ارادہ فرماتے تو اس کے سامنے کچھ چھوارے اور کھجور لا کر رکھ دیا کرتے تھے اگر وہ زیادہ کھانے والا ہوتا تو آپ صحابہ سے فرما دیتے کہ اس کو واپس کر دو کیونکہ زیادہ کھانا بھی ایک قسم کی نحوست ہے اور زیادہ کھانے پینے ہی سے نیند بھی زیادہ آتی ہے اور سفیان ثوری رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ شب بیداری (کی نعمت) کم کھانے ہی سے نصیب ہوتی ہے جو لوگ پیٹ بھر کے کھانا کھاتے ہیں ان کو راتوں کو جاگنے کی

ہوں نہ کرنا چاہیے اس خیال است و محال است و جنوں۔ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عنترہ شاعر کا یہ شعر پڑھا۔

و لقد ابیت علی الطوی و اطلیلہ حتی انال بہ کریم الماکل

(ترجمہ) میں راتوں کو بھوکا رہتا ہوں اور عرصہ تک بھوکا رہتا ہوں تاکہ اس کے

ذریعے سے عزت کی غذا حاصل کروں۔ تو آپ نے فرمایا کہ اس کے مصداق سیدنا رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور عزت کی غذا سے آپ نے جنت کی طرف اشارہ فرمایا اور سچ یہ

ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس لفظ کو جس معنی پر محمول کیا ہے وہ بہت ہی عجیب و

غریب محمل ہے اگرچہ خود شاعر کو بھی نہ سوجھا ہو اور سلف صالحین میں سے بعض کا ارشاد ہے

لا تاکلوا کثیرا فتشربوا کثیرا فترقدوا کثیرا فتخسروا کثیرا زیادہ نہ کھاؤ پھر

اس پر پانی زیادہ پیو گے اور اس سے نیند زیادہ آئے گی اور زیادہ سونے سے نقصان بہت

اٹھو گے۔ کیونکہ اس سے عمر گرا نما یہ بیفائدہ ضائع ہوتی ہے نیز اطباء کی تحقیق ہے کہ زیادہ

سونے سے عمر بھی گھٹ جاتی ہے۔ وقد روی عنہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان

احب الطعام الیہ ما کان علی ضفیف ای کثرہ الایدی اھ۔ ابو یعلیٰ وغیرہ نے

روایت کی ہے کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ کھانا بہت محبوب تھا جس پر بہت سے

ہاتھ پڑتے ہوں۔ یعنی آپ تنہا کھانے کو پسند نہ فرماتے تھے بلکہ مجمع کے ساتھ کھانا آپ کو

محبوب تھا کیونکہ اس میں علاوہ امید برکت کے کرم و سخاوت اور ہمدردی و مواسات کی بھی

شان پائی جاتی ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر والوں سے

کسی خاص کھانے کی درخواست فرماتے اور نہ کسی خاص غذا کی طرف رغبت و خواہش

ظاہر فرماتے تھے جو کچھ گھر والوں نے کھلا دیا وہ کھالیا اور جو انہوں نے پیش کر دیا اسے

قبول فرمالیا اور جو پلا دیا وہ پی لیا۔

اس پر یہ اشکال نہ کیا جاوے کہ حدیث ابو ہریرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک بار

آپ گھر میں تشریف لے گئے اور آپ کے سامنے کھانا پیش کیا کیا تو آپ نے فرمایا کہ

میں نے ایک باندی میں گوشت پکتا ہوا دیکھا تھا کیا میرا یہ خیال صحیح نہیں (مطلب یہ تھا کہ میرے سامنے وہ گوشت کیوں نہیں لایا گیا) تو اس سے بظاہر یہ شبہ ہوتا ہے کہ آپ نے گوشت کی طرف رغبت ظاہر فرمائی اور یہ بات پہلی حدیث کے خلاف ہے۔

جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھر والوں کی عادت معلوم تھی کہ وہ کسی عمدہ اور لذیذ کو میرے بغیر نہیں کھا سکتے تو پھر آج میرے سامنے جو یہ گوشت نہیں لایا گیا تو شاید وہ اس کو میرے لئے حلال نہیں سمجھتے اس لئے آپ نے حقیقت حال دریافت کرنے کے لئے گوشت کا تذکرہ فرمایا تاکہ اگر مسئلہ شرعی میں ان سے کچھ غلطی ہوئی ہو تو اس پر ان کو متنبہ کر دیا جائے چنانچہ واقعہ یہی تھا کہ وہ گوشت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آزاد کردہ باندی حضرت بریرہ کو کسی نے بطور صدقہ کے دیا تھا اور سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صدقہ کی چیز نہ کھاتے تھے کیونکہ وہ آپ کے لئے حلال نہ تھا اس لئے گھر والوں نے وہ گوشت آپ کے سامنے اس خیال سے پیش نہ کیا کہ شاید یہ حضور کے لئے حلال نہ ہو۔ جب آپ کے دریافت فرمانے پر انہوں نے یہ واقعہ حضور سے عرض کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ صدقہ تو بریرہ کے حق میں تھا اور اب اگر وہ ہمارے سامنے (بہ نیت ہدیہ) پیش کریں تو وہ ہدیہ ہوگا صدقہ نہ ہوگا پس آپ کو گوشت کی طرف رغبت ظاہر کرنا مقصود نہ تھا بلکہ اپنے گھر والوں کو یہ مسئلہ بتلانا مد نظر تھا کہ تبدل ملک سے بعض احکام بدل جاتے ہیں اور یہ علم فقہ کا اتنا بڑا قاعدہ ہے جس سے ائمہ مجتہدین نے صد ہا مسائل مستنبط فرمائے ہیں۔

اور حکمت لقمان میں مذکور ہے کہ انہوں نے اپنے صاحبزادے کو یہ نصیحت فرمائی کہ اے میرے پیارے بیٹے جب معدہ بھر جاتا ہے تو قوت فکر یہ سو جاتی ہے اور حکمت (یعنی عقل) گونگی ہو جاتی اور اعضاء انسانی (ست ہو کر) عبادت سے بیٹھ جاتے ہیں اور صحیح حدیث میں جس کو امام بخاری وغیرہ نے روایت کیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مذکور ہے کہ میں ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھاتا اور ایک حدیث میں آپ کا یہ ارشاد بھی مذکور ہے کہ میں تو (خدا کے تعالیٰ کا) غلام ہوں غلاموں ہی کی طرح کھاتا ہوں اور غلاموں ہی کی طرح بیٹھتا ہوں اور غلاموں ہی کی طرح پانی پیتا ہوں اور کھانے کے وقت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھٹنے کھڑے کر کے بیٹھا کرتے تھے اور تجربہ ہے کہ اس صورت میں کھانا کم کھایا جاتا ہے اور جس طرح آپ غذا میں تقلیل فرماتے تھے اس طرح سونے میں بھی بہت کمی کرتے تھے اور رات کا زیادہ حصہ یاد خدا اور نماز و تلاوت قرآن میں گزارتے تھے چنانچہ آثار صحیحہ اس پر بکثرت شاہد ہیں۔ نیز قرآن میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ مِنْ ثُلُثَيِ اللَّيْلِ وَنِصْفَهُ  
وَتُلُثُهُ وَطَائِفَةٌ مِّنَ الَّذِينَ مَعَكَ﴾ (سورہ مزل پارہ ۲۹)

آپ کے پروردگار کو خوب معلوم ہے کہ آپ دو تہائی رات کے قریب اور (کبھی) آدھی رات اور (کبھی) تہائی رات (نماز میں) کھڑے رہتے ہیں اور آپ کے ساتھ والوں میں سے ایک جماعت بھی (ایسا ہی کرتی ہے) پھر بائیں ہمہ آپ کا یہ بھی ارشاد ہے ان عینی تنامان ولاینام قلبی کہ (نیند میں) میری آنکھیں ہی سوتی ہیں اور دل نہیں سوتا اس سے معلوم ہوا کہ آپ سوتے ہوئے بھی یاد خدا سے غافل نہ ہوتے تھے آپ کا مبارک دل اس وقت بھی خدا کی طرف متوجہ رہتا تھا اور سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوتے وقت داہنی کروٹ پر لیٹا کرتے تھے کیونکہ اس صورت میں دل کو قرار و سکون حاصل نہیں ہوتا وہ معلق ہونے کی وجہ سے بے چین رہتا ہے تو نیند سے جلد افاقہ ہو جاتا ہے اور بائیں پہلو پہ لیٹنے سے چونکہ دل کو قرار و سکون رہتا ہے اس لئے سونے والے کو راحت زیادہ ملتی اور نیند گہری آتی ہے اسی وجہ سے اطباء نے بائیں کروٹ پر لیٹنے کو مفید بتلایا ہے مگر علامہ ابن القیمؒ نے ثابت کیا ہے کہ طبی اصول سے بھی دائیں کروٹ ہی پر لیٹنا مفید ہے کیونکہ اس صورت میں قلب اونچا رہتا ہے تو اس کی طرف بدن کے بخارات کم پہنچتے ہیں اور خون کا سیلان بھی اس کی طرف نہیں ہوتا اور بائیں کروٹ پر لیٹنے سے قلب کی طرف خون کا سیلان زیادہ ہوتا اور بدن کے بخارات بھی زیادہ پہنچتے ہیں جس سے قلب کمزور ہو جاتا ہے۔

ناظرین کرام اس وقت میں نے بہت اختصار کے ساتھ آپ کے سامنے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل کھانے پینے اور سونے کے متعلق بیان کر دیا ہے

جس سے آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان امور میں بہت قلت اور کمی فرماتے تھے اور ان میں کمی کرنا ہی باتفاق عقل و نقل بہتر اور افضل ہے لیکن اتنی گزارش اخیر میں ضروری ہے کہ اس پر عمل کرتے ہوئے اپنی قوت کا اندازہ ضرور کر لیا جائے ایسا نہ ہو کہ آپ ان میں اتنی کمی کر دیں جو صحت اور قوت کے لئے ضرور رساں ثابت ہو کہ ایسا کرنا شرعاً جائز نہیں اب میں اس مضمون کو ختم کرتا ہوں اور اگر توفیق الہی نے ساتھ دیا تو انشاء اللہ بقیہ حوائج بشریہ کے متعلق بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل آپ کے سامنے پیش کروں گا۔

والسلام

## حوائج ضروریہ اور تعلیم نبوت

### نکاح

ناظرین کو انور کے گزشتہ نمبر میں معلوم ہو چکا ہے کہ حوائج بشریہ اور ضروریات زندگی کی تین قسمیں ہیں جن میں سے ایک قسم کا بیان پہلے گزر چکا ہے جس میں عقلاً و نقلاً قلت اور کمی اختیار کرنا موجب مدح ہے آج ہم دوسری قسم کی نسبت کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں جس میں کثرت اور زیادت باعث مدح اور سرمایہ ناز شمار کی جاتی ہے۔ جیسے قوت نکاح اور عزت و جاہ یہ دونوں ایسے اوصاف ہیں کہ یہ کسی شخص میں جس قدر زیادہ اور کمال کے ساتھ پائے جائیں اسی قدر اس کی تعریف کی جاتی اور مدح و ثناء سے داد و بھائی ہے چنانچہ قوت نکاح کی زیادت کا محمود ہونا تو شرعاً و عادۃً تسلیم شدہ ہے انبیاء سابقین کی تمام شریعتیں اور عقلاء و حکماء کے اقوال اس کی مدح میں متفق نظر آتے ہیں کیونکہ قوت نکاح کامل ہونا کس کی دلیل ہے کہ یہ شخص قوی المزاج ہے اور مردانگی کا جو ہر بدرجہ اتم اس کو حاصل ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ قوت مردانگی ہی اکثر اخلاق حمیدہ کی جڑ اور بلند حوصلگی کی بنیاد ہے۔ شجاعت اور بہادری، جرات اور دلیری، سخاوت اور اولوالعزمی، بلند حوصلگی اور سیرچشمی یہ تمام صفات قوت مردانگی ہی سے پیدا ہوتی ہیں عنین اور نامرد کو ان خصلتوں کی ہوا بھی نہیں لگتی اسی لئے نامردی ایک ایسا عیب ہے جس کو ہر شخص نفرت کی

نگاہ سے دیکھتا اور اس سے پناہ مانگتا ہے اور بعض لوگوں نے تو اس عیب کی ندامت اور شرمندگی کی وجہ سے حرام موت مر جانے کو بے لطف زندگی پر ترجیح دیکر خودکشی بھی کر لی ہے اور جس قدر یہ عیب ایک سنگین اور ناقابل برداشت عیب ہے۔ یوں ہی قوت مردانگی ایک بہت بڑا مایہ فخر اور اعلیٰ ترین جوہر ہے پھر جس طرح تمام اخلاق حمیدہ ہر شخص میں مختلف طور پر پائے جاتے ہیں کہ کسی میں کوئی خصلت بدرجہ کمال ہے کسی میں بدرجہ متوسط کسی میں بدرجہ ادنیٰ اسی طرح قوت مردانگی میں بھی لوگوں کے مختلف درجے ہیں اور ظاہر ہے کہ جس طرح کامل بہادر وہ شخص ہے جس سے زیادہ بہادر کوئی نہ ہو کامل تخی وہ ہے جس سے زیادہ تخی کوئی نہ ہو اسی طرح کامل مرد وہ ہے جس سے زیادہ قوت مردانگی کسی میں نہ ہو اور چونکہ یہ قوت تمام اعلیٰ خصلتوں کی بنیاد ہے اس لئے اس کا کامل درجہ میں پایا جانا ہر شخص کو محبوب و مطلوب ہے یہی وجہ ہے کہ ہمیشہ ہر زمانہ میں کثرت نکاح پر لوگ فخر کرتے اور اپنے اکابر کی مدح میں اس وصف کو پیش کرتے رہے ہیں جس کا انکار بجز بہت دھرم نا منصف آدمی کے کوئی نہیں کر سکتا اور شرعی نقطہ نظر سے بھی کثرت نکاح باعث افتخار و موجب مدح ہے اور اس کے متعلق بکثرت آثار و احادیث منقول ہیں چنانچہ امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے افضل بذہ الامۃ اکثر ہا نساء کہ اس امت میں سب سے افضل و اکمل وہ ذات ہے جس کی بیبیاں سب سے زیادہ ہیں یعنی سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیونکہ آپ نے گیارہ عورتوں سے نکاح کیا ہے جن میں سے حضرت خدیجہ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہما کا انتقال آپ کے سامنے ہی ہو گیا تھا باقی نو بیبیاں آپ کے بعد تک زندہ رہیں اور اتنے نکاحوں کی اجازت اس امت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی کو نہیں ہوئی نیز ابن مردویہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کی ہے تَنَا كَحُوا فَاَنِي مَبَاهُ بَكُمُ الْاِمَمُّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ فِي لَفْظِ الطَّبْرَانِي فِي الْاَوْسَطِ تَزَوَّجُوا الْوُلُودَ فَاَنِي مَكَاثِرُ بَكُمُ الْاِمَمُّ وَ فِي رَوَايَةِ ابِي دَاوُدَ وَ النَّسَائِي وَ ابْنِ مَاجَةَ فَاَنَا مَكَاثِرُ بَكُمُ الْاِمَمُّ سَيِّدُنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ نکاح کیا کرو کیونکہ میں قیامت میں تمہارے ساتھ فخر کروں گا اور طبرانی کی



روایت میں ہے کہ زیادہ بچے جننے والی عورتوں سے نکاح کیا کرو کیونکہ میں تمہاری کثرت پر دوسری امتوں کے مقابلہ میں فخر کرونگا اور شیخین نے یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبخل سے منع فرمایا ہے جس کے معنی عورتوں سے علیحدگی اختیار کرنا اور نکاح سے پرہیز کرنا ہے کیونکہ یہ طریقہ راہبوں کا ہے اور نصاریٰ کی شریعت میں اس کی بہت فضیلت بیان کی جاتی ہے مگر شریعت اسلامیہ نے اس سے منع کیا ہے لارہبانیۃ فی الاسلام اسلام میں رہبانیت کا طریقہ نہیں ہے اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ قوت مردانگی انسان کا اعلیٰ ترین جوہر ہے جو فطرۃ اس میں ودیعت رکھا گیا ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ جس قوت سے کام نہیں لیا جاتا وہ رفتہ رفتہ کمزور ہو کر زائل ہو جاتی یا زوال کے قریب ہو جاتی ہے پس یہ کسی طرح مناسب نہیں کہ انسان ایسے اعلیٰ جوہر کو جس سے بیشمار عمدہ خصلتیں اس میں پیدا ہوتی ہیں برباد کر کے اپنی فطرت میں نقصان و عیب کو جگہ دے کیونکہ اس قوت کے کمزور ہو جانے کا اثر دوسرے اخلاق پر بھی ضرور پڑتا ہے بہادری اور بلند حوصلگی اسی قوت پر موقوف ہے۔ دوسرا بقاء عالم کیلئے بھی اس کی بہت زیادہ ضرورت ہے پس شریعت اسلامیہ نے اس جوہر کے برباد کرنے کو پسند نہیں کیا، علاوہ ازیں نکاح میں دینی اور دنیوی بہت سے منافع ہیں جو اس کے بدون حاصل نہیں ہو سکتے۔ مثلاً مرد و عورت کی شہوت نفسانی کو سکون حاصل ہونا اور نگاہ و قلب کا عقیف ہو جانا یہ باتیں بدون نکاح کے بہت کم حاصل ہوتی ہیں یہ ممکن ہے کہ کوئی مرد مجاہدات و ریاضات سے اپنی خواہش پر قابو یافتہ ہو جائے لیکن اس میں جس قدر دشواریاں پیش آتی ہیں ان کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جن پر یہ حالت گزری ہے بالخصوص نکاح نہ کرنے سے عورتوں کی زندگی پر جو برا اثر پڑتا ہے وہ کسی سے مخفی نہیں جن لوگوں میں نکاح نہ کرنے یا کم کرنے کا رواج ہے ان کی عورتیں عقیف و پاکدامن بہت کم ہوتی ہیں آئے دن ایسے عفت سوز واقعات پیش آتے ہیں جن کے سننے سے کلیجہ کانپ اٹھتا ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ بے حیائی اور فحاشی انسان کے دین و دنیا دونوں کیلئے سخت تباہ کن ہے۔ اسی لئے سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج



فانه اغض للبصر واحصن للفرج ومن لافا لصوم له وجاء رواه الحسنی۔ جو کوئی اسباب نکاح کی قدرت رکھتا ہو اس کو ضرور نکاح کر لینا چاہیے کیونکہ اس سے نگاہ نیچی رہتی ہے اور شرمگاہ (حرام کاری سے) محفوظ ہو جاتی ہے اور جس کو قدرت نکاح نہ ہو وہ روزے رکھا کرے کہ اس سے اس کی شہوت کم ہو جائے گی۔ امت محمدیہ میں اولیاء کرام کی جماعت باوجود یکہ دنیا کی لذات سے بے رغبتی میں مشہور ہے اور زہد کی تعلیم ان کے طریق میں سب سے پہلے کی جاتی ہے مگر نکاح کو وہ بھی زہد کے خلاف نہیں سمجھتے۔ سہل بن عبد اللہ تستری جو کہ جلیل القدر زاہد اور بہت بڑے عابد گزرے ہیں فرمایا کرتے تھے کہ جو چیز سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب تھی اس سے بے رغبتی کیونکر کی جاسکتی ہے اور شیخ علی متقی کا ارشاد ہے کہ ہر خواہش دل کو تاریک بنا دیتی ہے مگر نکاح سے دل میں نور اور صفائی پیدا ہوتی ہے اور سفیان ثوری رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ زیادہ عورتوں (سے نکاح کرنے) میں (کچھ بھی اسراف نہیں بخدا میں نئی شادی کا مشتاق ہوں اس لئے حضرات صحابہ میں جو لوگ زاہد مشہور تھے ان کے پاس بیبیاں اور باندیاں بکثرت تھیں اور قوت باہ میں بھی وہ دوسروں سے زیادہ تھے حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے انتقال سے ساتویں دن دوسرا نکاح کیا پھر ان کے پاس چار بیبیاں اور انیس باندیاں ان عورتوں کے علاوہ تھیں جو وفات پا گئیں یا طلاق دیکر الگ کر دی گئی تھیں اور حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نکاح میں بہت رغبت رکھتے تھے مگر اس کے ساتھ طلاق بھی بہت جلدی دیدیا کرتے تھے اسی لئے دو سو شریف زادیوں سے آپ نے نکاح کیا ہے اور بعض دفعہ چار عورتوں سے ایک ہی عقد میں نکاح کیا ہے ایک بار حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے اپنے خطبہ میں فرمایا کہ اے لوگو! حسن اپنی بیبیوں کو بہت جلدی طلاق دے دیتے ہیں تم ان کو سوچ سمجھ کر اپنی لڑکیاں دیا کرو لوگوں نے جواب دیا کہ اے امیر المؤمنین ہم بخدا اپنی لڑکیاں ان کو ضرور دیں گے اور بلا تامل دیں گے پھر جوان کو پسند آئے گی اس کو رکھ لیں گے اور جو نا پسند ہوگی اس کو طلاق دیدیں گے ایک مرتبہ امام حسن رضی اللہ عنہ نے سعید بن مسیب فراز داک کی لڑکی کو پیغام نکاح دیا اور

آپ کیساتھ ہی امام حسین اور ان کے چچا زاد بھائی عبداللہ بن جعفر نے بھی پیغام بھیجا، سعید بن مسیب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا کہ میری لڑکی کے لئے تین صاحبوں کا پیغام آرہا ہے میں کس سے اس کا نکاح کروں آپ نے فرمایا کہ حسن تو طلاق بہت دیتے ہیں اور حسین کے مزاج میں سختی ہے لیکن تم عبداللہ بن جعفر کے پیام کو منظور کرلو، چنانچہ انہی سے اس کا نکاح ہو گیا۔

ف۔ سبحان اللہ اسلامی صداقت اس کو کہتے ہیں کہ باپ ہو کر اپنی اولاد کی ذرا پرواہ نہیں کرتے اور لڑکی والے سے اپنی اولاد کی حالت صاف صاف کھول دیتے ہیں کہ ان میں فلاں فلاں بات ہے تم ان سے اپنی بیٹی کا نکاح نہ کرو بلکہ تیسرے شخص سے کر دو۔ مسلمانوں کو اس واقعہ سے سبق لینا چاہیے (الغرض نکاح کو کسی نے بھی زہد کے خلاف نہیں سمجھا بلکہ بہت سے علماء نے اس کو مکروہ سمجھا ہے کہ انسان حق تعالیٰ سے ایسی حالت میں ملاقات کرے کہ اس کے نکاح میں کوئی عورت نہ ہو۔

ایک مرتبہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی دو بیبیاں طاعون میں فوت ہو گئی تھیں اور وہ خود بھی اس وقت طاعون میں مبتلا تھے آپ نے اسی حالت میں فرمایا کہ میرا نکاح جلدی کسی عورت سے کرو کیونکہ میں بے نکاحی کی حالت میں خدا تعالیٰ سے ملنا پسند نہیں کرتا اور اس میں راز یہ تھا کہ وہ حق تعالیٰ سے ایسی حالت میں ملنا چاہتے تھے کہ اس کی تمام مرضیات پر عمل کئے ہوئے ہوں اور نکاح حق تعالیٰ کو پسند ہے اس لئے بدون نکاح کئے مرنا ان کو گوارا نہ تھا کیونکہ یہ حالت سنت نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف تھی۔

اور حضرت عبداللہ بن عمر صحابہ میں بہت بڑے زاہد تھے مگر اسی کے ساتھ ان کی قوت باہ کی یہ حالت تھی کہ وہ رمضان کا روزہ جماع سے افطار کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ رمضان کے مہینہ میں انہوں نے عشاء سے پہلے اپنی تین باندیوں سے فراغت حاصل کی حالانکہ اس وقت تک آپ نے کچھ کھایا پیا ہی نہ تھا اور سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باوجود یکہ کھانے پینے میں بہت کمی کرتے تھے اور بعض دفعہ چند در چند فاقوں کی وجہ سے پیٹ کو پتھر بھی باندھ لیا کرتے تھے اور پہلے یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ سیدنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی دو وقت سیر ہو کر گیہوں کی روٹی نہیں کھائی یہاں تک کہ دنیا سے تشریف لے گئے۔ اس حالت میں حق تعالیٰ نے آپ کو قوت جماع اس درجہ عطا فرمائی تھی جو خلافِ عادت ہونے کی وجہ سے نہایت حیرت انگیز ہے اسی لئے آپ کے واسطے نو بیبیوں سے نکاح کرنے کی حق تعالیٰ نے اجازت دی حالانکہ اس امت میں چار سے زیادہ نکاح کی ایک وقت میں کسی کو اجازت نہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بخاری اور نسائی نے روایت کی ہے کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر رات اور دن میں کسی وقت اپنی تمام بیبیوں سے فراغت حاصل کر لیا کرتے تھے حالانکہ وہ شمار میں گیارہ تھیں نو بیبیاں اور دو باندھیاں جن میں ایک کا نام ماریہ قبطیہ تھا اور دوسری کا ریحانہ حضرت انس فرماتے ہیں کہ ہم لوگ آپس میں یہ کہا کرتے تھے کہ حضور کو تمیں مردوں کی قوت عطا کی گئی ہے۔

ترمذی اور ابن ماجہ و نسائی نے ابو رافع سے بھی (جو کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں) اسی کے موافق روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سب بیبیوں سے فراغت حاصل کی اور ہر ایک کے پاس جدا غسل کیا اور طاؤس و صفوان بن سلیم رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس مردوں کی قوت عطا کی گئی تھی اور ابو نعیم نے مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس مردوں کے برابر قوت دی گئی تھی۔ مگر دنیا کے مرد مراد نہیں بلکہ جنت کے چالیس مردوں کے برابر آپ میں قوت تھی۔ اور ترمذی نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ جنت کے ہر مرد میں (دنیا کے) ستر مردوں کے برابر قوت ہوگی اور دوسری روایت سے جس کو ترمذی نے صحیح غریب کہا ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سو مردوں کے برابر طاقت ہوگی۔ پس پہلی روایت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں دو ہزار آٹھ سو مردوں کی طاقت ہوئی اور دوسری روایت چار ہزار مردوں کی۔

اس صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نو بیبیوں پر اکتفا کرنا آپ کے غایت صبر کی دلیل ہے اگر آپ اس سے زیادہ بھی نکاح کرتے تو کچھ عجیب نہ تھا اور حضرات

انبیاء علیہم السلام میں اس قدر قوت کا ہونا محض اہل اسلام ہی کا دعویٰ نہیں بلکہ دیگر اہل کتاب یہود و نصاریٰ بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ انبیاء میں دوسروں سے بہت زیادہ قوت ہوتی ہے تو رات میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی بابت یہ خبر مذکور ہے کہ آپ کی ہزار بیبیاں تھیں بخاری و مسلم نے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ میں آج کی رات سو بیبیوں کے پاس جاؤں گا یا ننانوے فرمایا (راوی کو شک ہے) پھر ان میں سے ہر ایک کے ایک ایک لڑکا پیدا ہوگا جو اللہ کے راستہ میں جہاد کرے گا اور اس وقت آپ کے وزیر نے یا فرشتہ نے کہا کہ انشاء اللہ کہہ لیجئے مگر آپ بھول گئے پھر آپ نے ایسا ہی کیا (کہ ایک رات میں سو یا ننانوے بیبیوں کے پاس گئے) مگر چونکہ انشاء اللہ نہ کہا تھا اس لئے کسی کو حمل نہ ٹھہرا صرف ایک بی بی حاملہ ہوئی جس سے نا تمام بچہ ساقط ہو گیا۔ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ انشاء اللہ کہہ لیتے تو ان کی بات پوری ہو جاتی۔

ابن جریر نے اپنی تفسیر میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوفاً روایت کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی پشت میں سو مردوں کے برابر نطفہ تھا حاکم نے محمد بن کعب سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ مجھ کو یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس سات سو بیبیاں اور تین سو باندیاں تھیں اور سیدنا داؤد علی نبینا وعلیہ السلام باوجود یکہ بہت بڑے زاہد تھے کہ اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھایا کرتے تھے اس پر بھی ان کے پاس ننانوے بیبیاں تھیں جن کی طرف حق تعالیٰ نے اس آیت میں اشارہ فرمایا ہے ان هذا اخی لہ تسع و تسعون نعجة و لی نعجة واحدة۔ طبرانی نے سند جید کے ساتھ حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھ کو (بشریت کے لحاظ سے) چار باتوں میں سب آدمیوں پر فضیلت دی گئی ہے ایک سخاوت میں دوسری شجاعت میں، تیسری کثرت جماع میں، چوتھی مضبوطی کے ساتھ (دشمن کو) پکڑنے میں۔

غرض ان تمام دلائل سے یہ بات بخوبی ثابت ہو گئی کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم قوت مردانگی میں بھی درجہ کمال رکھتے تھے جو کہ مردوں میں بشریت کے لحاظ سے ایک اعلیٰ ترین وصف ہے اور بہت سے اخلاق حمیدہ اسی پر موقوف ہیں۔

اب ہم یہ چاہتے ہیں کہ بعض ان اشکالات کا بھی جواب دیں جو اس مقام پر بعض لوگوں کو پیش آسکتے ہیں۔ سو ممکن ہے کہ کسی شخص کو یہ شبہ پیدا ہو کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے وَتَبْتَئِلْ اِلَيْهِ تَبْتِئِلًا (دنیا سے نظر کو قطع کر کے حق تعالیٰ کی طرف یکسو ہو جاؤ) اس میں تو تبتل کا حکم ہے اور حدیث میں ہے۔ نُهَي صَلي اللہ علیہ وسلم عَنِ التَّبْتَلِ۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبتل سے منع فرمایا ہے سو آیت اور حدیث میں تعارض ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں جس تبتل کی ممانعت ہے اس سے وہ تبتل مراد ہے جس کو نصاریٰ باعث فضیلت سمجھتے تھے۔ یعنی رہبانیت اور عورتوں سے علیحدگی اور بے رغبتی۔ اور آیت میں جس تبتل کا حکم ہے اس سے مراد یہ ہے کہ دل کا تعلق مخلوق سے قطع کر کے حق تعالیٰ کی طرف اس کو متوجہ کرو۔ سو نکاح اس تبتل کے منافی نہیں ہے بلکہ تقریر بالا سے معلوم ہو چکا ہے کہ نکاح اس تبتل میں معین ہوتا ہے کیونکہ اس کے ذریعہ سے عفت اور قلب کو سکون اور وسوسوں و خطرات نفسانی سے نجات حاصل ہوتی ہے۔ جس کے بعد حق تعالیٰ کی طرف اس کا متوجہ ہونا سہل ہے۔

نیز یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ تمام شہوتیں دل کو تاریک کر دیتی ہیں۔ مگر نکاح سے قلب کے نور و صفا میں ترقی ہوتی ہے پس وہ توجہ الی اللہ سے مانع نہیں البتہ اگر کسی کے پاس اہل و عیال کیلئے نفقہ وغیرہ کا خرچ ہی نہ ہو اور اس کو اندیشہ یہ ہے کہ نکاح کرنے سے حرام کمائی پر مجبور ہوگا تو اس کے لئے نکاح بیشک خدا کی طرف متوجہ ہونے سے مانع ہوگا ایسے شخص کو نکاح کرنا جائز نہیں بلکہ اس کو روزے رکھ کر اپنی شہوت کو قبضہ میں کرنا چاہیے جیسا کہ اوپر ایک حدیث میں یہ مضمون گزر چکا ہے اور دوسرا اشکال بعض لوگوں کو یہ پیش آتا ہے کہ حق تعالیٰ عز و جل نے حضرت یحییٰ بن زکریا علی نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام کی مدح میں فرمایا ہے سَيِّدًا وَحَصُورًا وَنَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ (کہ وہ سردار ہونگے اور اپنے نفس کو روکنے والے اور نبی ہونگے شائستہ لوگوں میں سے) اور بعض مفسرین نے



حضور کی تفسیر میں یہ کہا ہے کہ وہ عورتوں کے پاس جانے سے عاجز ہونگے پس اگر نکاح کوئی فضیلت کی چیز ہے تو یحییٰ علیہ السلام کی یہ ثناء و صفت بے موقع ہوئی جاتی ہے۔ نیز عیسیٰ علیہ السلام نے بھی عورتوں کی طرف مطلق التفات نہیں کیا اگر نکاح کرنا بے نکاح رہنے سے افضل ہوتا تو وہ ضرور نکاح کرتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضور کی تفسیر میں جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ یحییٰ علیہ السلام عورتوں کے پاس جانے سے عاجز تھے یہ صحیح نہیں کیونکہ ماہر مفسرین اور علماء ناقدین نے اس کو رد کر دیا ہے۔

نامردی ایک بہت بڑا عیب ہے جو کسی انسان کی تعریف میں ذکر نہیں کیا جاسکتا اور نہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی طرف ایسے عیب کی نسبت کی جاسکتی ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام تمام قوی بشریہ میں کامل ہوتے ہیں بلکہ حضور کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنے نفس کو گناہوں سے یا مباح لذتوں سے روکنے والے ہوں گے اور ظاہر ہے کہ نکاح لذت مستحبہ ہے اس سے نفس کو روکنا مراد نہیں ہو سکتا اور تلمانی نے ذکر کیا ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام آخر زمانہ میں جب آسمان سے دجال کے قتل کرنے کو اتریں گے۔ اس وقت آپ نکاح بھی کریں گے اور آپ کی زینہ اولاد بھی ہوگی۔ اور وفات کے بعد سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اور صدیق اکبرؓ کے درمیان میں دفن ہونگے

اور یحییٰ علیہ السلام نے انتقال سے پہلے ایک عورت سے نکاح کر لیا تھا لیکن آپ کو اس کے پاس جانے کی نوبت نہیں آئی کہ شہید ہو گئے الغرض قوت نکاح کا نہ ہونا بہت بڑا نقص ہے۔ جس سے انبیاء علیہم السلام منزہ ہیں بلکہ کمال یہ ہے کہ یہ قوت موجود ہو اور پھر اس کا توڑ کیا جاوے خواہ مجاہدات و ریاضات سے جیسا کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے کیا یا محض حق تعالیٰ کی حفاظت سے جس میں مجاہدہ کی ضرورت ہی نہ ہو جیسا کہ سیدنا یحییٰ علیہ السلام سے ثابت ہے۔ سو اس کی فضیلت کافی نفسہ ہم کو انکار نہیں کیونکہ نکاح بسا

۱۔ اس حدیث میں بعض لوگوں نے ثلث کا لفظ بڑھا دیا ہے جس سے اشکال وارد ہوتا ہے کہ عورتوں اور خوشبو کا دنیا ہوتا تو مسلم مگر نماز کو کیونکر دنیا میں شمار کیا گیا۔ سولما علی قاری نے شرح شفاء میں فرمایا ہے ولیس زیادة ثلث فی۔ الصحیح الروایات کہ لفظ ثلث کی زیادت صحیح روایت میں نہیں ہے فاندفع ۱۱ اشکال۔

اوقات حق تعالیٰ کے ساتھ یکسوئی میں نفل ہوتا ہے اور دنیا کی طرف مائل کر دیتا ہے لیکن جس شخص کو نکاح کرنے کے بعد حق تعالیٰ سے کسی درجہ میں بھی توجہ کم نہ ہو اور اس کے حقوق کو پوری طرح ادا کر سکے۔ یقیناً یہ مرتبہ پہلے درجہ سے بڑھا ہوا ہے اور سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کی ہم کو تعلیم دی اور عملی طور پر بھی اس کو کر کے دکھا دیا ہے۔ کہ باوجود کثیر التعداد بیبیوں کے پھر بھی آپ کی عبادت الہی اور روزمرہ کے دینی معمولات میں کبھی فرق نہیں آیا اور نہ ان کی محبت نے کسی وقت خدا کے راستہ میں جہاد کرنے سے آپ کو روکا اور نہ آپ نے بیبیوں کی خاطر کبھی دنیا جمع کرنے کی طرف التفات کیا۔ بلکہ جس قدر آپ نے نکاح کئے اسی قدر عبادات الہی میں ترقی کرتے گئے کہ راتوں کو اٹھنے اور نماز میں کھڑے رہنے سے آپ کے قدم مبارک ورم کر جاتے تھے اور بعض دفعہ جب کسی بی بی نے اپنے بستر پر آپ کو نہیں پایا اور تلاش کیا تو آپ کو خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں سر بسجود ہی پایا فصلی اللہ علیہ وعلیٰ الہ وبارک وسلم پھر اس کے ساتھ آپ اپنی بیبیوں کی خواہش کو بھی پورا کرتے اور ان کے حقوق بھی اس طرح ادا کرتے تھے کہ کوئی شخص اس کی نظیر نہیں دکھا سکتا۔

آپ ان کے لئے روزمرہ کی ضروریات بھی بہم پہنچاتے اور دینی ہدایت سے بھی ان کو آراستہ فرماتے تھے کہ بعد میں وہ صد ہا مسائل جن کا تعلق طبقہ نسوان سے ہے انہی بابرکت امہات المومنین سے امت نے معلوم کئے۔ اور یہ وہ باتیں ہیں جن میں سے ہر ایک کا ثواب ایک مستقل درجہ رکھتا ہے۔ اور ایک حدیث میں سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصریح فرمادی ہے کہ میرا بکثرت نکاح کرنا دنیوی حظ کی وجہ سے نہیں ہے کیونکہ مجھ کو دنیا سے کوئی بھی علاقہ نہیں آپ کا ارشاد ہے! حب الی من دنیا کم النساء والطیب وقرۃ عینی فی الصلوۃ اھ۔ کہ مجھ کو تمہاری دنیا میں سے دو چیزیں محبوب ہیں ایک عورتیں دوسری خوشبو۔ اور میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ اس میں تمہاری دنیا کا لفظ جس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہا ہے اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ آپ نے ان دونوں چیزوں کو دوسروں کے اعتبار سے دنیا فرمایا ہے ورنہ آپ کے اعتبار



سے یہ چیزیں دنیا میں داخل نہ تھیں

کیونکہ آپ حظ نفس اور لذت دنیا کے لئے کوئی کام ہی نہ کرتے تھے آپ نے جو کچھ کیا دین سمجھ کر اور رضا الہی کا ذریعہ سمجھ کر کیا۔ اور آپ کو حقیقی محبت خدا تعالیٰ کی ذات بے مثل سے تھی اور اسی کا مشاہدہ آپ کی آنکھ کیلئے ٹھنڈک کا سبب تھا اور اس پر کچھ تعجب نہ کیا جائے کیونکہ حضور کے غلامان غلام میں بھی بعض لوگ ایسے ہوئے ہیں جن کو عین جماع کے وقت حظ نفس کی طرف مطلق التفات نہ ہوتا تھا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ میں بعض دفعہ ایک عورت سے نکاح کرتا ہوں اور مجھے اس کی کچھ حاجت نہیں ہوتی اور اس کے پاس جاتا ہوں تو مجھے اس کی طرف شہوت نہیں ہوتی۔ لوگوں نے پوچھا کہ پھر آپ نکاح اور قربت کس لیے کرتے ہیں۔ فرمایا محض اس لئے کہ مجھ سے ایسی نسل پیدا ہو جائے جن کی کثرت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم قیامت میں فخر فرمادیں اور اولیاء اللہ میں بھی بعض لوگ اس درجہ کے گزرے ہیں بلکہ اب بھی موجود ہیں مستعنا اللہ بفیوضہم و تبرکاتہم اب میں اس مضمون کو ختم کرتا ہوں اور انشاء اللہ آئندہ نمبر میں عزت و جاہ کے متعلق کچھ عرض کیا جائے گا۔

والحمد لله وعلیٰ خیر البریۃ افضل الصلوٰۃ والتحبیۃ

## تعلیم نبوت (عزت و جاہ)

ناظرین کو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ضروریات زندگی میں سے عزت و جاہ بھی ایک ایسی چیز ہے جس کی زیادت و کثرت ہر شخص کو مطلوب ہے اور جس عزت و جاہ سے انسان کمزور اور ضعیف آدمیوں کو نفع پہنچا سکے وہ بالاتفاق عقلاء و حکماء سب کے نزدیک محمود ہے۔ اب ہم دکھانا چاہتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہ نے سیدنا رسول اللہ علیہ وسلم کو عزت و جاہ کس قدر عطا فرمائی تھی اور دوستوں کے علاوہ دشمنوں کے قلوب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کس قدر جاگزیں تھی۔ لیکن سب سے پہلے ناظرین کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ جاہ کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو خداداد ہو۔ دوسری وہ جو کہ انسان کی طلب اور کوشش سے حاصل ہو۔ پہلی قسم جاہ محمود ہے اور دوسری قسم جاہ مذموم شریعت اسلامیہ نے طلب جاہ اور اس کیلئے کوشش اور سعی سے منع فرمایا ہے کیونکہ یہ تکبر کا ایک شاخہ ہے اور شرعاً و عقلاً تکبر سے بدتر کوئی عیب نہیں البتہ شریعت نے بدنامی اور ذلت سے بچنے کی ضرورت تاکید کی ہے سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اتقوا مواضع التہم۔ تہمت کے مواقع سے بچو نیز آپ کا ارشاد ہے لا ینبغی للمومن ان یذل نفسه۔ مسلمان کو مناسب نہیں ہے کہ اپنے نفس کو ذلیل کرے اگر کسی پر کوئی غلط الزام یا تہمت رکھ دی جائے تو اس سے اپنی براءت ظاہر کرنا اور براءت کیلئے کوشش کرنا شرعاً مطلوب و محمود ہے جیسا کہ سیدنا یوسف علیہ السلام نے قید خانہ سے رہائی اور خلاصی کا حکم سننے کے بعد قاصرہ سے فرمایا تھا۔

﴿ارْجِعْ اِلٰی رَبِّكَ فَسْئَلُهُ مَا بِآلِ النَّسُوَةِ الَّتٰی قَطَّعْنَ

اَیْدِيَهُنَّ اِنَّ رَبِّيْۤیْ بِکَیْدِهِنَّ عَلِیْمٌۭۙ﴾

”تو اپنے آقا کے پاس واپس جا کر اس سے دریافت کر کہ ان

عورتوں کا کیا حال ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے۔“

”یعنی ان سے میرے واقعہ کی تحقیق کرنا چاہیے اور جب تک میری

براءت ظاہر نہ ہو جائے اس وقت تک میں قید خانہ سے باہر نہ نکلوں

گا۔) بیشک میرا رب اس طبقہ نسواں کے فریب کو خوب جانتا ہے۔“  
یوسف علیہ السلام کے اس فعل سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ غلط اور بیجا اتہام سے  
اپنی برات کر دینا اور اس میں سعی کرنا شرعاً محمود ہے سو یہ امور طلب جاہ میں داخل نہیں  
ہیں طلب جاہ یہ ہے کہ انسان اپنی عظمت لوگوں کے قلوب میں بٹھانے کے لئے وسائل و  
ذرائع تلاش کر کے ان میں سعی اور کوشش کرے۔ سو یہ صورت شرعاً مذموم ہے۔ بلکہ  
انسان کو چاہیے کہ محض خدا کو راضی کرنے کیلئے اخلاق حمیدہ و اعمال صالحہ اختیار کرے اور  
بلاوجہ تہمت و ذلت کے مواقع میں نہ پڑے اس سے خود بخود لوگوں کے دلوں میں اس کی  
عزت و جاہ پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ خداداد عزت ہے جو نعمت الہی ہونے کی وجہ سے قابل  
شکر اور لائق مدح و ثناء ہے۔

پس ہم سب سے پہلے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم نے عزت و جاہ حاصل کرنے کے لئے خود کو کوئی کوشش نہیں کی بلکہ بذات خود آپ نے  
ہمیشہ تواضع اور خاکساری کا طریقہ اختیار فرمایا آپ میں ترفع اور تکبر نام کو بھی نہ تھا پھر  
طلب جاہ کیلئے کوشش تو آپ کیا کرتے مگر بایں ہمہ آپ کی خداداد عظمت و جاہ دشمنوں  
کے قلوب میں اس درجہ تھی کہ کسی کو کم نصیب ہوئی ہوگی۔

سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تواضع کے واقعات احادیث میں اس قدر  
مذکور ہیں کہ ان کے لئے ایک دفتر عظیم کی ضرورت ہے مگر بطور نمونہ کے ہم چند واقعات پر  
اکتفاء کرتے ہیں قاضی عیاض نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ  
سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاٹھی کا سہارا لئے ہوئے باہر  
تشریف لائے تو ہم تعظیم کیلئے آپ کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے، حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ تم  
میرے لئے اس طرح کھڑے نہ ہوا کرو جیسے اہل عجم اپنے بادشاہوں کی تعظیم کیلئے کھڑے  
ہوا کرتے ہیں۔

سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ آپ کھانا کھاتے ہوئے  
گھٹنوں کے بل جھکے ہوئے بیٹھا کرتے تھے کسی نے اس کی وجہ دریافت کی تو آپ نے

فرمایا کہ میں تو (اپنے پروردگار کا) غلام ہوں غلاموں ہی کی طرح کھاتا ہوں اور غلاموں ہی کی طرح بیٹھتا ہوں۔

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ کے داہنے ہاتھ میں کلڑی اور بائیں ہاتھ میں تازہ کھجور ہے کبھی آپ اس کو کھاتے تھے کبھی اس کو۔ نیز سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض دفعہ دراز گوش پر بھی سوار ہو لیتے تھے حالانکہ آپ کے پاس اونٹ اور گھوڑے سب کچھ موجود تھے۔ اور کبھی کبھی سواری پر کسی کو اپنے پیچھے بھی بٹھالیا کرتے تھے۔

آپ مسکین لوگوں کی عیادت (اور مزاج پرسی) کیلئے بھی تشریف لیجایا کرتے اور اکثر غرباء و مساکین ہی کے پاس بیٹھا اٹھا کرتے تھے۔ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ میں مل جل کر بیٹھتے تھے کوئی امتیازی جگہ آپ کیلئے مقرر نہ تھی۔ اور جب کسی مجلس میں تشریف لے جاتے تو جہاں جگہ خالی ہوتی وہیں بیٹھ جاتے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری تعریف میں ایسا مبالغہ مت کرو جیسا کہ نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم علیہا السلام کی تعریف میں مبالغہ کیا ہے۔ (کہ ان کو خدا کا بیٹا بنا دیا) بس میں تو اللہ کا بندہ ہوں۔ مجھے خدا کا بندہ اور اس کا رسول کہا کرو۔ (رواہ البخاری)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک عورت کی عقل میں کچھ فتور تھا وہ ایک بار حضورؐ کی خدمت میں آئی اور عرض کیا کہ مجھے آپ سے کچھ کام ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ بی! تو مدینہ کے راستوں میں سے کسی راستہ پر بیٹھ جا میں وہیں بیٹھ کر بھی تیری بات سنوں گا۔ چنانچہ وہ کسی راستہ پر بیٹھ گئی اور حضورؐ بھی وہیں بیٹھ گئے۔ اور بات سن کر اس کی حاجت پوری فرمادی (رواہ مسلم) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوہ بنی قریظہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے دراز گوش پر سوار تھے۔ جس کے گلے میں کھجور کی رسی اور پیٹھ پر پالان کسا ہوا تھا (رواہ ابوداؤد)۔

حضرت انس کا یہ بھی بیان ہے کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غلاموں کی

دعوت بھی قبول فرمایا کرتے اور اگر کوئی جو کی روٹی پرانی چربی سے کھانے کیلئے آپ کو بلاتا تو آپ اس کو بھی منظور فرما لیتے تھے اور جب حضور حج کیلئے تشریف لے گئے تو آپ ایک پرانی کانٹھی پر سوار تھے۔ جس پر ایک کھل پڑا ہوا تھا، جو چار درہم سے بھی کم کا تھا۔ حالانکہ اس وقت زمین عرب کا بہت بڑا حصہ آپ فتح کر چکے تھے اور اس حج میں آپ نے سو اونٹوں کی قربانی اپنی طرف سے کی تھی۔ اور جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کیا اور مسلمانوں کے لشکر کو لیکر شہر میں داخل ہوئے۔ اس وقت آپ نے تواضع اور عاجزی کی وجہ سے کجاوے پر اپنا سر جھکا لیا۔ یہاں تک کہ وہ کجاوے کی لکڑی سے مل مل جاتا تھا۔

حضرت عائشہ وابوسعید حدری رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر میں تشریف لاتے تو اپنے گھر والوں کے کاموں میں ان کی امداد فرمایا کرتے تھے۔ اپنے کپڑوں کی جوئیں پالیتے اور کپڑوں میں خود ہی پیوند لگا لیتے تھے۔

فائدہ: ابن سبغ نے فرمایا ہے کہ روایت سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ کے سر یا لباس میں جوئیں کبھی نہ پڑتی تھیں پھر آپ کا جوئیں پانا محض صفائی اور نظافت کے خیال سے تھا) اور سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا جوتہ بھی گانٹھ لیتے تھے اور گھر میں جھاڑو دے لیا کرتے اور اونٹوں کو اپنے ہاتھ سے باندھ دیتے اور جانوروں کو چارہ ڈالتے اور اپنے غلام اور نوکر کے ساتھ کھانا کھا لیتے اور کبھی خادمہ کے ساتھ ملکر آٹا بھی گوند لیتے تھے اور بعض دفعہ بازار سے کھانے پینے کی چیزیں خود لا دیا کرتے تھے۔ انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بعض دفعہ مدینہ کی باندیوں میں سے کوئی باندی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑ کر جہاں چاہتی اپنے کام کے واسطے لے جاتی اور حضور اس کے ساتھ ہو لیتے اور اس کا کام کر دیتے تھے۔ اھ۔ مثلاً اس کے آقا سے سفارش کر دیتے کہ اس سے کام بہت نہ لیا کرو جو اس کے تحمل سے زیادہ ہو (رواہ البخاری تعلیقاً وابن ماجہ موصولاً)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اس وقت آپ ایک بورے پر لیٹے ہوئے تھے جس کے نشانات آپ کے پہلو پر نمایاں ہو گئے تھے اور آپ کے دائیں بائیں کچھ کھالیں لٹکی ہوئی تھیں۔ حضرت

مگر اس حالت کو دیکھ کر رونے لگے اور عرض کیا یا رسول اللہؐ یہ کسریٰ اور قیصر جو خدا کے دشمن ہیں ریشمی گدوں پر آرام کر رہے ہیں اور آپؐ محبوب خدا ہو کر اس حالت میں ہیں۔ دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ آپؐ کی امت کو وسعت عطا فرمائیں۔ آپؐ یہ بات سن کر اٹھ بیٹھے اور فرمایا کہ اے عمر! تم اس پر راضی نہیں ہو کہ ان لوگوں کیلئے دنیا ہی میں راحت ہے اور ہمارے واسطے آخرت میں بے شمار نعمتیں ہیں۔

ناظرین! یہ تھی سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع باوجودیکہ آپؐ صرف پیغمبر ہی نہ تھے بلکہ ایک بہت بڑی سلطنت کا انتظام بھی آپؐ کے ہاتھ میں تھا۔ سلطان ہو کر جس تواضع کی نظیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دکھائی ہے اس کی مثال دنیا کے پردہ میں نہیں مل سکتی۔ آئیے اب ہم آپؐ کو اس خداداد عزت و جاہ کا نمونہ دکھلائیں جو اس تواضع اور خاکساری پر حق تعالیٰ نے آپؐ کو عطا فرمائی تھی۔

سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و جاہ نبوت سے پہلے ہی لوگوں کے دلوں پر اپنا سکہ بٹھا چکی تھی۔ آپؐ کی رحمدلی، اخلاق و فاداری، سچائی، دیانتداری، نیک چلنی، غربانوازی، قومی ہمدردی اور انصاف پسندی نے ابتداء ہی سے آپؐ کو ہر دل عزیز بنا دیا اور قوم سے محمد امین کا خطاب دلا دیا تھا۔ آپؐ کی نبوت سے پہلے جب قریش نے بیت اللہ کی از سر نو تعمیر کا ارادہ کیا اور اپنی صاف ستھری کمائی سے خدا کے باعظمت گھر کو بنانا شروع کیا تو حجر اسود کو اپنی جگہ پر رکھنے میں قبائل مکہ کے اندر پھوٹ پڑ گئی۔ کیونکہ ہر شخص کی یہی خواہش تھی کہ یہ پاک پتھر میرے ہاتھوں اپنے مقام تک پہنچے۔ عرب کی ضد اور جہالت کو سب جانتے ہیں کہ ان میں جھگڑا پڑے پیچھے بات کا سلجھنا کوئی آسان بات نہ تھی۔ اس لئے خانہ کعبہ کی تعمیر تو یہیں رک گئی اور اب ہر قبیلہ کو لڑ کر اپنی جان کا دیدنا آسان نظر آنے لگا۔ بالآخر پانچ دن مسجد حرام میں کمیٹی ہوئی اور باہمی مشورہ سے منصفانہ فیصلے ہونے لگے۔ بہترین رد بدل کے بعد آخر چند بوڑھے سرداروں اور قوم کے سربراہان نے مشورہ دیا کہ اچھا صبح ہوتے سب سے پہلے جو شخص حرم شریف کے اس دروازہ سے گزرے اس کو منصف قرار دے لو اور جس کو وہ کہے وہی شخص حجر اسود کو



اس کی جگہ رکھ دے۔

چنانچہ اس رائے سے سب نے اتفاق کیا اور اگلے دن پر اپنی اپنی تقدیر کا فیصلہ حوالہ کر کے سب اپنے گھر چلے گئے صبح کو اس دروازہ سے گزرنے والے پہلے شخص سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے جن کی سچائی کا سکہ سب کے دلوں میں بیٹھ چکا اور ہمدردی و عزت کی شہرت عام طور پر قبائل عرب کو گرویدہ بنا چکی تھی۔ اس لئے سب نے آپ کو دیکھ کر بالاتفاق کہا ہذا محمد هذا الامین قد رضینا بہ یہ محمد ہیں یہ امین ہیں۔ ہم سب ان کے فیصلہ پر راضی ہیں۔ جس کو یہ حکم دیں گے وہی حجر اسود کو اس کے مقام پر رکھنے کی عزت حاصل کریگا۔ چنانچہ آپ نے اس طرح فیصلہ کیا کہ حجر اسد کو اپنی مبارک چادر میں رکھا اور ہر قبیلہ کے صاحب عزت سردار کو حکم دیا کہ اس چادر کو تھام لے تاکہ تمام قبائل مکہ کے ہاتھوں پر پتھر اپنی جگہ پہنچے اور کسی قبیلہ کو یہ کہنے کا حق نہ رہے کہ اس عزت میں میرا کوئی شریک نہیں اس عجیب خوش تدبیری پر چاروں طرف سے صدائے آفریں۔ بلند ہوئی اور قبائل کے سرداروں نے اس طرح حجر اسود کو اس کی جگہ پہنچایا اس کے بعد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے اور بہ نفس نفیس خود اس پتھر کو چادر سے باہر نکال کر اس جگہ رکھ دیا جہاں وہ پہلے رکھا ہوا تھا۔ رواہ احمد والحاکم وصحیح الطبرانی

ربیع بن خثیم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس زمانہ جاہلیت میں اسلام سے پہلے ہی قبائل مکہ کے اکثر مقدمات فیصلہ کے لئے آیا کرتے تھے۔ اس سے یہ بات ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و عزت نبوت سے پہلے بھی لوگوں کے دلوں میں گھر کئے ہوئے تھے اور نبوت کے بعد تو جو کچھ عزت و جاہ عام قلوب میں آپ کو حاصل ہوئی اس کے واقعات شمار نہیں ہو سکتے۔

چنانچہ ایک مرتبہ ابو جہل نے ایک تاجر سے اونٹ خرید کیا اور معاملہ طے کر کے قیمت دینے کیلئے ایک خاص دن مقرر کر دیا۔ معین وقت پر جب تاجر نے قیمت کا مطالبہ کیا تو اس کو دوسرے دن پر ٹال دیا جب وہ دوبارہ آیا تو کسی اور وقت کا بہانہ کر دیا۔ غرض اسی طرح ٹالتا رہا بالآخر تاجر نے مسجد حرام میں آ کر قریش کی ایک مجلس میں ابو جہل کے



اس ظلم کی شکایت کی اور سرداران قریش سے کہا کہ کیا آپ صاحبوں میں سے کوئی میری مدد کیلئے تیار ہو سکتا ہے کہ ابو جہل سے میری رقم وصول کرادے۔ اہل مجلس نے کہا کہ تم محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاؤ۔ وہ ابو جہل سے تمہاری رقم دلوا سکتے ہیں۔ دوسرا کوئی اس ہمت کا نہیں (حالانکہ یہ وہ وقت تھا کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید و رسالت کی دعوت اعلانیہ شروع کر دی تھی اور اس وجہ سے ابو جہل آپ کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ مگر پھر بھی قریش کو آپ کی عظمت خداداد کی بنا پر یہ پورا یقین تھا کہ ابو جہل آپ کی بات کو نال نہیں سکتا گونڈھب کے بارہ میں آپ سے کیسی ہی عداوت رکھتا ہو)

چنانچہ تاجر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے امداد کا طالب ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ساتھ ابو جہل کے گھر پر تشریف لائے اور دروازہ کھٹکھٹا کر اسے باہر بلایا۔ اس نے باہر آ کر دریافت کیا کہ اے محمد آپ کیسے تشریف لائے۔ حضور نے فرمایا کہ تم اس تاجر کی رقم کیوں نہیں دیتے۔ اس کو روز روز کیوں

ٹال دیتے ہو

ابو جہل بولا کہ آپ تشریف رکھیں میں ابھی پوری رقم لاتا ہوں۔ چنانچہ آپ کے سامنے ہی اس نے سب روپے گن دیئے اور تاجر آپ کو دعا دیتا ہوا لوٹ گیا۔ قریش کے لوگوں نے ابو جہل پر آوازیں کیں کہ آج تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کہنے پر تو نے بڑی جلدی عمل کیا حالانکہ رات دن تو ان کی ایذا کے درپے اور عداوت نکالنے کا منتظر رہتا ہے۔ کہنے لگا کہ بس زیادہ نہ بولو بات یہ ہے کہ جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے میرے دروازہ پر ہاتھ مار کر مجھے آواز دی ہے۔ اس وقت میرے دل پر ان کی آواز سے کچھ ایسا رعب چھا گیا کہ مجھے سوائے اس کے اور کوئی چارہ نظر نہ آیا کہ جو کچھ انہوں نے کہا وہی کروں۔

ایک اور واقعہ اسی ابو جہل کا یہ ہے کہ ایک شخص قبیلہ بنی زبید کا اپنے تین اونٹ نیلام کرنے لایا۔ ابو جہل نے ان کے خریدنے کا قصد کیا اور بھاؤ تاؤ کرنے لگا ابو جہل کو دیکھ کر دوسرے لوگ بولی بولنے سے رک گئے اور اس نے ان تینوں اونٹوں کے دام بہت

کم لگائے۔ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی خبر ہوئی۔ تو آپ تشریف لائے اور قیمت میں (معقول) اضافہ کر کے تینوں اونٹ آپ نے خرید لئے پھر ان میں سے دو اونٹوں کو تو اسی قیمت پر فروخت کر کے اعرابی کے دام ادا کر دیئے اور تیسرے اونٹ کو بیچ کر بنی عبدالمطلب کی بیوہ عورتوں میں اس کی قیمت تقسیم کر دی۔

ابو جہل ذلیل و خوار کھڑا ہوا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ مگر دم نہ مار سکا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ایک نظر بھر کر دیکھا اور فرمایا کہ خبردار آئندہ ایسی ظالمانہ حرکت نہ کرنا جیسی آج تو نے اس اعرابی کے ساتھ کی ہے، ورنہ میں بری طرح تیرے ساتھ پیش آؤں گا۔ ابو جہل بولا کہ اے محمدؐ میں پھر ایسی حرکت نہ کروں گا۔ امیہ ابن خلف نے یہ حالت دیکھ کر ابو جہل سے کہا کہ آج تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے تو بہت ہی دب گیا۔ کہنے لگا اس کا سبب یہ تھا کہ مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دائیں بائیں بہت سے آدمی نظر آ رہے تھے جو نیزے ہاتھوں میں لئے ہوئے مجھے گھور رہے تھے۔ اگر میں اس وقت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مخالفت کرتا تو میری ہلاکت میں دیر نہ لگتی۔ (اخراج القصہ الاولی فی السیرۃ النبویۃ مفصلاً و آخر جہا و الثانیۃ فی شرح الشفاء مجملًا) الغرض نبوت کے بعد ایسے واقعات بکثرت پیش آتے تھے کہ جو لوگ پیٹھ پیچھے عداوت اور ایذا رسانی میں کمی نہ کرتے وہی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آتے تو آپ کی خداداد عظمت سے مرعوب ہو کر جو کچھ آپ فرماتے اس کو ہی بجالاتے اور آپ کو دیکھتے ہی مبہوت و خوف زدہ ہو جاتے تھے۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حرم شریف میں تنہا بیٹھے تھے کہ ایک قریشی سردار عتبہ بن ربیعہ آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اے میرے بھائی کے لڑکے بیشک تم شرافت و لیاقت میں مشہور ہو لیکن افسوس تم نے ہم لوگوں میں تفرقہ ڈال دیا ہمارے گھروں میں جھگڑا پھیلا دیا تم ہمارے دیوتاؤں کو برا کہتے اور ہمارے باپ دادا کو گنہگار بد دین مشرک اور جہنمی بتاتے ہو اس لئے ہم لوگ تم سے کچھ کہنا چاہتے ہیں، تم اس پر غور کرو اور جو کچھ ہم کہیں اسے منظور کر لو آپ نے فرمایا کہ اے ولید کے باپ تم

کہو میں سنتا ہوں، ابو الولید نے کہا کہ اے میرے بھائی کے بیٹے اگر تم اپنی ان باتوں سے دولت پیدا کرنا چاہتے ہو تو ہم چندہ کر کے تمہارے لئے اتنی دولت جمع کر سکتے ہیں کہ اس قدر ہم میں سے کسی امیر کے پاس بھی نہ ہوگی اور اگر اس سے تم اپنی عزت اور نام چاہتے ہو تو ہم لوگ تمہیں اپنا سردار بنالیں کہ کوئی نہ تمہاری رائے کے ہرگز خلاف نہ کریں اور اگر تم ملک چاہتے ہو تو ہم تمہیں اپنا بادشاہ قرار دیں اور اگر تم کو آسیب کا خلل ہے اور وہ بھوت جو تم پر سوار ہے تم سے نہ اترے تو ہم لوگ روپیہ خرچ کر کے کسی حکیم کو لائیں اور ہوشیار طبیب سے تمہارا علاج کرائیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ مجھ کو تمہارا روپیہ چاہیے نہ تمہاری سلطنت درکار ہے، نہ تمہارا جاہ و حشم میری نظر میں کوئی چیز ہے، میں تو تم کو اللہ کا پیغام پہنچاتا ہوں، اس کے بعد آپ کھڑے ہوئے اور سورہ تم سجدہ کی شروع کی آیات تلاوت فرمائیں۔ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم قرآن شریف کی یہ آیات سنا چکے تو فرمایا کہ اب تم نے سن لیا کہ میرا مقصود کیا ہے۔ میرا مطلب تم پر ظاہر ہو گیا اور میرا منشا تم معلوم کر چکے۔

اب جو مناسب سمجھو کرو۔ عتبہ بن ربیعہ آسمانی وحی سے اس قدر متاثر ہوا کہ آپ کے تلاوت شروع کرتے ہی دونوں ہاتھ پیچھے کی جانب زمین پر ٹیک کر مبہوت بنا سنتا رہا اور جب تک آپ نے آیات سجدہ تک تلاوت ختم نہ کی۔ اسی طرح بے حس و حرکت بنا رہا۔ آخر اپنے رفقاء قریش کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اے قوم آج میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبانی ایسا شیریں کلام سنا ہے کہ واللہ نہ اس کو سحر و کہانت کہہ سکتا ہوں نہ شعر و شاعری۔ اے قوم میرا کہنا مانو محمد کی مخالفت نہ کرو اور جس کام میں وہ لگے ہوئے ہیں، اس میں مزاحمت نہ کرو، یاد رکھو مجھے ان کے کلام سے ان کے مقاصد میں کامیابی کی بو آتی ہے۔ سو اگر کسی دشمن نے ان کا کام تمام کر دیا تو اچھا ہے کہ تمہارا کام دوسرے نے کیا اور اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو غلبہ حاصل ہوا جیسا کہ آثار سے نظر آ رہا ہے تو ان کی عزت تمہاری عزت ہوگی اور ان کا ملک تمہارا ملک ہے۔ بد بخت لوگوں نے عتبہ کی بات نہ مانی اور اس پر آوازے کئے لگے۔ مگر اس واقعہ سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و بیبت قلوب میں ایسا گھر کئے ہوئے تھی کہ آپ کی بات سن کر ہر شخص متاثر ہوتا تھا۔ جس وقت آیت فاصدع بما تؤمر کا نزول ہوا۔ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علی الاعلان تبلیغ اسلام کا حکم ہے تو آپ حکم خداوندی کی تعمیل کیلئے عرب کے دستور کے موافق کوہ صفا پر جا کھڑے ہوئے اور نام لے لے کر تمام قبائل مکہ کو پکارا جس وقت آپ نے دیکھا کہ صفا پہاڑی کے نیچے کا میدان آنے والی مخلوق سے بھر گیا تو آپ نے سب سے دریافت فرمایا کہ اے باشندگان عرب اور اے سرداران قریش تم مجھ کو کیسا سمجھتے ہو، سب نے بالاتفاق کہا انت فینا محمد الامین۔ آپ ہمارے درمیان محمد امین کے لقب سے پہچانے جاتے ہیں۔

پھر آپ نے فرمایا کہ اگر میں تم سے کہوں کہ اس پہاڑ کی پشت پر تمہارا دشمن لشکر لئے ہوئے چھپا ہوا تمہاری تاک میں بیٹھا ہے کہ موقع پائے تو تم پر حملہ کر دے تو کیا تم میری بات کو سچا سمجھو گے۔ چاروں طرف سے آواز آئی بیشک بیشک، اے محمد ہم تمہاری بات کا یقین کریں گے۔ کیونکہ تمہاری سچائی کا بارہا تجربہ کر چکے ہیں اور ہم خوب جانتے ہیں کہ تم جھوٹ بولنا جانتے ہی نہیں (رواہ اصحاب السنن)۔

قاضی عیاض نے اپنی سند متصل کے ساتھ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کی ہے کہ ابو جہل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بار کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپ کو نہیں جھٹلاتے اور نہ آپ ہماری قوم میں کبھی جھٹلائے گئے۔ ہم تو صرف اس کتاب کو جھٹلاتے ہیں جو آپ ہمارے پاس لائے ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ وَلَكِنَّ الظَّالِمِينَ بِآيَاتِ اللَّهِ

يُجْحَدُونَ﴾

”اے رسول یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں جھٹلاتے بلکہ یہ

ظالم خدا کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔“ اھ

ابن اسحاق اور بیہقی نے زہری سے اور ابن جریر و طبرانی نے سدی سے نقل کیا ہے کہ جنگ بدر کے دن اخنس بن شریک ابو جہل سے تنہائی میں ملا اور اس سے کہا کہ اے

ابو الحکم اس وقت میرے اور تیرے سوا کوئی ایسا نہیں ہے جو ہماری باتوں کو سن سکے سچ سچ بتلا دے کے تیرے خیال میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سچے ہیں کہ جھوٹے ابو جہل نے کہا کہ بخدا محمد یقیناً سچے ہیں اور محمدؐ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ لیکن جب بنو ہاشم بیت اللہ کی درباری اور زمزم پلانے کی تولیت اور قومی جھنڈے اور دارالمشورہ کے اہتمام کے ساتھ نبوت کی عزت کے بھی مالک ہو جائیں گے تو پھر دیگر قریشی خاندانوں کیلئے کوئی بات رہ جائے گی۔

مطلب یہ تھا کہ مجھ کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے محض یہ عناد اور حسد مانع ہے کہ آپ کی نبوت کی وجہ سے بنو ہاشم ہی کے اندر تمام عزتیں جمع ہو جائیں گی۔ باقی سارے قبیلے ان کے مطیع و تابع دار بن جائیں گے اور ایک رقیب خاندان کی یہ عزت ان آنکھوں سے نہیں دیکھی جاتی۔

ابو جہل کے اس کلام سے یہ بات بخوبی ظاہر ہو گئی کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و عظمت اور آپ کی سچائی اور امانت کا سکہ دشمنوں کے دل پر بیٹھا ہوا تھا۔ گو عناد و حسد کی وجہ سے وہ مخالفت اور ایذا رسانی سے باز نہ آتے تھے۔ وکفی بہ حجتہ والفضل ما شہدت بہ الاعداء

امام بخاریؒ نے ہر قل شاہ روم اور ابوسفیان بن حرب کا مکالمہ نہایت تفصیل کے ساتھ اپنی صحیح کے شروع ہی میں بیان فرمایا ہے۔ جس کا ابتدائی انتہائی حصہ نقل کر دینا اس وقت ہمارے مقصود کی تائید کیلئے کافی ہوگا۔

سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ سے فراغت پا کر سلاطین عالم کے نام دعوت اسلام کیلئے تبلیغی فرمان ارسال فرمائے تھے جن میں ایک فرمان ہر قل شاہ روم کے نام بھی تھا۔

جس وقت سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا والا نامہ ہر قل کے پاس بیت المقدس میں پہنچا ہے اس وقت ابوسفیان بن حرب بھی (جو رشتہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہیں اور اس وقت تک اسلام سے مشرف نہ ہوئے تھے۔ تجارتی ضرورت سے

قریشی قافلے کے ساتھ وہاں گئے ہوئے تھے اس لئے ہرقل نے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سے زیادہ واقف سمجھ کر گفتگو کیلئے بلایا اور ان سے متعدد سوالات حضورؐ کی نسبت کئے، جن میں سب سے پہلا سوال یہ تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نسب اور ذاتی شرافت کے لحاظ سے تمہاری قوم میں کس پایہ کے ہیں۔ ابوسفیان نے جواب دیا کہ وہ نہایت شریف النسب (ہاشمی و مطلبی نسل کے) شریف زادہ ہیں۔ اس کے بعد (ہرقل) نے دوسرا سوال یہ کیا کہ دعویٰ نبوت سے پہلے تم نے کبھی کسی بات میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جھوٹ بولتے پایا ہے۔ (ابوسفیان) نے کہا کہ کبھی نہیں بلکہ ہمیشہ سے سچائی میں مشہور اور ضرب المثل رہے ہیں۔

ہرقل نے متعدد سوالات اور بھی کئے پھر ان سوالات کی وجہ بتلا کر اس نے یہ بھی ظاہر کیا کہ ان سے وہ کس نتیجہ پر پہنچا ہے۔ چنانچہ پہلے سوال کے جواب پر اس نے کہا کہ بیشک نبوت ہمیشہ شریف خاندان ہی میں رہی ہے تاکہ مخلوق نبی کو حقیر نظروں سے نہ دیکھے۔ اور دوسرے سوال کا جواب سن کر اس نے یہ نتیجہ نکالا کہ عقل کے نزدیک یہ بات واجب التسلیم ہے کہ جو شخص دنیوی امور میں جھوٹ بولنے سے ڈریگا وہ خدا پر بہتان باندھنے اور غلط بیانی اور نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے کی بھی کبھی جرأت نہ کر سکے گا۔

پھر اسی طرح تمام جوابات کے نتائج بیان کر کے اس نے ابوسفیان سے کہا کہ اب مجھے صرف یہ پوچھنا باقی ہے کہ وہ اپنا مطیع بنا کر لوگوں سے کیا چاہتے ہیں، کن باتوں سے منع کرتے اور کیا کام کرنے کو کہتے ہیں؟

ابوسفیان نے جواب دیا کہ وہ کہتے ہیں دیوتاؤں کو خدا نہ سمجھوان کے سامنے سر نہ جھکاؤ، اللہ کے سوا کسی کو سجدہ نہ کرو پانچ وقت کی نماز پڑھو۔ اپنے مال میں سے شرعی مقدار کے موافق زکوٰۃ ادا کرو۔ محتاج رشتہ داروں کے ساتھ سلوک کرو اور نیک برتاؤ کرو، زنا مت کرو، چوری مت کرو۔ جھوٹ نہ بولو ایک دوسرے کا ناجائز طور سے مال نہ کھاؤ وغیرہ وغیرہ۔

یہ سن کر ہرقل بے اختیار پکار اٹھا کہ جو باتیں تم نے بیان کی ہیں اگر سچ ہیں تو



بیشک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے سچے پیغمبر ہیں۔ اگر مجھ سے ہو سکتا تو میں ان کی خدمت میں حاضر ہو کر قدم چومتا اور پاؤں دھو کر پیتا اور یقین جانو کہ جس جگہ آج میرے قدم ہیں کسی دن ان کی حکومت کا جھنڈا یہاں لہراتا ہوگا۔ ابوسفیان کہتے ہیں کہ ہر قل کے یہ کلمات سن کر میں حیران تھا اس کے چہرے کو تکتا اور خیال کرتا تھا کہ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خوف بادشاہ روم کے دل میں بھی موجود ہے اور اس پر اس قدر رعب چھا گیا ہے کہ وہ اپنے تخت پر بیٹھا ہوا ان کی ہیبت سے ڈرتا اور کانپتا ہے۔

ابوسفیان کہتے ہیں کہ مجھے اسی وقت یقین ہو گیا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) عنقریب قریش پر غالب ہو کر رہیں گے۔ اسی طرح جن جن سلاطین کے نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان پہنچا ہے سب نے آپ کے والا نامہ کو نہایت عزت سے پڑھا اور غایت ادب کے ساتھ جواب دیا (جس کی تفصیل کسی موقع پر انشاء اللہ ہدیہ ناظرین ہوگی) صرف ایک شاہ فارس پرویز نے حضور کے والا نامہ کے ساتھ گستاخی کی تھی کہ اس کو غضبناک ہو کر چاک کر دیا۔ جس پر حضور نے اس کے حق میں یہ بد دعا فرمائی اللھم مزقہ کل ممزق اے اللہ اس کو بھی تو اسی طرح پارہ پارہ کر دیجیو۔

چنانچہ چند دن نہ گزرنے پائے تھے کہ اس کو اس کے بیٹے شیروہ نے رات کے وقت خنجر سے مار ڈالا اور تھوڑے ہی عرصہ میں اس کی حکومت حصے بخرے ہو کر مسلمانوں کے قبضے میں آ گئی۔ ابن اسحق اور بیہقی اپنی سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نصر بن حارث نے (جو کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سخت عداوت و عناد رکھتا تھا) ایک مرتبہ سرداران قریش سے کہا کہ اے قریش یہ کیا بات ہے کہ محمد بچپن سے لیکر جوانی تک تو تمہارے اندر نہایت ہر دلعزیز اور بڑے راستگو اور غایت درجہ امانت دار سمجھے جاتے تھے پھر جب تم نے ان کے سر میں کچھ سفید بال دیکھ لئے اور وہ تمہارے پاس ایک شیریں کلام لائے تو تم کہنے لگے کہ یہ تو جادوگر ہیں لا واللہ ما هو بساحر ہرگز نہیں خدا کی قسم وہ جادوگر نہیں۔

ناظرین دشمنوں کی زبان سے ان باتوں کا نکلنا سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم



کی حقانیت اور آپ کی اعلیٰ عزت و جاہ کیلئے کافی دلیل ہے۔ واللہ العظیم آپ کی مبارک صورت ایسی نہ تھی جسے ایک نظر دیکھ لینے کے بعد آپ کی عظمت دل میں گھرنہ کر لے باقی ایمان لانا یا نہ لانا یہ ہر شخص کی تقدیر پر ہے۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے جب پہلی مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر نظر ڈالی تو بے اختیار بول اٹھے ماہذا وجہ کذاب یہ تو جھوٹے آدمی کا چہرہ نہیں۔

حضرات صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شامل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔  
من راہ بداهۃ ہابۃ و من خالطہ معرفۃ احبہ لم اقبلہ ولا بعدہ، مثلاً۔ جو شخص آپ کو اول و بلہ میں دیکھتا تھا مرعوب ہو جاتا اور جو شناسائی کے ساتھ ملتا جلتا تھا اس کے دل میں آپ کی محبت اپنا گھر کر لیتی تھی۔

ایک روایت میں ہے اذا تکلم اطرق جلساءہ کان علی رؤسہم الطیر۔ جب آپ گفتگو فرماتے تھے تو آپ کے پاس بیٹھنے والے اس طرح سر جھکا کر بیٹھ جاتے جیسے ان کے سروں پر پرندے آکر بیٹھ گئے ہیں۔ بیہقی اور حاکم ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے ہوا تو معاً کانپنے لگا آپ نے (تسلی کے طور پر) فرمایا کہ گھبراؤ نہیں میں کوئی (جابر) بادشاہ نہیں ہوں (صحیح الحاکم)

ابوداؤد اور ترمذی عبداللہ بن حسان سے روایت کرتے ہیں کہ ایک بار قیلہ بنت محزمہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد میں دیکھا کہ آپ گھٹنے کھڑے کئے ہوئے نہایت عاجزی سے بیٹھے ہیں۔ اس حالت میں بیٹھے ہوئے دیکھ کر قیلہ کے بدن پر مارے خوف کے لرزہ پڑ گیا۔ اس قسم کے واقعات احادیث میں بکثرت ہیں۔ مگر مضمون کو زیادہ طول نہیں دینا چاہتا اور انہی معدودے چند واقعات پر اکتفا کرتا ہوں۔ جن سے بحمد اللہ یہ بات ثابت ہو گئی کہ حق تعالیٰ شانہ نے سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ عزت و جاہ عطا فرمائی تھی کہ موافقین سے گزر کر مخالفین کو بھی اس کا اقرار تھا اور بڑے

بڑے مخالفین حتیٰ کہ سلاطین بھی محض آپ کے نام سے مرعوب ہو جاتے تھے۔  
 حدیث صحیح میں وارد ہے کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا  
 تعالیٰ نے میری مدد رعب سے بھی فرمائی ہے کہ ایک مہینہ کی مسافت تک میرا رعب  
 دشمنوں پر چھایا ہوا ہے۔ ناظرین کرام! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ہیبت و عظمت جاہ اور  
 رعب خدا داد تھا۔

ہیبت حق است و این از خلق نیست      ہیبت آن مرد صاحب دلق نیست  
 خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے ہم کو ایسی شریعت  
 عطا کی گئی ہے کہ جس پر پوری طرح عمل کرنے سے ہم کو بھی خدا داد عزت و عظمت جاہ اور  
 رعب کا نہایت کافی حصہ نصیب ہو سکتا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ جب تک اہل اسلام اپنے  
 نبی پر نازل ہونے والی کتاب اور محبوب خدا کے ارشادات پر کامل طور سے عمل پیرا رہے  
 اس وقت تک سلاطین دنیا مسلمانوں کی ہیبت سے کانپتے ہی رہے اور کسی کی یہ مجال نہ تھی  
 کہ مسلمانوں کو آنکھ بھر کر بھی دیکھ سکے لیکن جب سے ہم نے خود ہی اپنے دین کی عزت  
 اپنے دلوں سے کم کر دی تو خدا تعالیٰ نے یہی ہماری عزت و عظمت لوگوں کے دل سے  
 نکال دی حتیٰ کہ افسوس ہے آج مسلمان اسلام کی حرمت و آبرو سنبھالنے کیلئے اپنے کو دیگر  
 اقوام کی امداد کا محتاج سمجھتے ہیں اور تقریروں اور تحریروں میں ایک کافر و مشرک کا نام لیکر  
 کہتے ہیں کہ وہ اسلام کو آزادی دلاؤ ایگائنا للکھ و انا الیہ راجعون ارے غافل مسلمان!  
 تیری عزت و عظمت خود تیرے ہاتھ میں ہے خدا کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 کے ارشادات تیرے لئے اور تیری عزت و عظمت کے باقی رکھنے کیلئے کافی ہیں۔ واللہ تو  
 کسی کی امداد کا محتاج نہیں صرف اپنے خدا کی حمایت کا محتاج ہے۔ پس وہ کام کر جس پر  
 خدا راضی ہو اور اس کی نصرت و حمایت تیرے ساتھ ہو۔ اور اگر یہ نہیں تو بخدا تجھ کو دنیا میں  
 کبھی عزت حاصل نہیں ہو سکتی۔

عزیز یکہ از در گہش سرباخت      بہر در کہ شدیچ عزت نیافت

الارشاد في مسئلة الاستمداد  
مع ضميمه



## الارشاد فی مسئلۃ الاستمداد

### سوال

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاة

اما بعد

دریافت طلب یہ امر ہے کہ خیر القرون سے استمداد و استعانت بارواح الانبیاء الاولیاء آج تک معمول اسلام رہا اور سب صلحا و مشائخ اپنے مہماتوں میں استعانت بالغیر کرتے رہے اور کامیاب بھی ہوئے لیکن آجکل بعض حضرات اس کو منع کرتے ہیں اور اس کو شرک و بدعت فرماتے ہیں۔ اتنا خلجان ہے کہ اگر عوام پر شرک کا حکم لگا دیں جن میں حضرات مشائخ نے اس امر کو کیا دوسروں کو بھی اس امر کا تجویز فرمایا تو ان کو کس طرح اس حکم سے نکالیں۔ فی الحال محض اپنے تصحیح اعتقاد کیلئے یہ عبارات پیش کرتا ہوں ان کا جواب تحریر۔ عنوان دعوت عامہ النور میں تحریر فرمادیں واللہ ثم باللہ مجھے سوائے تصحیح اعتقاد اپنے کے کچھ غرض نہیں ہے نہ مجادلہ و عناد کا خیال ہے اور نہ کسی شے کا واللہ العظیم ثم باللہ العظیم محض لوجه اللہ تعالیٰ۔ ذرا عبارت آتیہ پر غور و معائنہ فرما کر تفصیل جواب دیویں دو چار مہینہ میں بھی ہو تو کچھ ڈر نہیں والسلام۔

عن ربیعۃ بن کعب قال کنت مع رسول اللہ فاتیتہ بوضوئہ وحاجتہ فقال لی سل فقلت اسالک مرافقتک فی الجنة الخ رواہ مسلم مشکوٰۃ ص ۸۴ مجتہائی از طلاق سوا کہ فرمود سل بخواہ و تخصیص نکر و بمطلوبے خاص معلوم میشود کہ ہمہ بدست ہمت و کرامت اوست ہر چہ خواہد ہر کر خواہد بان پروردگار خود بدہد اگر خیریت دنیا و عقبی آرزو داری بدرگاہش بیا و ہر چہ میخوای تمنا کن مرقات میں بھی

اسی مضمون کے مطابق ہے۔ عن ابی حنیف ان اعمراتی النبی فقال یا رسول اللہ ادع اللہ ان یعافینی قال ان شئت صبرت فهو خیر لک قال فادعه فامر ان يتوضاً فحسن وضوءه ویدعو بهذا الدعاء اللهم انی اسالک واتوجه الیک غیبک الخ رواہ ترمذی والنسائی و ابن ماجہ والحاکم حرز الثمین حاشیہ حصن حصین مطبوعہ لکھنؤ جو ہر منظم میں لکھا ہے استعمل السلف ہذا الدعاء فی حاجاتہم بعد موتہ علامہ خفاجی شرح شفا میں لکھتے ہیں و کان بن حنیف ونبوہ یعلمو بہ الناس وقد حکى فیہ حکایات فیہا اجابة دعاء من دعاہ من غیر تاخیر۔ عن یس بن علی عن عقبہ بن عروان عن النبی انہ قال اذا ضل احدکم شیئاً و اراد عوناً و هو بارض لیس بہا افلیس فلیقل یا عباد اللہ اعینونی (۳) فان للہ عباد الا لرلہم رواہ البطرانی حرز الثمین مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۱۲۷ حکى لى بعض شیوخنا الکبار فی العلم انفلتت له دابة اظنها بغلة و کان يعرف هذا لحديث فقال له حسبها اللہ علیہم فی الحال و کنت انا مرة مع جماعة فانفلتت بهیمة و عجزوا عنها فوقفت فی الحال بغير سبب من هذا الکلام ذکرہ النوری فی الاذکار الحرز الثمین صفحہ ۱۲۷ اور آنحضرتؐ کی پھوپھی صفیہؑ سے ثابت ہے انہوں نے بعد وفات آنحضرتؐ کہا ہے الایام رسول اللہ انت رجائنا و کنت بنا برأ و لم تک جافياً و قد قال رسول اللہ اذ تم تم فی الامور فاستعینوا من اهل القبور مرقاة الوصول صفحہ ۱۵۔ روى عن محمد بن الحسن الشیابی عن ابی یوسف و وکیع ان ابا حنیفہ کان یزور قبر محمد، الجعفر الصادق و یکنس علی بابہ و یعطی المجاورین فتوحاً و یطلب الاستعانة منه فی الامور قال الشیخ عبد القادر من استغاث بی فی کربہ کشف عنه و من نادانی باسمی فی شلة فرجت عنه و من توسل بی الی اللہ تعالیٰ فی حاجة قضیت له زبدة الآثار للشیخ الدہلوی ایہا ہی اخبار الاخبار میں ہے عن بعض اصحاب الشیخ

محی الدین نرلنا فی بریة ولا یقف الاخ علی اخیہ من الخوف فلما حملنا  
 الا جمال من اوائل اللیل فقدت اربعہ اجمال فلم اجدها فلما نشق الفجر  
 ذكرت قول الشیخ (الذکور قبل) فقلت یا شیخ عبدالقادر جمالی فقدت  
 (۳) ثم التفت الی مطلع الفجر فرایت فی ضوع الفجر من اول مالشق  
 رجلاً شديدة بياض الثياب علی رابية وهو یشیر الی حکمہ ای تعال فلما  
 صعدنا علی الرابية لم نراحداً ثم رایت الاربعة الاجمال لحب الرابية  
 انتهى ملخصاً خلاصة المفاخر للسافعی سیدی احمد بن رزوق کہ از  
 اعظام علماء وفقہاء و مشائخ مغرب ست گفت روزے شیخ ابو العباس حضرمی از من پرسید  
 کہ امدادی قوی است یا امدامیت من بگفتم کہ قوی میگویند کہ امدادی قویست و من میگویم  
 امدامیت اقوی ست لیس شیخ گفت نعم زیرا کہ او در بساط حق ست و در حضرت اوست اشعة  
 الممعات للشیخ الدہلوی حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں وقد  
 تواتر عن كثير من الاولینک یعنی ارواحہم انہم ینصرون اولیائہم  
 ویدمرون اعداہم مجدد الف ثانی بعض مکتوبات میں لکھتے ہیں کہ ہم چینیں ارباب  
 حاجات از اعزہ احیاء و اموات در مخادف و مہالک مدد ہائی طلسمند و می مینند کہ صوراً  
 عزہ حاضر شدہ رفع بلیر از یہا نمایند فتویٰ علما ی امر تر صفحہ ۳۷ منہیہ رد المختار میں ہے  
 قرر الزیادی ان الانسان اذا ضاع له شی و ارادی دالہ علیہ فنیقف علی  
 مکان عال مستقبل التربة ویقول یا سیدی احمد بن علوان ان ترد علی  
 ضنالتی و الانزعتک من دیوان الاولیاء انتہی ملخصاً اما قولہم یا شیخ  
 عبدالقادر فہو نداء و اذا اضیف شیاً للہ فہو طلب شی اکراماً للہ فما  
 الموجب لحرمتہ خیر الدین اہلی استاد و مختار حضرت محبوب العالم مریدان خود را بعد  
 نماز اجازت خواندن شیعاً اللہ یا حضرت سلطان ..... یکصد و سیزدہ بار دادہ اند کہ برائے ہر  
 حاجت کفایت کنہ خواجہ میرم یہ سب نقول نداء غائبانہ و استغاثت مذکورہ پر صراحتہ اجازت  
 دے رہے ہیں بلکہ احادیث سے اس کا مندوب مستحسن ہونا صریحاً مستفاد ہے اب ان کو



کس طرح کفر و شرک کہا جائے تفصیلاً اس کا جواب رسالہ النور میں بھیج دیویں والسلام  
 لوجه اللہ تعالیٰ جواب باصواب مشکور فرماویں اور الزامی اور اسکا تی جواب چونکہ شفا بخش  
 نہیں ہوتے ہیں اس لئے ان سے معاف رکھیں۔

والسلام علیکم

## الجواب

واللہ الموفق للصواب۔ سائل کو جزئیات مذکورہ سے جو خلجان پیش آیا ہے اس کا  
 منشا یہ ہے کہ وہ استمداد و استعانت بالغیر کی انواع و اقسام سے غالباً واقف نہیں ہے یا  
 واقف ہے مگر اس کا خیال یہ ہے کہ علماء اہل سنت تمام صورتوں کو شرک و کفر یا حرام و ناجائز  
 بتلاتے ہیں حالانکہ یہ خیال غلط ہے پس سب سے پہلے اس کو استعانت و نداء بالغیر کی  
 اقسام اور ہر ایک کے احکام سمجھنے چاہئیں جس کی تفصیل یہ ہے کہ استمداد و استعانت بالغیر  
 یا تو غیر خدا کو مستقل اور قادر بالذات سمجھ کر ہے یعنی نعوذ باللہ یہ سمجھ کر کسی بشر سے  
 استعانت چاہے کہ اس کے اندر خانہ زاد قدرت ہے کہ وہ جو چاہے خود کر سکتا ہے اور یہ  
 قدرت خدا کی دی ہوئی نہیں ہے یا یہ کہ اس کی قدرت کو خانہ زاد اور مستقل تو نہیں سمجھتا  
 بلکہ خدا کی دی ہوئی سمجھتا ہے مگر اس کا اعتقاد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ سے قدرت حاصل کر لینے  
 کے بعد اب یہ مستقل ہو گیا ہے۔ جس وقت جو چاہے کر سکتا ہے جس کو چاہے دے، جس  
 کو چاہے نہ دے اور جب خداوند کریم نے اس کو یہ قدرت کاملہ عطا فرمادی تو اب سوال  
 کرنا اور دعا مانگنا اور مرادیں چاہنا اسی کے ساتھ مخصوص ہو گیا یا مخصوص نہ ہو مگر خدا سے بھی  
 سوال کرو جب بھی دینے والا وہی غیر ہوگا کیونکہ یہ کام اس کے سپرد ہو چکا ہے۔

پہلے اعتقاد کے صریح کفر ہونے میں تو کسی مسلمان کو شک نہیں ہو سکتا کیونکہ ایسا  
 اعتقاد تو کفار و مشرکین بھی اپنے معبودوں کے ساتھ نہیں رکھتے وہ بھی قادر بالذات اور  
 مستقل قدرت والا خدا تعالیٰ ہی کو سمجھتے ہیں چنانچہ زمانہ جاہلیت میں کفار مکہ تلبیہ اس طرح  
 کہتے تھے

﴿لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ إِلَّا

شَرِيكًا هُوَ لَكَ تَمْلِكُهُ وَمَا مَلِكٌ﴾

”حاضر ہیں اے اللہ ہم حاضر ہیں آپ کا کوئی شریک نہیں ہے مگر

وہ شریک جو کہ آپ ہی کے ہیں آپ اُن کے اور ان کی سب

مملوکات کے مالک ہیں۔

اور قرآن میں بھی جہاں جہاں ان کے اقوال مذکور ہیں سب سے یہی پتہ چلتا

ہے کہ وہ اپنے معبودوں کو قادر بالذات ہرگز نہ سمجھتے تھے۔ يَقُولُونَ هَلْ لَاءِ شُفَعَانَا عِنْدَ اللَّهِ، مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى..

وہ کہتے ہیں کہ یہ (اصنام) خدا کے یہاں ہماری شفاعت کرنے والے ہیں

ان کی عبادت ہم صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہم کو خدا کا مقرب بنادیں۔

دوسری صورت پہلی صورت سے گو بظاہر کم ہے مگر شریعت اسلامیہ نے اس کو

بھی شرک و کفر قرار دیا ہے کیونکہ یہ وہی اعتقاد ہے جو کفار و مشرکین اپنے معبودوں کی

نسبت رکھتے تھے۔ ان کا خیال یہی تھا کہ خدا تعالیٰ قادر بالذات ہے مگر اس نے ان اصنام

کو اپنی طرف سے قدرت عطا کر دی ہے، جس کے حاصل کر لینے کے بعد اب یہ مستقل

ہو گئے جو چاہیں کر سکتے ہیں، جس کو چاہیں نفع و نقصان پہنچا سکتے ہیں اور چونکہ یہ کام ان

کے سپرد ہے اس لئے خدا سے بھی دعا کی جائے گی تو وہ بھی اس درخواست کو انہی کے

پاس بھیج دے گا جیسے سلاطین دنیا بعض کاموں کو اپنے ماتحت حکام کے سپرد کر دیتے ہیں

کہ ان کاموں کے لئے ماتحت حکام ہی سے عرض معروض کی جاتی ہے۔

اور اگر کوئی شخص بلا واسطہ بادشاہ کے پاس اس کام کی درخواست بھیج دے تو

بادشاہ اس کو ماتحت حاکم ہی کے یہاں واپس کر دیتا ہے کہ یہ کام ہم نے اس کے متعلق کر

دیا ہے وہیں سے اس کا فیصلہ ہوگا۔ شریعت اسلامیہ نے صاف صاف بتلا دیا ہے کہ خدا

تعالیٰ کے یہاں ایسے نائب اور ماتحت حکام بالکل نہیں ہیں جو خدا تعالیٰ سے اختیارات

حاصل کر لینے کے بعد خود مستقل ہو گئے ہوں۔ سلاطین دنیا کو اپنی کمزوری کی وجہ سے ایسے

نابھوں کی ضرورت ہوتی ہے، خدا کو اس کی ضرورت نہیں۔ تمام امور اسی کے ہاتھ میں ہیں کسی کے ہاتھ میں کوئی چیز مستقل طور پر نہیں ہے۔

﴿إِلَّا الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ أَمَرَ أَنْ لَا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ. إِنَّ كُلَّ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتَى الرَّحْمَنِ عَبْدًا. لَقَدْ أَحْصَاهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا. وَكُلُّهُمْ آتِيهِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فَرْدًا بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجَبِّرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ إِنْ أَرَادَ اللَّهُ هُوَ الرِّزَاقُ ذُورَ الْقُوَّةِ الْمَتِينِ. مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ. وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَنْ يُدْخَلَ أَحَدُكُمْ عَمَلُهُ الْجَنَّةَ قَالُوا وَلَا أَنْتَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ وَلَا أَنَا إِلَّا أَنْ يَتَغَمَّدَنِي اللَّهُ بِمَغْفِرَةٍ وَرَحْمَةٍ أَوْ قَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ انْقُذُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ لَا أَغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا يَا بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ انْقُذُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ لَا أَغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا يَا فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ انْقُذِي نَفْسَكَ مِنَ النَّارِ لَا أَغْنِي عَنْكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَيَا صَفِيَّةَ عَمَةَ رَسُولِ اللَّهِ انْقُذِي نَفْسَكَ مِنَ النَّارِ لَا أَغْنِي عَنْكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا الْحَدِيثُ وَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللَّهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مَعْطَى لِمَا مَنَعْتَ وَلَا رَادَّ لِمَا قَضَيْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ. وَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. إِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَاللَّهُ يَعْطِي وَقَالَ تَعَالَى مَا يَفْتَحُ اللَّهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكُ فَلَا مُرْسِلَ لَهُ مِنْ أَحَدٍ مِنْ بَعْدِهِ. وَقَالَ تَعَالَى إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ. وَمَا أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ

بِمُؤْمِنِينَ. اَهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَةَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا  
 بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمُ الْاَيَةَ وَ مَا تَشَاؤُنَ اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ ﴿۱۳﴾  
 ترجمہ :- ”نہیں ہے حکم مگر اللہ ہی کا اُس نے اس کا حکم کیا ہے کہ  
 اُس کے سوا کسی کی پرستش نہ کرو۔ زمین و آسمان میں کوئی نہیں ہے  
 مگر سب کے سب خدائے رحمن کے سامنے غلام بن کر حاضر ہوں  
 گے اُس نے سب کو احاطہ کر لیا اور شمار کر لیا ہے۔ اور سب کے سب  
 قیامت کے دن تنہا تنہا آئیں گے۔ اُسی کے ہاتھ میں ہر چیز کی  
 حکومت ہے وہی پناہ دے سکتا ہے اُس کے مقابلہ میں کوئی پناہ نہیں  
 دے سکتا۔ اللہ ہی روزی دینے والا زبردست قوت والا ہے۔ وہ  
 کون ہے جو خدا کے سامنے بدون اس کی اجازت کے شفاعت کر  
 سکے۔ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کسی کو  
 اُس کا عمل جنت میں داخل نہ کرے گا صحابہ نے عرض کیا یا رسول  
 اللہ کیا آپ کو بھی (آپ کا عمل داخل نہ کرے گا) فرمایا مجھ کو بھی  
 نہیں مگر یہ کہ حق تعالیٰ مجھے مغفرت و رحمت کے ساتھ ڈھانپ  
 لیں۔“ (رواہ البخاری کذا فی تیسیر الوصول (صفحہ ۱۴)

ابن جریر نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے  
 کہ جب آیت و انذر عشیرتک الاقربین نازل ہوئی تو رسول  
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش (کے آدمیوں) کو عام اور خاص طور  
 پر پکارا اور فرمایا کہ اے جماعت قریش تم اپنی جانوں کو اللہ تعالیٰ  
 سے خرید لو (یعنی اُس کے عذاب سے بچا لو) اے کعب بن لوی کی  
 اولاد اے عبد مناف کی اولاد اے جماعت بنی ہاشم اے جماعت  
 بنی عبد المطلب سب کے سب اپنی جانوں کو دوزخ کی آگ سے  
 بچا لو۔ اے فاطمہؓ محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی اپنی

جان کو آگ سے بچالے کیونکہ میں خدا کی قسم اللہ کی طرف سے تمہارے لیے کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا ہاں البتہ تمہارے لیے قرابت کا ایک تعلق ہے جس کے حقوق کو میں پورا کرتا رہوں گا۔ اور ایک روایت میں حضرت عباس اور حضرت صفیہ کا نام بھی ہے۔ اور ایک روایت میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نام کے ساتھ اتنا اور زیادہ ہے سلینی من مالی ماشت لا اغنی عنک من اللہ شیئا۔ میرے مال میں سے تم جو چاہو مجھ سے مانگ لو لیکن خدا تعالیٰ (کے عذاب) سے بچانے میں میں تم کو کچھ نفع نہیں دے سکتا اھ اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ شفاعت بھی نہ کریں گے بلکہ مطلب یہ ہے کہ میرے قبضہ میں کوئی چیز نہیں ہے شفاعت وغیرہ بھی حق تعالیٰ ہی کے قبضہ میں ہے اور اسی کے حکم سے ہو سکتی ہے واللہ اعلم اخرجہ ابن جریر فی تفسیرہ بطریق مختلفہ یثید بعضها بعضا صفحہ ۷۲، ۷۳ جلد ۱۹-۱۲ مولف۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ جو کچھ آپ دیں اس کو روکنے والا کوئی نہیں اور جو آپ روک دیں اس کو دینے والا کوئی نہیں اور نہ آپ کی قضا و قدر کو کوئی رد کرنے والا ہے اور نہ کسی اقبال والے کو آپ کے مقابلہ میں اس کا اقبال نفع دے سکتا ہے۔

میں تو صرف بانٹنے والا ہوں اور دینے والا خدا ہی ہے۔ حق تعالیٰ لوگوں کے لیے جس رحمت (کے دروزہ) کھول دے اس کو بند کرنے والا کوئی نہیں اور جس کو بند کر دیا اس کو چھڑانے والا کوئی نہیں خدا کے سوا۔

آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے بلکہ خدا تعالیٰ جس کو چاہیں ہدایت کر دیتے ہیں۔ اور بہت سے آدمی گو آپ کتنا بھی چاہیں

ایمان والے نہیں۔ کیا یہ لوگ خدا کی رحمت کو خود بانٹنا چاہتے ہیں  
ہم نے ہی ان کے درمیان ان کی معاش کو تقسیم کر دیا ہے (وہ خود  
کچھ نہیں کر سکتے)۔

غرض بکثرت نصوص و آیات اس پر دال ہیں کہ کارخانہ الہی میں کوئی نبی یا ولی  
خود مستقل اور مختار کار نہیں ہے البتہ جس طرح حق تعالیٰ نے عام انسانوں کو بعض افعال کی  
کچھ قدرت عطا کی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ افعال شرعاً بندوں کی طرف منسوب ہوتے  
اور انہی کے افعال شمار ہوتے ہیں۔ جن میں قدرت حاصل کرنے کے بعد بھی وہ سراسر  
خدا تعالیٰ کے محتاج ہیں۔ جیسے کھانا پینا چلنا پھرنا، تجارت و حرفت وغیرہ اسی طرح انبیاء و  
اولیا کو ان کا اعجاز یا کرامت ظاہر کرنے کے لئے عام لوگوں سے کچھ زیادہ قدرت دی  
ہے۔ جس میں وہ محض آلہ اور سفیر ہوتے ہیں۔ مستقل اور مختار کار نہیں ہوتے۔ پس ایک  
صورت استمداد و استعانت کی یہ ہوئی کہ غیر خدا سے ایسے امور میں استعانت چاہی جائے  
جو بظاہر عادیۃ انسان کی قدرت میں ہیں مگر اس کو محض آلہ اور ذریعہ اور سفیر سمجھا جائے۔ یہ  
صورت استمداد زندہ انسان سے بالاتفاق جائز ہے۔ اور چونکہ مرنے کے بعد انسان کو ان  
امور عادیہ کی قدرت نہیں رہتی جن کی زندگی میں قدرت حاصل تھی۔ اس لئے مرنے کے  
بعد امور عادیہ میں بھی کسی سے امداد چاہنا خواہ آلہ اور ذریعہ ہی سمجھ کر ہو جائز نہیں۔ کیونکہ  
اس صورت میں کسی قدر اس کے استقلال اور باختیار ہونے کا شبہ ہو سکتا ہے اور شریعت  
نے استقلال کے شبہ سے بھی روکا ہے۔ البتہ مرنے کے بعد فیضان روحانی حاصل کرنے  
میں انبیاء و اولیاء سے استعانت جائز ہے کیونکہ یہ قوت ان کو وفات کے بعد بھی بدلیل کشفی  
اسی طرح حاصل رہتی ہے۔ جیسے امور عادیہ جسمانیہ کی قوت زمانہ حیات میں ہوتی ہے۔

اور ایک صورت استعانت کی یہ ہے کہ کسی نبی یا ولی سے زندگی میں یا وفات  
کے بعد ایسے امور میں استعانت و استمداد کی جائے جو عادیۃ قدرت بشری سے خارج ہیں  
مثلاً ان سے اولاد مانگنا بارش وغیرہ طلب کرنا یا شفاء چاہنا یہ بالکل ناجائز ہے۔ کیونکہ ایسی  
استعانت سے بہت قوی شبہ ان کے استقلال و خود اختیاری کا ہوتا ہے گو استعانت کرنے



والے کا یہ اعتقاد نہ ہو مگر شریعت اسلامیہ نے ایہام کفر و شرک سے بھی روکا ہے۔ چنانچہ غیر اللہ کی قسم کھانا یا کسی جاندار کی تصویر گھر میں رکھنا اسی لئے حرام ہے کہ اس میں ایہام شرک ہے۔ گو اعتقاد شرک نہ ہو البتہ امور عادیہ و غیر عادیہ میں انبیاء و اولیاء کے ساتھ تو سل کرنا جائز ہے۔ یعنی حق تعالیٰ سے دعا کرنا کہ الہی فلاں نبی یا ولی کی برکت سے یہ حاجت پوری کر دے۔ محققین کے نزدیک اس کا کچھ مضائقہ نہیں خواہ تو سل زندہ کا ہو یا میت کا۔

اور ایک صورت استعانت کی یہ ہے کہ کوئی نبی یا ولی کسی خاص وقت میں باذن الہی اپنا اعجاز یا کرامت ظاہر کرنے کے لئے کسی خاص شخص یا جماعت سے یہ فرمادیں کہ فلاں وقت جو شخص یا خاص شخص ہم سے جو حاجت مانگے گا۔ وہ اس کو مل جائیگی۔ یا ہم دیں گے۔ اور مطلب یہ ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ ہمارا معجزہ یا کرامت ظاہر کرنے کیلئے اس کی حاجت کو پورا کر دیں گے۔ اس صورت میں اگر وہ خاص شخص یا خاص جماعت جس کی نسبت یہ ارشاد ہوا ہے ان سے اپنی حاجت میں امداد چاہی اور اس نبی یا ولی کو محض ذریعہ اور سفیر سمجھے اور حقیقی حاجت روا خدا تعالیٰ کو خیال کرے تو یہ صورت بھی جائز ہے۔ اور چونکہ کرامت و اعجاز میں خلاف عادت امور ظاہر ہوا کرتے ہیں۔ اس لئے ان میں طاقت بشریہ کو کچھ دخل نہیں ہوتا وہ فعل محض اللہ تعالیٰ کی طرف سے معجزہ یا کرامت صادر ہوتا ہے۔ نبی یا ولی کو اس میں کچھ دخل نہیں ہوتا۔ البتہ اس سے نبی یا ولی کی صداقت اور ان کا مقرب الہی ہونا ظاہر ہو جاتا ہے۔ نیز چونکہ خارق عادت کا استمرار ضروری نہیں اس لئے ایسی استعانت مستمرّاً جائز نہ ہوگی۔

خلاصہ یہ کہ استعانت و استمداد بالغیر کی آٹھ صورتیں ہیں۔

- (۱) یہ کہ ماسوائے خدا کو خواہ کوئی ہو قادر بالذات سمجھ کر اس سے مدد چاہنا
- (۲) یہ کہ قادر بالذات تو نہ سمجھے بلکہ اس کی قدرت کو خدا کی دی ہوئی جانے مگر یہ اعتقاد رکھے کہ خدا سے قدرت حاصل کر کے یہ مستقل اور خود مختار ہو گیا ہے جو چاہے کر سکتا ہے۔

- (۳) یہ کہ اس کو محض آلہ اور ذریعہ سمجھے اور حاجت روا حق تعالیٰ کو سمجھے اس کی



چند صورتیں ہیں ایک یہ کہ اس اعتقاد کے ساتھ کسی زندہ سے امور عادیہ میں (جو عادیہ و شرعاً انسان کا فعل شمار ہوتے ہیں) امداد چاہے اور یوں کہے کہ اے فلاں تم میرا یہ کام کر دو یا مجھے روپیہ پیسہ دیدو۔

(۴) کسی زندہ سے امور غیر عادیہ میں (جو عادیہ و شرعاً انسان کی قدرت سے خارج ہیں اور اس کا فعل شمار نہیں ہوتے، اعانت طلب کرے مثلاً یوں کہے کہ اے مرشد مجھ کو اولاد دیدو۔

(۵) کسی نبی یا ولی سے بعد وفات کے روحانی فیض حاصل کرنے میں مدد چاہے۔

(۶) ان سے بعد وفات کے امور غیر عادیہ میں یا ایسے امور عادیہ میں جو مرنے کے بعد انسان کی طاقت سے باہر ہو جاتے ہیں مدد چاہے۔ مثلاً یوں کہے کہ اے نبی یا ولی میرے مقدمہ میں تم میری امداد کرو یا مجھ کو مرض سے شفا دو یا مجھے اولاد دیدو وغیرہ وغیرہ۔

(۷) امور عادیہ و غیر عادیہ میں کسی نبی یا ولی حی و میت کے توسل سے دعا کرے یا ان سے دعا و شفاعت کی درخواست کرے۔

(۸) جب کوئی نبی یا ولی اعجاز یا کرامت کے طور پر کسی سے کہے کہ مانگو کیا مانگتے ہو۔ اس وقت ان سے اپنی حاجت مانگے خواہ وہ امور عادیہ سے ہو یا غیر عادیہ سے۔ ان کا حکم یہ ہے کہ صورت اول و دوم تو شرک ہے اور تیسری صورت باتفاق اہل تحقیق جائز ہے اور چوتھی صورت ناجائز ہے۔ مگر اعجاز و کرامت کے اظہار کا وقت اس سے مستثنیٰ ہے جیسا کہ نمبر ۸ میں آتا ہے اور پانچویں صورت باتفاق جائز ہے اور چھٹی صورت ناجائز ہے اور ساتویں ایک محقق کے نزدیک اور آٹھویں صورت بھی جائز ہے الغرض چار صورتیں جائز اور چار ناجائز ہیں اور جو صورتیں جائز ہیں وہ اسی شرط کے ساتھ جائز ہیں کہ حاجت روا خدا تعالیٰ کو سمجھے اور نبی یا ولی کو ذریعہ اور وسیلہ خیال کرے۔ اسی طرح نداء بالغیر میں بھی تفصیل ہے۔

- (۱) یہ کہ زندہ کو قریب سے پکارے۔
- (۲) زندہ کو غائبانہ پکارے پھر اس میں دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ محض شوق اور محبت میں ایسا کرے۔ پکارنا مقصود نہ ہو۔
- (۳) یہ کہ اعتقاد یہ ہو کہ وہ دور سے بھی سنتے ہیں پہلی دو صورتیں جائز اور تیسری حرام ہے یہی تفصیل وفات کے بعد پکارنے میں ہے۔
- (۱) یہ کہ نبی یا ولی کے مزار پر جا کر ان کو پکارے۔
- (۲) یہ کہ دور سے ان کو پکارے مگر مقصود پکارنا نہ ہو بلکہ محض محبت و شوق کے غلبہ میں ایسا ہو جائے۔

- (۳) یہ کہ اعتقاد ہو کہ وہ دور سے بھی سنتے ہیں۔
- (۴) یہ کہ غائبانہ ندا کرے مگر مقصود نہ پکارنا ہے نہ غلبہ شوق و محبت ہے بلکہ کسی دعا میں ان کا نام بصیغہ نداند کور ہے اس کو دعا سمجھ کر ویسے ہی پڑھتا ہے۔
- ان میں صورت اول باتفاق محققین جائز ہے۔ بشرطیکہ مزار کے پاس جا کر ندا میں استعانت محرمہ کا قصد نہ ہو۔ جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔ بلکہ محض سلام وغیرہ کے طور پر ندا ہو اور دوسری صورت بھی باتفاق جائز ہے اور تیسری صورت ناجائز ہے کہ عقیدہ شرک ہے چوتھی صورت اس شرط سے جائز ہے کہ وہ صیغہ ندا کسی آیت یا حدیث میں وارد ہوا ہو جیسا کہ تشہد میں السلام علیک ایہا النبی بصیغہ نداند کور ہے۔

اس تفصیل سے امید ہے کہ سائل کے شبہات زائل ہو گئے ہونگے۔ مزید اطمینان کیلئے ہم ان تمام جزئیات پر بھی کلام کرتے ہیں جن سے اس کو خلجان پیش آیا ہے مگر مقدمہ کے طور پر سائل کو یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ استمداد و استعانت بالغیر جس کو ہم منع کرتے ہیں، وہ یہ ہے کہ نبی یا ولی سے یوں کہا جائے کہ تم میری یہ حاجت پوری کر دو، تم میرا یہ کام بنا دو اور اگر ان سے اس طرح نہ کہے بلکہ خدا تعالیٰ سے ان کے توسل سے دعا کرے یا ان سے یہ کہے کہ تم میرے واسطے خدا تعالیٰ سے دعا کرو، جبکہ ان کا دعا کر سکرنا مشاہدہ یا نص سے ثابت ہو۔ یہ استمداد ہمارے نزدیک ناجائز نہیں اور

درحقیقت اس کو استمداد کہنا ہی مجاز ہے۔ دراصل یہ صورت تو سل کے نام سے موسوم ہے۔ جس کو کوئی ناجائز نہیں کہتا۔

پس سائل نے سب سے پہلے جو حدیث ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ کی پیش کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وضو کیلئے پانی اور ضروریات کی چیزیں حاصل کیا کرتے تھے۔ ایک دن حضورؐ نے ان سے ارشاد فرمایا کہ مانگ کیا مانگتا ہے۔ اس نے کہا کہ میں آپ سے یہ مانگتا ہوں کہ جنت میں آپ کی رفاقت مجھے نصیب ہو قال او غیر ذلک قال هو ذلک قال فاعننی علی نفسک بکثرة السجود۔ ۱ھ۔ مسلم (ج ۱ ص ۱۹۳) آپؐ نے فرمایا کہ اس کے سوا اور کچھ مانگو انہوں نے عرض کیا کہ میں تو بس یہی مانگتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا کہ پھر اپنے نفس کے حق میں کثرت سجود سے تم میری مدد کرو۔ ۱ھ۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ایسی چیز کی درخواست کی جو عادتہ قدرت بشری سے خارج ہے یعنی جنت میں رفاقت مگر تفصیل گزشتہ میں غور کرنے کے بعد یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ جو صورت استمداد اس حدیث میں مذکور ہے وہ آٹھویں قسم میں داخل ہے۔ جس کو ہم جائز کہتے ہیں۔ ناجائز نہیں کہتے علاوہ ازیں ربیعہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے آپؐ کا یہ فرمانا کہ مانگو اس کا مطلب محاورہ کے موافق تو یہی ہے کہ جو چیز ہم دے سکتے ہیں وہ مانگو چنانچہ بعض دفعہ سلاطین دنیا بھی اپنے خدام سے ایسا کہہ دیا کرتے ہیں کہ مانگو کیا مانگتے ہو۔ جس کا مطلب ہمیشہ یہی ہوتا ہے کہ جو چیز ہمارے قبضہ قدرت میں ہے، وہ مانگو یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ جو چاہو مانگو سب ہمارے قبضہ میں ہے۔

پس اس حدیث سے یہ سمجھنا کہ حضورؐ کے قبضہ میں سب کچھ ہے آپؐ جس کو جو چاہیں دے سکتے ہیں۔ بالکل غلط ہے۔ رہا یہ کہ پھر ربیعہ اسلمی نے ایسی درخواست کیوں کی اس کا جواب یہ ہے کہ ان کو قرینہ حال سے یہ معلوم ہو گیا ہوگا کہ اس وقت سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر خاص وقت ہے کہ آپؐ نے بدون کسی قید کے یہ ارشاد فرما دیا

کہ مانگ کیا مانگتا ہے۔ اس وقت میں جو کچھ مانگ لوں گا حق تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے مجھے ضرور عطا فرمادینگے۔ چنانچہ انہوں نے ایک ایسی درخواست کی جو حضور کے اختیار سے باہر اور محض خدا تعالیٰ کی قدرت میں داخل تھی۔ کیونکہ صحابی جانتے تھے کہ میرا سوال حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محض ظاہری طور پر ہے۔ ورنہ حقیقت میں میرا سوال حق تعالیٰ سے ہے اور اس کی قدرت میں سب کچھ ہے اور سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محض ذریعہ اور وسیلہ اور دعا و شفاعت فرمانے والے ہیں۔

چنانچہ یہ حقیقت حضور کے آئندہ کلام سے اچھی طرح واضح ہو گئی۔

﴿قَالَ فَاَعْنِي عَلَى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُودِ﴾

”کہ تم کثرت سجود سے اپنے نفس کے حق میں میری مدد کرو۔“

اس سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ یہ درخواست میرے قبضہ سے باہر ہے ہاں میں اس کے لئے دعا و شفاعت سے کوشش کروں گا اور تم کثرت سجود کے ساتھ کوشش کرتے رہنا۔ اس حدیث سے یہ ہرگز نہیں معلوم ہوتا کہ جنت میں داخل کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار میں ہے کہ جس کو چاہیں داخل کر دیں۔ اگر آپ کو اختیار تام ہوتا اور کوئی حالت منتظرہ باقی نہ ہوتی تو اس قید کی کیا ضرورت تھی۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا اختیار تام حاصل ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطالب کو مومن اور جنتی کیوں نہ بنا دیا۔ بلکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطالب کو جنتی بنانے کی بہت ہی کوشش کی مگر ان کی قسمت میں جنت نہ تھی۔ اس لئے آپ کی کوشش کارگر نہ ہوئی اور آپ کو اس کے خاتمہ کفر سے رنج بھی ہوا۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ

يَشَاءُ﴾

”(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) بے شک آپ جس کو چاہیں ہدایت

نہیں دے سکتے لیکن اللہ جس کو چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں۔“

اور دوسری جگہ ارشاد ہے۔

﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسِكَ إِلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ۝ وَمَا أَكْثَرُ

النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ﴾

”تو شاید آپ اپنے آپ کو اس وجہ سے ہلاک کر ڈالیں گے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔“

پس اس حدیث سے یہ سمجھنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار میں سب کچھ ہے۔ نصوص قرآنیہ کے بالکل خلاف ہے وہاں تو صاف تصریح ہے۔

﴿قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ﴾

”اے رسول فرما دیجئے کہ میں اپنے لئے (بھی) کسی نفع و نقصان کا مالک نہیں ہوں ہاں مگر جو خدا چاہے“

اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ بھی جنت میں اپنے عمل سے نہ جائیں گے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں بھی اپنے عمل سے نہ جاؤں گا۔ ہاں مگر یہ کہ خدا کا فضل و رحم مجھے ڈھانپ لے۔ غرض بکثرت نصوص موجود ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت و دوزخ میں بھیجنے کا اختیار بجز خدا کے کسی کو نہیں۔ ہاں انبیاء و اولیاء باذن الہی شفاعت و دعا مومنین کے واسطے کریں گے۔ جو دربار الہی میں قبول ہو کر ان حضرات کے اعزاز و تقرب کی دلیل ہوگی۔

پس ربیعہ اسلمی کے سوال سے اتنی بات معلوم ہوئی کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بعض اوقات ایسی حالت ہوتی تھی کہ اس وقت آپ جس کے لئے جو دعا فرما دیتے تھے وہ بطور اعجاز کے قبول ہو جاتی تھی۔ جس کا دوام و استمرار نہ ضروری ہے نہ اس پر کوئی دلیل ہے۔ بلکہ اس کے خلاف پر دلائل قائم ہیں کہ بعض دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض دعائیں قبول نہیں ہوئیں اور حضرت شیخ عبدالحق رحمہ اللہ و علی قاریؒ کا بھی یہی مطلب ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا قید جو یہ فرمایا کہ مانگ کیا مانگتا ہے۔ اس وقت حق تعالیٰ کی طرف سے آپ کو یہ خاص حالت نصیب تھی کہ جس کے لئے آپ جو دعا

فرمادیں گے قبول ہو جائے گی۔ باقی دعا و شفاعت کے سوا اختیار تمام حاصل ہونا یہ مطلب شیخ کا ہرگز نہیں۔ چنانچہ اسی جگہ باذن پروردگار خود کے لفظ سے اس کی نفی ہو گئی ہے۔

اور کتاب الجہاد اشعة اللمعات میں تو حضرت شیخ نے اس مطلب کو بخوبی واضح کر دیا ہے و نصہ ہذا چہ میخوابند ایشان باستمداد و امداد کہ اس فرقہ منکر اند آئرا آنچہ بامی فہمیم ازاں اس است کہ داعی محتاج فقیر الی اللہ دعا میکند خدا را و طلب می کند حاجت خود را از جناب عزت و غنائے وے و توسل می کند بروحانیت اس بندہ مکرم و مقرب در درگاہ عزت و میگوید خداوند ابہ برکت اس بندہ کہ رحمت کردہ بروے و اکرام کردہ اور ابلطف و کرمی کہ بوے داری۔ بر آورده گردان حاجت مرا کہ تو معطی نہ کریمی۔ یا ندای کند اس بندہ مکرم و مقرب را کہ اے بندہ اے ولی وے شفاعت کن مرا بخواہ از خدا کہ بدہ مسئول و مطلوب مرا و قضا کند حاجت مرا پس معطی و مسئول پروردگار حق تعالیٰ و تقدس و نیست اس بندہ در میان مگر وسیلہ و نیست قادرہ فاعل و متصرف در وجود مگر حق سبحانہ و اولیائے خدا فانی و ہالک اند در فعل الہی و قدرت و سطوت دے و نیست ایشان را فعل و قدرت تصرف نہ اکنون کہ در قبور اند نہ در ہنگام کہ زندہ ہوں در دنیا و اگر اس معنی کہ در امداد و استمداد ذکر کردہ ایم موجب شرک و توجہ بما سوائے حق باشند چنانکہ منکر زعم می کند پس باید کہ منع کردہ شود توسل و طلب دعا از صالحان و دوستان خدا در حالت حیات نیز و اس ممنوع نیست بلکہ مستحسن و مستحب است باتفاق و شائع است در دین۔ اھ

اس میں صاف تصریح ہے کہ قادر و مختار و فاعل و متصرف حق تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں اور انبیاء و اولیاء و دوستان خدا فعل و سطوت و قدرت الہی میں ہالک اور فانی ہیں ان کا کچھ بھی فعل و تصرف نہیں ہوتا بلکہ وہ محض دعا و شفاعت کرتے ہیں نیز اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضرت شیخ جس استمداد کو جائز فرماتے ہیں وہ وہی ہے۔ جس کو توسل کہا جاتا ہے اور اس کو علماء اہل سنت منع نہیں کرتے بلکہ اس کے منکر غیر مقلدین فرقہ وہابیہ ہیں۔

اس کے بعد سائل نے حضرت عثمان بن حنیف کی روایت نقل کی ہے کہ ایک



نابینا شخص نے دربار رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے لئے حق تعالیٰ سے دعا فرمائیے کہ مجھ کو شفاعت فرمائے آپ نے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو صبر کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر چاہو تو میں دعا کر دوں۔ اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا ہی فرما دیجئے چنانچہ آپ نے اس کو حکم دیا کہ اچھی طرح وضو کر کے دو رکعتیں پڑھے اور اس دعا کو پڑھ کر حق تعالیٰ سے درخواست کرے۔

﴿اللھم انی اسئلك و اتوجه الیک بمحمد نبی

الرحمة یا محمد انی قد توجهت بک الی ربی فی

حاجتی هذه لتقضى. اللهم فیشفعه فی قال ابو اسحق

هذا حدیث صحیح رواہ ابن ماجہ و اللفظ له و الترمذی

وقال حسن صحیح و صححه البیہقی وزاد فقام و قد

ابصرا ﴿ (ابن ماجہ مع انجاح الحاجة (ص ۱)

اس حدیث سے استمداد متعارف پر استدلال کرنا تو کسی طرح ممکن نہیں تفصیل گزشتہ میں غور کر لینے کے بعد ہر عاقل اقرار کرے گا کہ اس میں درخواست دعا اور توسل سے زیادہ کوئی بات نہیں۔ چنانچہ ملاحظہ ہوں الفاظ حدیث (الہی میں تجھ سے سوال کرتا اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں کہ بوسیلہ تیرے نبی محمد نبی الرحمتہ کے صلی اللہ علیہ وسلم) یہ تو خدا سے سوال ہے بوسیلہ سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے اور اگلا لفظ اللهم فیشفعه فی الہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت میرے بارے میں قبول فرما طلب شفاعت میں بالکل ہی صاف اور ظاہر ہے اور توسل یا طلب دعا و شفاعت کو ہم ہرگز منع نہیں کرتے اس کو استعانت و استمداد متعارف سے کیا واسطہ استعانت تو جب ہوتی کہ آپ سے سوال ہوتا یہاں تو خدا سے سوال ہے وہی دینے والا ہے پس یہ تو صاف توسل کی صورت ہو گئی پھر آگے اور بھی صاف ہے۔

﴿یا محمد انی اتوجه بک الی ربی فی حاجتی هذه

لتقضى﴾



”اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کے ذریعہ سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تاکہ میری حاجت پوری ہو جائے۔“

رہا یہ کہ اس حدیث میں آپ کو ندا ہے اس کا جواب ظاہر ہے کہ یہ ندائے بعید نہیں بلکہ ندائے قریب ہے کیونکہ وہ ناینا مسجد نبوی میں یہ دعا کر رہا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی قریب ہی وہاں تشریف فرما تھے تو جس وقت اس نے حضور کا نام بصیغہ ندا لیا ہوگا اس وقت آپ نے بھی بطور شفاعت کے دعا فرمادی ہوگی لہذا اس میں تو کچھ بھی اشکال نہیں ہاں یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ طبرانی وغیرہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان بن حنیف نے بعد وصال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی ایک شخص کو یہ دعا صیغہ ندا ہی کے ساتھ تعلیم فرمائی ہے سو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ندا کی چوتھی قسم میں داخل ہے جس کو جائز کہتے ہیں کہ ندا غائبانہ ہو مگر ندا کا قصد نہ ہو بلکہ کسی دعا میں آیت یا حدیث سے ندا کا صیغہ ثابت تھا اس کو اسی طرح دعا سمجھ کر پڑھ دیا دوسرے یہ ایک صحابی کا فعل ہے اور فعل صحابی اگر اصول شرعیہ کے خلاف ہو تو اس سے احتجاج نہیں ہو سکتا بلکہ خود اسی میں تاویل کی جائے گی کیونکہ صحابی سے غلطی اجتہادی ہو جانا ممکن ہے اور وصال نبوی کے بعد آپ کو ندا کرنا اصول شرعیہ کے خلاف ہے چنانچہ اسی لئے بعض صحابہ وصال نبوی کے بعد تشہد میں بجائے السلام علیک ایہا النبی کے صرف السلام علی النبی بحذف ندا کہتے تھے۔

﴿قال عبدالرزاق اخبرنا ابن جریج اخبرنی عطاء ان الصحابة كانوا يقولون والنبي صلى الله عليه وسلم حي السلام عليك ايها النبي فلما مات قالوا السلام على النبي وهذا اسناد صحيح . ۱ھ (فتح الباری، صفحہ ۲۶ ج ۲)

عبدالرزاق کو ابن جریج نے خبر دی کہ ان سے عطاء بن ابی رباح نے فرمایا کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں تو السلام علیک ایہا النبی (تشہد میں) کہتے تھے (کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام نازل

ہو) پھر جب آپ کا وصال ہو گیا تو وہ السلام علی النبی کہنے لگے (کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام نازل ہو یعنی حرف ندا کو حذف کر دیا) یہ سند صحیح ہے۔ اور درحقیقت اصول شرعیہ کے موافق قیاس کا مقتضی یہی تھا جو ان بعض صحابہ نے کیا لیکن علماء مذہب نے تشہد میں اس قیاس کو اس لئے ترک کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تشہد کی تعلیم اس اہتمام کے ساتھ فرمائی ہے جیسا کہ آپ قرآن کی سورت تعلیم فرمایا کرتے تھے تو جس طرح آیات قرانیہ میں جا بجا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بصیغہ ندا یاد کیا گیا ہے مثلاً یَا أَيُّهَا الرُّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ط و امثالہا اور آیات میں تغیر و تبدل جائز نہیں اسی طرح تشہد میں بھی تغیر کو پسند نہیں کیا گیا چنانچہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عباس کے جواب میں اسی امر کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

﴿روى سعيد بن منصور من طريق ابی عبیدة بن عبد اللہ بن مسعود عن ابیہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم علمہم التشہد ف ذکرہ قال فقال ابن عباس انما کنا نقول السلام علیک ایہا النبی اذ کان حیاً فقال ابن مسعود ہکذا علمنا و ہکذا نعلم اھ ( ذکرہ الحافظ فی الفتح ایضاً ص ۲۶، ج ۲ و اعلمہ بان ابا عبیدة لم یسمع من ابیک قلت قد صحح الدارقطنی احادیثہ عن ابیہ فاما ان ثبت عندہ سماعہ منہ او عرف ان الواسطۃ بینہما ثقۃ ﴾

”سعيد بن منصور نے ابو عبیدہ کے واسطے سے روایت کی ہے کہ وہ اپنے والد بزرگ عبداللہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تشہد (اس طرح) تعلیم فرمائی پھر اس کو بیان کیا ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ اس پر عبداللہ بن عباس نے یہ کہا کہ ہم تشہد میں السلام علیک ایہا النبی اس وقت کہتے

تھے جبکہ حضور زندہ تھے۔“

(مطلب یہ تھا کہ اب صیغہ ندا حذف کر دینا چاہیے) عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا کہ ہم کو اسی طرح تعلیم دی گئی ہے اور اس طرح ہم تعلیم دیں گے۔ اھ۔

مگر ظاہر ہے کہ جو دعا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نابینا صحابی کو تعلیم فرمائی تھی اس میں تشہد کے برابر اہتمام تعلیم نہ تھا لہذا کوئی وجہ نہیں کہ وصال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس میں سے حرف ندا کو حذف نہ کیا جائے۔ نیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تشہد کی عام تعلیم فرمائی تھی جہاں بعض مصلین یقیناً بعید و غائب تھے اس سے اس ندا کا جواز نص سے ثابت ہوتا ہے بخلاف حدیث اعمیٰ کے کہ آپ کی تعلیم عام نہ تھی۔ یہاں قیاس پر عمل کیا جاوے گا علاوہ ازیں یہ کہ طبرانی و بیہقی کی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے وصال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جس شخص کو یہ دعا تعلیم فرمائی تھی اس سے یہ بھی فرمایا تھا کہ میضاً پر جا کر وضو کرو پھر مسجد میں جا کر دو رکعتیں پڑھو پھر اس دعا کے ذریعہ سے اپنی حاجت خدا سے مانگو۔ جس سے متبادر یہی ہے کہ آپ نے اس کو مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نماز پڑھنے کا حکم فرمایا اور وہاں سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب بھی اسی طرح تشریف فرما ہیں جس طرح بزمانہ حیات تھے تو اس صورت میں ندا غائب بھی لازم نہیں آتی۔

روى الطبرانی في الكبير الحديث بطوله وفيه فقال له  
ان حنيف انت الميضا فتوضاً ثم انت المسجد فصل  
ركعتين ثم قل اللهم اني اسئلك الخ و رواه البيهقي  
من طريقين نحوه و اخرج الطبرانی في الكبير  
والاوسط بسند فيه روح بن صلاح و ثقه ابن حبان و  
الحاكم و فيه ضعف و بقية رجاله رجال الصحيح اھ  
ملخصا بجاح الحاجة (ص ۱۰۰) قلت والاختلاف في  
التوثيق لا يضر

اور اگر کسی نے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی قید بھی نہ لگائی ہو تو ممکن ہے کہ اس نے لفظ ندا کو باتباع لفظ وارد استعمال کیا ہو اور ندا کا قصد نہ ہو جیسا کہ تشہد میں بھی محض اتباع لفظ وارد کی وجہ سے ندا کا صیغہ استعمال کیا جاتا ہے اور ندا کا قصد نہیں ہوتا۔ پس یہاں چونکہ حدیث میں بصیغہ ندا تعلیم واقع ہوئی ہے اس میں تو گنجائش ہے دوسری جگہ استعمال ندا کی کیا دلیل ہے اگر کوئی یہ کہے کہ ہم سب کو عثمان بن حنیف کے فعل پر قیاس کر لیں گے اس کا جواب ظاہر ہے کہ ان کا فعل خود خلاف قیاس ہے جس پر قیاس صحیح نہیں پھر انہوں نے محض لفظ حدیث کی اتباع کی بناء پر خاص ایسی دعا میں ایسا کیا ہے اور تم جو دوسرے اقوال میں ندا کرتے ہو اس میں تعلیم نبوی کا کون سا اتباع ہے پھر سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں امت کا سلام و پیام پہنچانے کے لئے فرشتے مامور ہیں ممکن ہے کہ سلف نے صیغہ ندا کو اسی خیال سے اس دعا میں استعمال کیا ہو کہ فرشتے اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا دیں گے اور ان کا قصد ندا کا نہ تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور کو ندا کرنے میں یہ تاویل بھی نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ خصوصیت کسی اور کے لئے ثابت نہیں اس کے بعد سائل نے تیسری حدیث زین بن علی کی پیش کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب کوئی راستہ بھول جائے یا جنگل بیابان میں جہاں کوئی آدمی نہ ہو اسے کسی قسم کی امداد کی ضرورت ہو تو وہ یا عباد اللہ اعینونی کہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے بعض ایسے بندے ہیں جو ہم کو نظر نہیں آتے وہ اس کی امداد کر دیں گے۔

اس سے بعض لوگوں نے ندا غائب کے جواز پر استدلال کیا ہے مگر اولاً گزارش یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے جس سے احتجاج نہیں ہو سکتا کیونکہ حدیث ضعیف پر اس وقت عمل جائز ہے جبکہ وہ اصول شرعیہ کے خلاف نہ ہو پس اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اس حدیث میں ندا غائب مذکور ہے تو اصول حدیث و فقہ کے مطابق ہم کو یہ عرض کرنے کا حق ہے کہ حدیث ضعیف سے احکام ثابت نہیں ہو سکتے بالخصوص جبکہ وہ اصول شرع کے خلاف وارد ہوں۔ عزیزی شرح جامع صغیر میں اس حدیث کو عبد اللہ بن مسعود کی روایت سے نقل

کر کے کہا ہے قال الشيخ حديث ضعيف اه (صفحہ ۵ جلد ۱)  
 اور حاشیہ حسن حصین میں جو لکھا ہے قال بعض العلماء الثقات حديث  
 حسن يحتاج اليه المسافرين اه (صفحہ ۱۲۷)  
 سو اس سے تحسین بقاعدہ محدثین مراد نہیں بلکہ مجرب ہونے کے اعتبار سے  
 تحسین مراد ہے یہ حدیث مسافروں کے لئے کارآمد ہونے کے اعتبار سے عمدہ ہے اور اگر  
 بقاعدہ روایت ہی تحسین مراد ہو تو چونکہ ان بعض علماء ثقات کا نام معلوم نہیں اس لئے ایسی  
 مجہول تحسین اثبات احکام کے لئے کافی نہیں۔ پھر بعد تسلیم صحت اس حدیث سے نداء  
 غائب کا جواز کسی طرح نہیں نکل سکتا کیونکہ حدیث سے یہ تو ثابت نہیں ہوا کہ وہ عباد اللہ  
 کہاں ہیں اس کے قریب ہیں یا بعید ہاں اتنا معلوم ہوا کہ یہ ان کو دیکھتا نہیں مگر ظاہر ہے  
 کہ متکلم کا نہ دیکھنا مخاطب کے قرب و بعد یا سماع و عدم سماع کی دلیل نہیں ہو سکتا خصوصاً  
 جبکہ عبد اللہ بن مسعود کی روایت میں اس کی تصریح بھی ہے کہ وہ عباد اللہ جنگل ہی میں  
 حاضر ہوتے ہیں۔

﴿كما في الجامع الصغير مع العريزي اذا انفلتت دابة  
 احدكم بارض فلاة فليناد يا عباد الله احبسوا علي فان  
 لله في الارض حاضراً سيحبسه عليكم ع و ابن  
 السني طب عن ابن مسعود قال الشيخ حديث ضعيف ا  
 ه اي رواد ابو يعلى و ابن السني والطبراني عن  
 عبد الله .﴾

شراح عزیز کی لفظ حاضر ا کی شرح میں لکھتے ہیں۔

﴿خلقا من خلقه انسيا او جنيا او ملكاً لا يغيب﴾ اه (ص ۱۰۵ جلد ۱)  
 ”یعنی زمین میں اللہ کی بعض مخلوق ایسی ہے جو غائب نہیں ہوتی  
 خواہ وہ انسان ہوں یا جن یا فرشتے۔“

پس اب تو کسی طرح اس کو ندا غائب نہیں کہا جاسکتا رہا یہ کہ اس میں مخلوق سے

طلب اعانت ہے اس کا جواب ظاہر ہے کہ یہ استعانت زندہ مخلوق سے امور عادیہ میں ہے (جو عادت قدرت بشری یا جنی یا ملکی میں داخل ہیں مثلاً بھاگے ہوئے جانور کو روک دینا یا گم شدہ چیز کو تلاش کر دینا یا رستہ بتا دینا وغیرہ) اور ایسی استعانت ہمارے نزدیک جائز ہے جیسا کہ تفصیل گزشتہ سے معلوم ہو چکا ہے۔ اس حدیث سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ غائبین سے یا مردوں سے بھی دنیوی حاجات میں بالخصوص امور غیر عادیہ میں استعانت جائز ہے۔ اس کے بعد سائل نے یہ اشکال پیش کیا ہے کہ حضرت صفیہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی نے آنحضرت سے بعد وفات کے کہا الا یا رسول اللہ کنت رجاءنا الخ اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو انہوں نے یہ اشعار روضہ اقدس پر حاضر ہو کر کہے تھے جس میں ندا غائب کا احتمال ہی نہیں اور اگر غائبانہ بھی ہو تو اشعار میں محبوب کو خطاب ہمیشہ اظہار شوق و محبت وغیرہ کے لئے کیا جاتا ہے اس سے ندا مقصود نہیں ہوتی پھر اس جواب کی ضرورت بھی اس وقت ہے جبکہ حضرت صفیہؓ سے ان اشعار کا ثبوت بقاعدہ محدثین ہو جائے ورنہ محض اہل سیر کی روایت سے احکام کا ثبوت یا رد نہیں ہو سکتا اس کے بعد سائل نے یہ حدیث جواز استعانت من اہل القبور کی دلیل میں پیش کی ہے۔

﴿قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا تحيرتم في

الامور فاستعينوا من اهل القبور﴾

مگر سائل نے اس کے ثبوت و صحت کی کوئی دلیل نہیں لکھی لہذا سب سے پہلے اس کو یہ ثابت کرنا چاہیے کہ یہ حدیث بقاعدہ محدثین صحیح ہے اور محض شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ کا بلا سند نقل کر دینا صحت کی دلیل نہیں کیونکہ حضرت شیخ قدس سرہ اس باب میں بہت متقابل ہیں۔ پھر بتقدیر تسلیم ثبوت اس پر کیا دلیل ہے کہ اس حدیث میں استعانت کے یہ معنی ہیں کہ مردوں سے اپنی حاجات مانگا کرو۔ بلکہ ظاہر یہ ہے کہ اس سے تو سل مراد ہے کہ اموات کے وسیلہ سے دعا کیا کرو اور تخصیص اموات کی وجہ غالباً یہ ہے جو صحاح میں ابن مسعودؓ سے منقول ہے۔

﴿ان الحي لا يؤمن عليه الفتنه﴾



”کہ زندہ آدمی پر فتنہ کا اندیشہ رہتا ہے“

اور جو لوگ ایمان پر وفات پا چکے ہیں ان پر یہ اندیشہ نہیں نیز یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ جب تم کسی امر میں پریشان ہو تو زیارت قبور سے امانت حاصل کیا کرو کیونکہ زیارت قبور سے تم کو آخرت اور موت کی یاد تازہ ہوگی جس سے اعمال صالحہ کی طرف رغبت بڑھے گی اور یہ رحمت الہی کا سبب ہو جائے گا اس صورت میں اس حدیث کا وہی حاصل ہوگا جو آیت واستعينوا بالصبر والصلوة کا حاصل ہے اس کے بعد سائل نے امام ابو حنیفہ کا واقعہ بلا سند نقل کیا ہے کہ آپ امام جعفر صادق رحمہ اللہ کے مزار پر جاتے اور اس کے دروازہ پر جھاڑو دیتے اور مجاوروں کو بخشش عطا فرماتے اور امام رحمہ اللہ سے اپنے کاموں میں استغانت کرتے تھے۔ اھ۔ اس کے متعلق بھی یہ عرض ہے کہ اس میں کوئی لفظ اس پر دلالت نہیں کرتا کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ ان سے یہ عرض کرتے تھے کہ آپ میرا یہ کام کر دیجئے بلکہ شیخ عبدالحق رحمہ اللہ کی تصریح کے مطابق یہاں بھی استغانت سے محض توسل مراد ہے کیونکہ حضرت شیخ نے صاف صاف بیان فرمایا ہے کہ ان کے نزدیک استغانت اور استمداد چاہنے کا مطلب صرف یہ ہے کہ حق تعالیٰ سے بوسیلہ بندہ مقرب دعا کی جائے یا اس بندہ مقرب سے یہ عرض کیا جائے کہ وہ حق تعالیٰ سے دعا کرے سو اس کو ہم بھی منع نہیں کرتے اور یہ جواب اس وقت ہے جبکہ امام ابو حنیفہ کا یہ واقعہ بسند صحیح ثابت ہو جائے جو کہ تقریباً ناممکن ہے کیونکہ زمانہ تابعین و تبع تابعین تک مزاروں پر مجاوروں کے رہنے اور ان کو بخشش وغیرہ دینے کی بدعت شروع نہ ہوئی تھی لہذا غالب گمان یہ ہے کہ یہ روایت موضوع ہے اسی طرح سائل نے زبدۃ الآثار للشیخ دہلوی سے حضرت غوث اعظم رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے۔

﴿من استغاث بی فی کربتہ کشفتم عنہ و من نادانی

باسمی فی شدۃ فرجت عنہ و من توسل بی الی اللہ

تعالیٰ فی حاجۃ قضیت لہ۔ اھ۔

ہمارے نزدیک یہ بھی سراسر موضوع ہے اور حضرت شیخ عبدالحق کا بلا سند اس کو



نقل کر دینا حجت نہیں جب تک کہ حضرت شیخ سے غوث اعظم تک سلسلہ روایت پھر ان راویوں کا اٹھ ہونا ثابت نہ ہو کیونکہ فاضل سائل کو یہ بات اوپر معلوم ہو چکی ہے کہ اثبات احکام کیلئے حدیث ضعیف بھی کافی نہیں۔ نیز اگر حدیث ضعیف اصول شرعیہ کے خلاف ہو تو اس پر عمل جائز نہیں۔ پھر ائمہ و اولیاء اللہ کے اقوال و افعال سے احکام کا ثبوت کیونکر ہو سکتا ہے جبکہ وہ بلا سند ہوں یا سند ضعیف سے ثابت ہوں۔

پس اب دو صورتیں ہیں اگر اصول سے کام لیا جائے تو ان بلا سند اقوال و افعال کو رد کر دینا چاہیے اور اگر مصنفین کے ساتھ حسن ظن سے کام لیا جائے تو ان اقوال و افعال کو صحیح محمل پر محمول کر لینا چاہیے۔ چنانچہ بتقدیر تسلیم ہمارے نزدیک حضرت غوث اعظم رحمہ اللہ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جو کوئی اپنی مصیبت میں خدا تعالیٰ سے میرے وسیلہ سے فریاد کرے گا۔ اس کی مصیبت دور ہو جائیگی اور جو کوئی میرا نام لیکر خدا تعالیٰ سے اپنی تکلیف میں دعا کرے گا اس کی تکلیف زائل ہو جائے گی۔

چنانچہ اگلا فقرہ ومن توصل بی الی اللہ تعالیٰ فی حاجۃ قضیت لہ (جو کوئی اپنی حاجت کیلئے اللہ تعالیٰ کے دربار میں مجھ سے توصل کرے اس کی حاجت پوری ہو جائے گی)۔ اس مطلب پر قرینہ ظاہرہ ہے اور ہمارے نزدیک اس عبارت میں کشف و فرجت و قضیت یہ تمام الفاظ بصیغہ مونث ہیں بصیغہ تکلم نہیں ہیں اور اگر صیغہ تکلم کو بھی صحیح مان لیا جائے تو اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ میں اپنی قدرت و تصرف سے ایسا کروں گا۔ کیونکہ شیخ عبدالحق کی عبارت میں یہ امر صاف طور پر مذکور ہے کہ اولیاء کیلئے نہ اس وقت قدرت تصرف کسی فعل کی ثابت ہے جبکہ وہ قبروں میں ہیں اور نہ اس وقت ثابت تھی جبکہ وہ زندہ تھے بلکہ قادر و فاعل و متصرف ہر فعل میں حق تعالیٰ شانہ ہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں اس مصیبت و کلفت کے زائل ہونے اور حاجت پوری ہونے کے لئے دربار الہی میں دعا و سفارش کروں گا۔ جس سے انشاء اللہ وہ مصیبت زائل اور حاجت پوری ہو جائے گی اور نادانی با کسی سے نداء غائب پر استدلال نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ میرا نام لیکر خدا سے دعا کرے۔ جس کا حاصل وہی ہے کہ مجھ سے توصل

کرے اور خدا تعالیٰ سے سوال کرے اور مجھ کو ذریعہ واسطہ وسیلہ قرار دے

چنانچہ دوسری جگہ یہ الفاظ صاف مذکور ہیں۔ وید ذکر اسمی وید ذکر حاجۃ فانہا تقضی باذن اللہ تعالیٰ یعنی میرا نام لے اور اپنی حاجت کو ذکر کرے تو وہ خدا کے حکم سے پوری ہو جائیگی (برکات الامداد ص ۱۹) رہا یہ کہ حضرت غوث اعظم کے بعض مریدوں نے ایک مرتبہ خوفناک جنگل میں یا شیخ عبدالقادر جمالی فقت (اے شیخ عبدالقادر میرے اونٹ کھو گئے) کہا تھا سو اس میں اول تو وہی گزارش ہے کہ اس واقعہ کا صحیح ہونا بسند ثابت کیا جائے دوسرے اس کی کیا دلیل ہے کہ یہ مرید عالم متقی تھے کوئی جاہل نہ تھے۔

ممکن ہے کہ یہ کسی جاہل مرید کا فعل ہو جو کسی درجہ میں بھی قابل التفات نہیں رہا یہ کہ اس مرید کے ایسا کہنے سے فوراً اس کی امداد کیلئے ایک سفید پوش ظاہر ہو گیا تھا۔ جس نے وہ گمشدہ اونٹ اس کو بتلا دیئے تو یہ اس کی دلیل نہیں کہ وہ کوئی عالم متقی شخص تھا کیونکہ جاہل مشرک لوگ بھی بکثرت اپنے دیوتاؤں سے مرادیں مانگتے ہیں اور حق تعالیٰ ان کی بھی بعض مرادیں پوری کر دیتے ہیں اس سے یہ ہرگز دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ یہ مشرک صحیح راستہ پر ہیں اور اگر تسلیم کر لیا جائے کہ وہ مرید عالم و متقی بھی تھے تو ہر عالم کا فعل کب حجت ہو سکتا ہے۔

پھر ممکن ہے کہ اس کا اعتقاد مشرکانہ نہ ہو اس نے غلبہ شوق و محبت سے صیغہ ندا کا استعمال کیا ہو جس کو ہم ناجائز نہیں کہتے۔ مگر چونکہ آجکل عوام کے عقائد مسئلہ ندا میں شرک و کفر کے قریب پہنچ جاتے ہیں۔ اس لئے ان کو اس سے منع کیا جاتا ہے۔

اس کے بعد سائل نے سیدی احمد مرزوق کا واقعہ نقل کیا ہے کہ ان سے شیخ ابو العباس حضرمی نے پوچھا کہ زندہ ولی کی امداد زیادہ قوی ہے یا مردہ کی۔ انہوں نے کہا کہ بعض لوگ تو زندہ کی امداد کو قوی بتلاتے ہیں مگر میرے نزدیک مردہ کی امداد زیادہ قوی ہے۔ اس پر شیخ نے فرمایا کہ ہاں یہی صحیح ہے کیونکہ وہ دربار حق میں پہنچ گیا ہے۔ اھ۔

سو اس کو استعانت سے کوئی بھی واسطہ نہیں کیونکہ اس میں اس کا کچھ بھی ذکر نہیں کہ مردوں سے استعانت کرنا چاہیے اور ان سے یوں کہنا چاہیے کہ تم ہمارا یہ کام کر دو

بلکہ یہاں امداد سے افاضہ روحانی مراد ہے۔ چنانچہ صوفیہ کے کلام میں مدد اور امداد کا لفظ بمعنی فیض و افاضہ روحانی بکثرت مستعمل ہوتا ہے۔

پس حاصل اس کا یہ ہوا کہ ولی میت کا فیض روحانی زیادہ قوی ہوتا ہے اور ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ اولیاء اللہ سے مرنے کے بعد بھی روحانی فیض حاصل ہو سکتا ہے اور جو لوگ اس کے اہل ہیں ان کے لئے بشرائط مخصوصہ اولیاء اللہ کے مزارات پر جا کر ان سے فیض حاصل کرنا ہمارے نزدیک جائز بھی ہے۔ ہم تو صرف اس کو حرام کہتے ہیں کہ ان کو حاجت روا سمجھا جائے یا خود ان سے مزار پر جا کر یا دور ہی بیٹھے یہ کہا جائے کہ تم ہمارا یہ کام کر دو باقی ان سے توسل کرنے یا ان کی روحانیت سے فیض حاصل کرنے کو ہم منع نہیں کرتے فافہم۔

اس کے بعد سائل نے جناب علامہ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی قدس سرہ کی تفسیر سے یہ عبارت نقل کی ہے۔ وقد تواتر عن كثير من الاولياء یعنی ارواحہم انہم ينصرون اوليائہم ویدمرون اعدائہم اھ۔ کہ بہت سے اولیاء یعنی ان کی ارواح سے درجہ تواتر کو یہ بات پہنچ گئی ہے کہ وہ اپنے دوستوں کی مدد کرتے اور ان کے دشمنوں کو تباہ کر دیتے ہیں۔ اھ۔ مگر نہ معلوم اس کو استعانت مروجہ سے کیا تعلق ہے کیا تفسیر مظہری میں کہیں بھی یہ ذکر ہے کہ اولیاء اللہ کو دور بیٹھے یا مرنے کے بعد اپنی امداد کیلئے پکارا کرو۔ یا ان کے مزاروں پر جا کر خود ان سے ہی اپنی حاجتیں مانگا کرو۔

جو عبارت فاضل سائل نے نقل کی ہے اس کا حاصل صرف یہ ہے کہ اولیاء اللہ سے وفات کے بعد بھی کرامات کا ظہور ہوتا ہے اس کا کون منکر ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ جس طرح زندگی میں جس قدر کرامات ان سے ظاہر ہوتی تھیں۔ ان میں فاعل و متصرف اور قادر صرف حق تعالیٰ ہے اور وہ محض ذریعہ اور وسیلہ ہوتے تھے۔ اسی طرح مرنے کے بعد بھی وہ خود کچھ نہیں کر سکتے بلکہ حق تعالیٰ اپنی قدرت سے ان کی ارواح کو ظہور کرامت کا وسیلہ اور ذریعہ بنادیتے ہیں اور درحقیقت وہ خدا تعالیٰ ہی کا فعل ہوتا ہے۔

پس اولیاء سے بعد وفات کے ظہور کرامات کا ہم کو بھی انکار نہیں۔ سائل نے مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی قدس سرہ کے مکتوبات میں سے بھی ایک عبارت

نقل کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اسی طرح اہل حاجات اپنے زندہ اور مردہ عزیزوں سے خطرناک حوادث میں مدد طلب کرتے ہیں اور یہ دیکھتے ہیں کہ ان عزیزوں کی روحیں حاضر ہو کر ان سے بلاؤں کو دفع کر دیتی ہیں۔ اھ۔

اس میں بھی صرف اس کا بیان ہے کہ اولیاء و مشائخ سے حیات میں بھی اور مرنے کے بعد بھی کرامات و خوارق کا ظہور ہو سکتا ہے۔ رہا یہ کہ اہل حاجات ان سے امداد طلب کرتے ہیں اس کا وہی مطلب ہے جو شیخ عبدالحق رحمہ اللہ نے استعانت و استمداد کی تفسیر میں بیان فرمایا ہے یعنی وہ ان کے توسل سے حق تعالیٰ کی جناب میں امداد کے خواہاں ہوتے ہیں اور یہ مطلب ہر گز نہیں کہ خود ان سے حاجات مانگتے ہیں اور وہ ارواح خود کچھ کر سکتی ہیں۔ حاشا و کا اقطب وقت شیخ عبد القدوس قدس سرہ در مکتوبات خود می فرماید۔ بندہ بیچارہ قادریت کہ درین قدرت خود عاجز است۔ و مختاریت کہ در حین اختیار خود ضعیف است چرا کہ تہمت اختیار بروئے نہادہ اند۔

ہر نیک و بدے کہ در جہاں می گزرد خود می کند و بہانہ بر عام نہاد اے عزیز آنکہ اختیار بندہ راقوت می نہد مگر دیدہ اش اینجا نظر نیفتادہ است کہ حق تعالیٰ می فرماید خُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا اختیار بندہ صفت بندہ است و صفت از موصوف جدا نیست پس لاجرم بندہ یا جملہ صفات خود ضعیف و عاجز بود اھ ملخصاً (ص ۳۰) سائل فاضل کو سمجھنا چاہیے کہ کرامات اولیاء معجزات انبیاء سے زیادہ تر نہیں ہو سکتیں اور معجزات کے بارہ میں حق تعالیٰ کا صاف ارشاد موجود ہے۔

﴿وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ﴾  
”کسی نبی میں یہ طاقت نہیں کہ وہ بدون خدا تعالیٰ کے حکم کے کوئی معجزہ لا سکے۔“

پھر اولیاء میں کب یہ طاقت ہے کہ وہ خود کوئی کرامت ظاہر کر سکیں یا کسی شخص کی امداد بدون حکم خداوندی کر سکیں۔

﴿يَسْأَلُهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾

”اسی سے تمام زمین و آسمان والے سوال کرتے ہیں“

پس استعانت و استمداد اسی سے ہونی چاہیے ہاں مقربان بارگاہ سے توسل کرنے کا مضائقہ نہیں۔ اس کے بعد سائل نے منہیہ ردالمختار کی عبارت نقل کی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ جب کسی انسان کی کوئی چیز ضائع ہو جائے اور وہ چاہے کہ حق تعالیٰ اسے واپس فرمادیں تو اس کو چاہیے کہ ایک اونچی جگہ پر روضہ (احمد بن علوانؒ) کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو اور یہ کہے کہ اے سیدی احمد بن علوان میری گم شدہ چیز مجھے واپس کر دو ورنہ میں تمہارے (نام) کو دفتر اولیاء سے نکال دوں گا۔ انتہی ملخصاً۔ نیز علامہ خیر الدین ربلی کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ یا شیخ عبدالقادر کہنا نداء ہے اور جب اس کے ساتھ شیعہ اللہ ملا دیا جائے تو اس میں خدا واسطے ایک چیز مانگنا ہے۔ اس کی حرمت کا کیا سبب ہے۔ اھ۔ امر اول کی نسبت یہ گزارش ہے کہ یہ منہیہ ردالمختار میں کسی نے غالباً ملحق کر دیا ہے۔ علامہ شامی کا اس کو فتویٰ سمجھنا بالکل غلط ہے کیونکہ صورت اولیٰ میں ایک ولی کے ساتھ جس قدر گستاخی اور بے ادبی ہے وہ کسی عاقل پر مخفی نہیں۔ بھلا جو شخص ایک ولی سے استعانت کرے اسی کو خود یہ دھمکی بھی دے کہ اگر ایسا نہ کرو گے تو میں تمہارا نام دفتر اولیاء سے نکال دوں گا۔ اس گستاخی کی کچھ حد ہے پس یہ کسی طرح سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر علامہ شامی کے نزدیک اولیاء سے استعانت جائز ہے تو وہ اس گستاخی کی کیونکر اجازت دے سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں یہ کہ اس نداء و استعانت سے یہ امر مفہوم ہوتا ہے کہ اولیاء اللہ متصرف ہیں اور جو شخص اس طرح ندا کریگا وہ یقیناً ان کو متصرف سمجھے گا اور علامہ شامی نے ایک مقام پر اس کی تصریح کی ہے کہ اولیاء اللہ کو متصرف سمجھنا کفر ہے۔

﴿وَمِنْهَا أَنَّهُ أَنْ ظَنَّ أَنَّ الْمَيِّتَ يَتَصَرَّفُ فِي الْأُمُورِ دُونَ

اللَّهِ تَعَالَىٰ ۚ وَاعْتِقَادُهُ ذَلِكَ كُفْرٌ ۝﴾ (ص ۲۰۶ ج ۲)

نیز یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ مقصود ان کا اس عمل کی خاصیت بیان کرنا ہے قطع نظر جواز و عدم جواز سے جیسا قول جمیل میں مولانا حضرت شاہ ولی اللہ نے ایک عمل کشف و قانع کا لکھا ہے اور اس میں ایک قرآن پشت کی طرف بھی رکھا جاتا ہے۔ تو یہ دلیل جواز



نہیں ہے اور علامہ رٹلی کے قول کا جواب یہ ہے کہ وہ یہ فرماتے ہیں کہ یا شیخ عبد القار شینا اللہ کی حرمت کا کیا سبب ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ان کی سمجھ میں وجہ حرمت نہیں آئی۔ سو ان کی سمجھ میں نہ آنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وجہ حرمت واقع میں بھی نہ ہو لان فوق کل ذی علم علیم O دوسرے علماء کی سمجھ میں وجہ حرمت آگئی ہے اور انہوں نے اس کو بیان بھی کر دیا ہے۔ چنانچہ درمختار میں ہے۔

﴿كَذَا قَوْلُ شَيْئٍ لِلَّهِ قِيلَ بِكُفْرِهِ ۝ ۵ (۴۷۵ ج ۳) وَ فِي رَدِّ الْمَحْتَارِ لَعَلَّ وَجْهَ أَنَّهُ طَلَبُ شَيْنَا اللَّهِ تَعَالَى وَاللَّهُ تَعَالَى غَنَى عَنْ كُلِّ شَيْءٍ وَالْكُلُّ مُفْتَقِرٌ وَ مُحْتَاجٌ إِلَيْهِ وَ يَنْبَغِي أَنْ يَرْجَحَ عَدَمُ التَّكْفِيرِ فَإِنَّهُ يُمْكِنُ أَنْ يَقُولَ ارْدَتْ أَطْلَبُ شَيْنَا أَكْرَامًا لِلَّهِ اهْ شَرْحُ الْوَهْبَانِيَةِ قُلْتُ فَيَنْبَغِي أَوْ يَجِبُ التَّبَاعُ عَنْ هَذِهِ الْعِبَارَةِ وَ قَدْ مَرَّ أَنَّ مَا فِيهِ خِلَافٌ يُؤْمَرُ بِالتَّوْبَةِ وَ الْإِسْتِغْفَارِ وَ تَجْدِيدِ النِّكَاحِ لَكِنْ هَذَا إِنْ كَانَ لَا يَدْرِي مَا يَقُولُ أَمَّا إِنْ قَصِدَ الْمَعْنَى الصَّحِيحُ فَالظَّاهِرُ أَنَّهُ لَا بَأْسَ بِهِ ۝ ۵ (ص ۴۷۵، ج ۳)

ترجمہ:- ”اسی طرح شینا اللہ کہنے سے بعض کے نزدیک کفر ہو جاتا ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کیلئے ایک چیز مانگی ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز سے بے نیاز ہے اور سب اسی کے محتاج ہیں اور مناسب یہ ہے کہ عدم تکفیر کو ترجیح دی جائے کیونکہ قائل یہ کہہ سکتا ہے کہ میرا مقصود خدا کی عظمت کے صدقہ سے سوال کرنا تھا شارح کہتے ہیں۔“

کہ پس مناسب بلکہ واجب یہ ہے کہ ایسے الفاظ سے احتراز کیا جاوے کیونکہ پہلے گزر چکا ہے کہ جن الفاظ سے کفر ہونے میں اختلاف ہے ان میں توبہ و استغفار و تجدید نکاح کا حکم کیا جاویگا لیکن یہ اس وقت ہے جبکہ کہنے والے کو یہ نہ معلوم ہو کہ میں کیا کہہ رہا

ہوں (اور اس کا مطلب کیا ہے) اور اگر صحیح معنی (کو جانتا ہو اور اسی) کا قصد کرتا ہو تو بظاہر اس میں کہنے کی اجازت کیونکر دی جاسکتی ہے جو کہ صحیح معنی اور غلط میں فرق نہیں سمجھتے بالخصوص اگر اس کے ساتھ یا شیخ عبدالقادر بھی ملا دیا جائے۔ جب تو کفر کا قوی اندیشہ ہے کیونکہ عوام حضرت غوث اعظم رحمہ اللہ و دیگر اولیاء کو اس اعتقاد کے ساتھ ندا کرتے ہیں کہ وہ متصرف ہیں سب کچھ کر سکتے ہیں اور جو کوئی ان کو پکارتا ہے اس کی بات کو سنتے ہیں اور اوپر علامہ شامی کا قول گزر چکا ہے جس میں وہ صاف فرماتے ہیں کہ اولیاء کو متصرف سمجھنا اعتقاد کفر ہے۔

مولانا عبدالحی قدس سرہ اپنے فتاویٰ میں یا شیخ عبدالقادر شینا اللہ کے وظیفہ کی نسبت ارشاد فرماتے ہیں ثانیاً ازیں جہت کہ ایں وظیفہ متضمن است ندائے اموات راز مکملہ بعیدہ و شرعاً ثابت نیست کہ اولیاء را قدرتے حاصل است کہ از مکملہ بعیدہ نذر ایشوندا البتہ سماع اموات سلام زائر قبر را ثابت است بلکہ اعتقاد اینکه کسی غیر حق سبحانہ حاضر و عالم و عالم خفی و جلی در ہر وقت و ہر آن است اعتقاد شرک است در فتاویٰ بزاز یہ می نویسد۔ تزوج بلا تہود و قال خدائے و رسول خدا و فرشتگان را گواہ کردم۔ یکفر لانہ اعتقد ان الرسول و الملک یعلمان الغیب و قال علمائنا من قال ان ارواح المشائخ حاضرة تعلم یکفر انتہی و حضرت شیخ عبدالقادر اگرچہ از اجلہ اولیائے امت محمدیہ مستند و مناقب و فضائل شاں لاتعد و لا تحصی اند لیکن چنین قدرت شاں کہ فریاد را از امکانہ بعیدہ بشنوند و بفریاد رسند ثابت نیست۔ و اعتقاد اینکه آنجناب ہر وقت حال مریدان خود میداند و ندائے شاں می شنوند از عقائد شرک است واللہ اعلم۔ (ص ۳۳۱ ج ۴ مع الخاتمہ)

فتاویٰ بزاز یہ کی عبارت سے یہ امر صاف طور پر واضح ہو گیا کہ ارواح مشائخ کو حاضر سمجھنا کہ وہ سب کچھ جانتے سنتے ہیں۔ عقیدہ کفر ہے اسی لئے ہم یا شیخ عبدالقادر شینا اللہ کے وظیفہ سے منع کرتے اور اس کی حرمت کا فتویٰ دیتے ہیں۔ فاضل ساکن نے کسی کتاب سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ حضرت محبوب عالم اپنے مریدوں کو بعد نماز کے شینا اللہ یا حضرت سلطان سخرہ ایک سوتیرہ مرتبہ پڑھنے کی اجازت دیا کرتے تھے اھ۔



اس کا جواب یہ ہے کہ کسی بزرگ کا فعل شریعت میں حجت نہیں ہے۔ اس سے احکام کا ثبوت نہیں ہو سکتا بلکہ اگر کسی بزرگ سے کوئی فعل خلاف شرع صادر ہوا ہے تو حسن ظن کی بنا پر اس میں تاویل کر لینی چاہیے اور حکم شرعی کو نہ بدلنا چاہیے۔ پس اگر تسلیم کر لیا جائے کہ یہ واقعہ صحیح ہے تو ممکن ہے۔ حضرت محبوب عالم رحمہ اللہ نے اس نداء کو غلبہ شوق و محبت پر محمول کر کے جائز سمجھا ہو اور جن مریدوں کو اس کی اجازت دی ہو وہ ان کے نزدیک خوش عقیدہ اور خوش فہم ہوں۔ جن کی نسبت ان کو یہ شبہ نہ ہو کہ وہ۔

لوگ اس نداء میں حضرت سلطان کے متصرف اور حاضر و ناظر ہونے کا اعتقاد کریں گے۔ باقی ان کے قول سے یہ استدلال کرنا کہ نداء غائب مطلقاً جائز ہے اور اولیاء اللہ ندا کو دور سے سنتے ہیں اور مرنے کے بعد بھی جو کوئی ان کو پکارتا ہے اس کی ان کو خبر ہوتی ہے۔ غلط استدلال ہے کیونکہ اولیاء اللہ اتباع شریعت کے مامور ہیں۔ شریعت ان کے افعال کے تابع نہیں ہے۔ پس اگر کسی ولی سے کوئی کام خلاف شریعت ثابت ہو تو اگر وہ امت کے نزدیک مسلم ولی نہیں ہے تب تو اس کے فعل میں تاویل کی بھی ضرورت نہیں۔ اور اگر اس کی ولایت تسلیم شدہ ہے تو اس کے فعل میں تاویل کر کے اس کے ساتھ بدگمانی سے روکا جائے گا۔ لیکن احکام شرعیہ کو کسی حال میں اس کے فعل کے تابع نہ کیا جائے گا۔ جیسا کہ حضرت شیخ ابن عربی رضی اللہ عنہ نے فصوص میں ایمان فرعون کا مسئلہ لکھا ہے یا حضرت بایزید بسطامیؒ سے سجانی ما اعظم شانی فرمانا اور حضرت حسین بن منصور سے انا الحق کہنا منقول ہے۔

علماء شریعت نے ان سب میں مناسب تاویل کر کے ان حضرات کو کفر سے بچالیا ہے کیونکہ ان کی ولایت مسلم تھی لیکن اس تاویل کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ الفاظ حقیقت میں کفر کو مستلزم بھی نہیں ہیں یقیناً اگر تاویل نہ کی جائے تو یہ الفاظ بہت سنگین ہیں۔ جن کی اجازت ہرگز کسی کو نہیں دی جاسکتی۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے کسی بزرگ سے یہ منقول ہو کہ انہوں نے ایک تولہ سنکھیا کھالیا تھا۔ سو اس سے کوئی شخص یہ فتویٰ نہیں دے سکتا کہ سنکھیا کھالینا جائز ہے بلکہ ہر عاقل یہی کہے گا کہ سنکھیا کھانا حرام ہے مگر ان بزرگ کے پاس کوئی ظاہری یا باطنی تریاق ہوگا۔ جس کی وجہ سے ان کو یقین تھا کہ مجھ کو سنکھیا

نقصان نہ دے گا۔ اس لئے انہوں نے ایسا کیا دوسروں کے لئے اس کا کھانا حرام ہے۔ اسی طرح یا شیخ عبدالقادر شیاء اللہ کا وظیفہ شرعاً حرام ہے کیونکہ اس میں غیر اللہ کو مکان بعید سے نداء اور ان کے حاضر و ناظر و متصرف ہونے کا ایہام ہے۔ جو کہ موجب شرک ہے اور اگر کسی ولی نے ایسا کیا ہے تو اس نے اس عقیدہ شرک و کفر سے بچنے کیلئے کوئی تاویل کر لی ہو ان کے فعل سے حکم شرعی نہیں بدل سکتا۔

در مختار میں ہے کہ دعا میں بمقعد العزم من عرشک کہنا ممنوع ہے۔ علامہ شامی اس کے تحت میں لکھتے ہیں لان مجرد الایہام کاف فی المنع من التكلم بهذا الكلام و ان احتمال معنى صحيحاً اه (فتاوی مولانا عبدالحی ص ۳۳۱ ج ۲ مع الخلاصۃ) کہ ایسے کلمات کے ممنوع ہونے کے لئے معنی کفر کا ایہام بھی کافی ہے اگرچہ اس کے صحیح معنی بھی بن سکتے ہوں۔ اہ فاضل سائل غالباً اس سے ناواقف نہیں ہیں کہ آج کل عام لوگ استعانت و استمداد و نداء غیر میں کیسے کیسے شرک و کفر تک پہنچانے والے عقیدوں میں مبتلا ہیں اس صورت میں ایسے کلمات کی ان کو کیونکر اجازت دی جاسکتی ہے۔ جن میں ظاہری الفاظ ہی سے ایہام کفر ہوتا ہے۔ پس ہمارا مسلک یہ ہے کہ ہم استعانت و استمداد و نداء مروجہ زمانہ حال سے عام و خاص سب کو منع کرتے ہیں البتہ تو سل کو جائز کہتے ہیں اور اگر بزرگوں سے کوئی بات اس قسم کی ثابت ہوتی ہے تو اگر ان کی ولایت تسلیم شدہ ہے۔ ان کے فعل میں تاویل کر کے بدگمانی کو ان سے رفع کر دیتے ہیں اور حکم شرعی میں کسی طرح تبدیلی و تغیر نہیں کرتے۔

هذا والله المسئول لا ين يثبتنا و اياكم على الصراط  
المستقيم و يرزقنا و جميع المسلمين حبه و حب نبيه  
الكریم و حب اصحابه و اولياء امته و يجمعنا معهم في  
دار النعيم و الحمد لله و حده و على خير البرية افضل  
الصلوة و التسليم و على آله و اصحابه و اولياء امته  
اجمعين دائما ابدا آمين آمين۔

## ضمیمہ رسالہ الارشاد فی مسئلۃ الاستمدا

بعد الحمد والصلوة۔ مسئلہ استمدا کے متعلق بعض سوالات کے جوابات امداد الفتاویٰ مؤلفہ حضرت مجدد الملتہ والدین حکیم الامت فاضل انہاء فیوضہم میں بہت نفیس و قابل قدر مذکور ہیں۔ جی چاہا کہ ان کو بھی اپنے رسالہ کے اخیر میں منضم کر دوں تاکہ ان مضامین عالیہ کی برکت سے رسالہ مذکورہ مکمل و مدلل ہو جاوے واللہ الموفق والمعين وھا ہوذا واللہ خیر رفیق۔

### سوال

صلی اللہ علیک یا محمدؐ یہ درود شریف پڑھنا کیسا ہے۔ یاد آتا ہے کہ لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا کی تفسیر میں جامع البیان میں لکھا ہے کہ جس طرح عام لوگوں کو نام لیکر پکارتے ہونہ پکارو اس سے اس درود کی ممانعت کا ثبوت ہوتا ہے۔

### الجواب

اس آیت میں اس خطاب کی ممانعت ہے جو خلاف ادب و احترام ہو اور اگر ادب و حرمت کے ساتھ ہو جیسا کہ اقتران صیغہ صلوٰۃ یہاں اس کا قرینہ ہے گو اسم علم کے ساتھ ہو وہ اس آیت سے ممنوع نہیں چنانچہ حدیث ضریر میں خود یہ خطاب حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمایا ہے۔ حصن حصین میں کسی حدیث کی کتاب سے نقل کیا ہے۔ البتہ حالت غیبت میں یہ نداء گو بعنوان رسول و نبی ہی کیوں نہ ہو موہم ہے اعتقاد سماع عن البعید کو جو کہ عوام کے لئے منجر بمفسدہ ہے۔ اس بنا پر اس سے ممانعت کی جاوے گی۔ ۱۳ ذی الحجہ ۱۲۷ھ

### سوال

(اول) دلائل الخیرات کی حزب ششم یوم شنبہ میں جو یہ عبارت واقع ہے یا حبیبنا یا سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا نتوسل بک

الی ربک فاشفع لنا عند اللہ المولی العظیم یا نعم الرسول الطاهر اس کا پڑھنا جبکہ قاری روضہ مبارک نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر نہ ہو یا نسبت حضوری اس کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قوی نہ ہو تو کیسا ہے۔ تتمہ قربات عند اللہ و صلوات الرسول نے دعائے حاجت کے ضمن میں حاشیہ پر یہ تحریر فرمایا ہے۔ اختصر تہ لان النداء الوارد له لادلیل علیہ علی بقائه بعد حیاته علیہ السلام (سوال دوم) قریب قریب اسی کے وہ شبہ ہے جو تشہد میں وقت پڑھنے فقرہ السلام علیک ایہا النبی الخ اکثر اوقات دل میں پڑ جاتا ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم (گروہ صحابہؓ) حالت حیات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں بوقت تشہد السلام علیک ایہا النبی الخ کہا کرتے تھے اور جب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا یوں کہنے لگے السلام علی النبی الخ۔ تو اب یہ کلمہ تشہد میں کیوں بحال رکھا گیا حالانکہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اکثر فتاویٰ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہی کے پیرو ہوا کرتے تھے فقط۔

## الجواب

جواب سوال اول۔ ایسے صیغہ بہ نیت تبلیغ ملائکہ جائز ہیں مگر میں نے احتیاط کی ہے کیونکہ عوام میں مفاسد زیادہ ہو گئے ہیں۔ (جواب سوال دوم) یہ ابن مسعودؓ کا اجتہاد تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلیم تشہد کی بصیغہ خطاب بلا تخصیص منصوص ہے نص کے سامنے اجتہاد کو چھوڑ دیا جاویگا۔ بخلاف تعلیم اس دعا کے اعمیٰ کو کہ اس وقت میں وہ حاضر تھا اس دعا کے پڑھنے کو فرمایا تھا تو تعلیم تعلیم ثابت نہیں اور تشہد تو نماز میں پڑھنے کو سکھایا گیا اور آپ خود جانتے تھے کہ سب نمازی قریب نہیں ہوں گے اور جو قریب بھی ہیں وہ اسماع نہ کریں گے۔ فافترقا۔ ۲۹ ذیقعد ۲۸ھ

## سوال

فخر اقران یادگار بزرگان جناب مولانا اشرف علی صاحب مدت فیوضکم۔

کمترین بعد سلام مسنون گزارش پرداز ہے جناب کی ہمت باصلاح امت بھر نوع قابل شکر گزاری ہے۔ بندہ کو اپنی کم فہمی اور قلت اعتناء با موردینی سے آپ کے بعض مضامین پر کچھ شبہ ہو جایا کرتے ہیں۔ مگر بوجہ مذکورہ اشتغال مشاغل فاسدہ دنیویہ وقت کے ساتھ ہی رقت و گزشت ہو جاتے ہیں۔ بعض دفع استغہانا و استفادۃ کچھ عرض بھی کرنا چاہتا ہوں مگر وجوہ مسطورہ کے ساتھ میری علمی بے بضاعتی اور اخلاصی فرومانیگی دست کشی پر آمادہ ہو جاتی ہے۔ ان دنوں شعبان کے القاسم کے ص ۱۴ و ص ۱۶ کے دیکھنے سے پھر وہی کیفیت پیدا ہوئی وجوہ مذکورہ تو اب بھی مانع عرض حال ہیں۔ مگر ۲۹ رجب گزشتہ کو چند منٹ کی حصول نیاز مقام اس دفعہ معروض کی تقریب کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ لہذا نہایت ادب سے مختصراً گزارش ہے بندہ آپ کے مضمون ص ۱۴ القاسم کے اس جملہ کو نہیں سمجھ سکا اور اگر مقصود اس عمل سے حق تعالیٰ ہے اور ان بزرگ کو محض ثواب بخشنا ہے تو وہ اس حد تک (یعنی شرک تک) تو نہیں پہنچا اور ظاہراً جائز بھی ہے۔ مولانا آپ مضمون شرط کو لفظ مقصود اور لفظ محض سے اتنا مضبوط و محفوظ فرما چکے ہیں کہ یہ عمل و عقیدہ ہر حد اساءت سے دور اور ظاہراً باطناً جائز اور مستحسن ہو گیا۔ پس یہی جواب شرط ہونا چاہیے تھا۔ اور نہ اس محفوظ و مضبوط مقدم سے کوئی استدراک ہو سکتا ہے اور جناب اپنی تفتیش اور معلوم خیالی کے واسطے جدا مسئلہ قائم فرما سکتے تھے۔ حاشا و کلا کہ مجھے آپ کے بیان سے کوئی مزاحمت یا سیاق سے کوئی مناقشہ مد نظر ہو مگر آپ کے اس بیان سے اس مسئلہ کا مفہوم جو میں سمجھ سکا ہوں، وہ یہ ہے کہ جس صدقہ نافلہ میں مقصود فقط حق تعالیٰ ہو اور بزرگوں کو محض ثواب بخشنا ہو وہ بھی برا اور گناہ ہے اور ظاہراً جائز اور باطناً منع ہے۔ مولانا مجھے اپنے کان لہ یکن معلومات میں ایسا کوئی مسئلہ معلوم نہیں ہوتا جس کو ظاہر شرع نے جائز قرار دیا ہو اور وہ بغیر عرض کسی فاسد خارجی کے ناجائز ہو سکے اور مجوٹ عنہ میں آپ کی لفظی اور معنوی حد بست حملہ خوارج کا سد باب کر چکی ہے۔ لہذا یہ عمل مطلقاً جائز اور مستحسن ہونا چاہیے۔

عقیدہ مدداز بزرگان کی جناب نے دو صورتیں نکالی ہیں ایک عقیدہ مدد بتصرف باطنی جس کو ص ۴ میں قریب شرک اور ص ۱۶ میں عین شرک فرمایا ہے دوسری صورت عقیدہ

مدد از دعاء تصرف باطنی کہ اس بیتناک مفہوم کی تصریح سے پہلے (جس کا عقیدہ کرنے سے ایک کلمہ خوان نماز گزار روزہ دار مومن باللہ و بالرسول و بالیوم الآخر غرض عامل ارکان اسلام کو اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بہ کی سخت ترین وعید کے تحت میں خلود فی النار کا مستوجب بنادے) یہ حکم تصرف باطنی کے ظاہری مفہوم پر جو بحالت غلو بھی کسی مسلمان کی سمجھ یا عمل میں آسکتا ہے نہایت شدید بلکہ متجاوز عن الحق معلوم ہوتا ہے اگر صفحہ ۱۶ کے اس جملہ کو (وہ خوش ہو کر ہمارے کام کر دیں گے) تصرف باطنی کے مفہوم شرک کی تصریح بھی مان لی جائے تو یہ تصریح خود محل توجیہ تاویل ہے کام کر دیں گے یعنی دعاء کریں گے۔ شفاعت کر دیں گے اور ان کی دعاء خدا تعالیٰ قبول فرمائے گا تو ہمارا کام ہو جاوے گا۔

گویا انہوں نے ہی ہمارا کام کیا و ساریست افعال کی نسبت مجازاً ہر زبان میں رات دن کار و زمرہ ہے قرآن و حدیث میں بھی ایسی نسبتیں بکثرت موجود ہیں غایۃ مافی الباب یہ کہ احتیاط اگر کسی مدبر و مصلح قوم کو دور اندیشی سے لوگوں کو اس سے باز رکھنے کی ضرورت ہو تو وہ مشرک اور کافر قرار دینے کے سوا بھی اور تربیہ و تربیہ طریقوں سے ہو سکتی ہے۔ اور زیادہ کیا عرض کروں۔ قرآن و حدیث و تعامل صحابہ و قرون خیر و اتفاق صلحاء سلف و خلف ایسی سخت گیری سے کس قدر مانع ہے۔ وہ جناب کے خدام مجلس کی نظر سے بھی پوشیدہ نہیں۔ اس وقت اس حکم کی شدت ہی میری گھبراہٹ کا باعث ہوئی ورنہ من خراب کجا و صلاح کار کجا۔

عقیدہ مدد از دعاء میں بعد جواز عقیدہ احتمال دعاء دو عقیدے فاسد آپ نے ظاہر فرمائے ہیں ایک عقیدہ وقوع احتمال دعاء دوسرا بغرض وضوع عقیدہ اجابت دعا ان عقیدوں کے فساد پر عدم ثبوت آپ نے دلیل پیش کی ہے۔ بغیر اس کے کہ اندریں مسئلہ عدم ثبوت دلیل فساد ہونے پر کچھ عرض کروں۔ عقیدہ اول کی صحت و ثبوت میں یہ حدیث پیش کرتا ہوں جس کو علامہ ابن القیم نے کتاب الروح میں نقل کیا ہے۔ قال ابو عبد اللہ بن مندۃ وروی موسیٰ بن عبدۃ عن عبد اللہ بن یزید عن ام کبشۃ بنت المعرور قالت دخل علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم فساء لنا عن



هذه الارواح فو صفها صفة ابكى اهل البيت فقال ان ارواح المؤمنين في حواصل طير خضر تسرح في الجنة و تاكل من ثمارها و تشرب من مائها و تاوى الى قناديل من ذهب تحت العرش يقولون ربنا الحق بنا اخواننا و آتنا ما وعدتنا فتلک دعوتهم قد وقعت لآخوانهم الاحياء و تدوم الى مادامت السموات . الارض . اسی عقیدہ اول کی صحت و ثبوت میں قرآن شریف کی یہ آیت بھی پیش کرتا ہوں الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ يَسْتَغْفِرُونَ لِمَنْ فِي الْأَرْضِ مَنْ حَوْلَهُ کے مفہوم میں اگرچہ مفسرین نے ان بزرگوں کو شامل نہ کیا ہو جن کو میں شامل کرنا چاہتا ہوں۔ مگر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض تفریحات اندریں باب اس احقر کائنات کے مدد و معاون ہیں چنانچہ ام کبشہ کی حدیث مذکور میں تاوی الی قنادیل من ذهب تحت العرش آیا ہے اور بعض حدیثوں میں الی قنادیل معلقة بالعرش مدلیۃ تحت العرش آیا ہے نہ معلوم ان تحت العرش داخل فی حول العرش و المعلقات بالعرش ہی من حول العرش تیسرا ثبوت قال ابن عبد البر ثبت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه قال ما من مسلم یمر علی قبر اخیه کان یعرفه فی الدینا فیسلم علیہ الا واللہ تعالیٰ علیہ روحہ حتی یرد علیہ السلام اور سلامتی بہترین دعا ہے اور

۱۔ وہ پورا مضمون یہ ہے۔ یہ کوتاہی یہ ہے کہ بعض آدمی جو صدقہ نافلہ نکالتے ہیں ان کا دل گوارا نہیں کرتا کہ محض حق تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے خرچ کریں بلکہ وہ ہر چیز کو کسی پیر فقیر شہید ولی کے نامزد کر دیتے ہیں سوا اگر خود وہ بزرگ ہی اس سے مقصود ہے۔ تب تو وہ ما اهل به لغیر اللہ میں داخل ہو کر بڑی دور یعنی حد شرک تک پہنچ گیا اور بعض غلاۃ جہلا کا واقعی یہی عقیدہ ہے سوائے کسی چیز کا تناول بھی درست نہیں اور اگر مقصود اس عمل سے حق تعالیٰ ہو اور ان بزرگ کو محض ثواب ہی بخشنا ہے وہ اس حد تک تو نہیں پہنچا اور ظاہر اجازت بھی ہے۔ لیکن عوام بلکہ بعض خواص کا عوام کے حالات و خیالات کی تفتیش سے مفہوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ محض ثواب ہی پہنچانے کو مقصود نہیں سمجھتے بلکہ ان کی یہ نیت ہوتی ہے کہ فلاں ولی کو ثواب پہنچے گا تو وہ خوش ہوں گے اور ہماری اس حاجت میں مدد کریں گے تصرف باطن سے اور زیادہ عقیدہ یہی



ما من والا کی نفی و اثبات سے اس کی ضروری الوقوع اور ہر گونہ احتمالات سے بالاتر ہونے پر ایک تجلی پڑتی ہے۔

اور حضرت ابو ہریرہ کی حدیث میں (رضی اللہ عنہ) عرفہ اولایعرفہ رد علیہ السلام بھی ہے فتلک دعواتہم لنا بغیر احسان منا والمعاوضة فکیف اذا احسنا الیہم ووصلناہم وارسلنا الیہم الہدایا وہم متنعمون مکرمون عند ربہم فرحون بما آتاہم اللہ من فضلہ وهو تعالیٰ یطلع الیہم فیقول هل تشتہون شیئاً فکیف یدعوننا فی مثل هذا الوقت من الدعاء لنا وهدایا نا تصل الیہم و ربنا القدیر یسلہم تشتہون شیئاً والحمد للہ رب العالمین۔

عقیدہ ثانیہ یعنی بعد فرض وقوع دعاء کے اس دعاء بالقطع قبول ہونے کا عقیدہ کرنا اس کا ثبوت عقیدہ اولیٰ کے ثبوت میں تقریباً آہی چکا ہے مگر علیحدہ بھی اس کے ثبوت میں حضرت ابو ہریرہ کی حدیث پیش کرتا ہوں۔ عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُدعوا اللہ وانتم موقنون بالاجابة (رواہ الترمذی) اس میں شک نہیں کہ دعاء تو بعض اوقات انبیاء علیہم السلام کی بھی قبول نہیں ہوتی۔

ہے اور اس کا بھی قریب شرک ہونا ظاہر ہے اور خواہ دعاء سے سوا احتمال دعاء کا عقیدہ تو ناجائز نہیں لیکن دو عقیدے اس میں بھی فاسد ہیں ایک اس احتمال کے وقوع کا اعتقاد کرنا کہ جس پر کوئی دلیل نہیں اور بلا دلیل عقیدہ کرنا کذب نفس اور مخالفت ہے آیت وَلَا تَقْفِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ کی دوسرے بعد فرض وقوع دعا کے اس دعا کی بالقطع قبول ہو جانے کا عقیدہ کرنا دعا تو بعض اوقات انبیاء علیہم السلام کی بھی کسی مصلحت سے قبول نہیں ہوتی تا بغیر انبیاء چہ رسد اس ہے مصلحت بھی ہوہ محبت بزرگوں کو کچھ بخشنا ہو اپنی حاجت کا خیال ان میں ملایا کریں کہ توحید کے خلاف ہی کما ذکر اور اگر بہت ہی احتیاط کی تو اخلاص کے تو خلاف ہے ایسی مثال ہو گئی کہ کسی زندہ کو ہدیہ دیا وہ سمجھا کہ محبت سے دیا اور خوش ہوا پھر معلوم ہوا کہ کسی مطلب کو دیا فوراً وہ مکدر ہو گیا ص ۱۴ مسئلہ: بعضے لوگ بزرگوں کے لیے ثواب پہنچاتے ہیں کہ وہ خوش ہو کر ہمارا کام کر دیں گے سو یہ شرک ہے اور اگر یہ سمجھیں کہ دعا کریں گے اور وہ دعا ضرور قبول ہوگی تو یہ دونوں مقدمات بھی غلط ہیں نہ تو کہیں یہ ثابت ہے کہ وہ ضرور دعا کریں گے اور نہ یہ ثابت ہے کہ دعا ضرور قبول ہوگی پس ایسی مشکوک بات کا پختہ یقین کر لینا بھی گناہ ہے۔

مگر ہم کو بصراحت دعاء کے بالقطع قبول ہونے کا عقیدہ رکھنے کا حکم ہے۔ ادعوا اللہ و انتم موقنون بالا جابة والسلام اب میں زیادہ جناب کی تصبیح اوقات نہیں کرتا چونکہ بندہ کو فقط تحقیق حق مقصود ہے اگر جواب عنایت ہو تو تحقیقی اور مختصر دوم بالعافیۃ۔

## الجواب

مخدومی معظمی دامت فیوضکم، السلام علیکم ورحمتہ اللہ میں آجکل سفر میں ہوں سفر ہی میں مکرم نامہ نے مشرف فرمایا خیر خواہی سے ممنون ہوں اگر جواب لکھنے کا حکم نہ ہوتا تو جواب کو سوء ادب سمجھ کر اس کی جرأت نہ کرتا۔ مگر حکم ہونے کے بعد جواب عرض نہ کرنا سو ادب تھا اس لئے کچھ عرض کرتا ہوں میں نے صاف دل سے خلوصاً ہن کے ساتھ پورا مضمون القاسم میں مکرر بغور دیکھا کوئی خدشہ نہیں معلوم ہوا۔ اور والا نامہ کو مکرر دیکھا تب بھی کوئی خدشہ پیدا نہیں ہوا۔ غالباً آپ کو جملہ ظاہراً جائز بھی ہے کے بعد استدراک سے خلجان ہوا ہے۔ سو بقرینہ سیاق اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ ظاہراً علی الاطلاق جائز بھی ہے۔ پس باعتبار قید علی الاطلاق کے یہ استدراک کیا گیا ہے اور گو علی الاطلاق کا لفظ اس مقام پر مصرح نہیں مگر سیاق کو ملا کر دیکھنے سے مطلب واضح ہے۔ پس میں بزرگوں کے نفس ثواب بخشنے کو منع نہیں کرتا۔ جس پر یہ شبہ مذکور والا نامہ متوجہ ہو سکے کہ جس میں صدقہ نافلہ میں مقصود فقط حق تعالیٰ ہو اور بزرگ کو محض ثواب بخشنا ہو وہ بھی برا اور گناہ ہے اور یہ مطلب کیسے ہو سکتا ہے جبکہ آٹھ نو سطر بعد ہی اس میں یہ مصرح ہے کہ جب بزرگوں کو کچھ بخشنا ہو اپنی حاجت کا خیال اس میں نہ ملایا کریں۔ الخ

بلکہ مطلب وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا کہ گو ظاہراً علی الاطلاق جائز معلوم ہوتا ہے۔ مگر بعد تامل و تفتیش حال عوام اس میں باطنی مفسدہ ہے جو بعد استدراک مذکور ہے اور واقعی یہ عدم جواز بغیر عروض کسی قبیح خارجی کے نہیں ہوا۔ بلکہ قبیح کے عروض ہی سے ہوا اور وہ قبیح دو عقیدے ہیں۔ ایک اعتقاد وقوع دعا دوسرا اس کا بالقطع مقبول ہونا اور جس امر کو میں نے شرک یا قریب شرک کہا ہے۔ وہ ایسا ہی شرک ہے جیسے من حلف بغیر اللہ فقد

اشترک چنانچہ اس کا لفظ قریب بہ شرک ہی تعبیر کرنا اس کا مؤید ہے باقی اس تصرف باطنی کے عقیدہ کی جو تاویل کی گئی ہے۔ جو لوگ ان امور میں منہمک ہیں۔ ان کی تصریحات اس تاویل کو رد کرتی ہیں اور تشدد جو سلف کے خلاف ہے وہ تشدد ہے جو محل تشدد میں ہو اور یہ عقیدہ خود محل تشدد ہے۔ چنانچہ اس سے ان امور پر حدیثوں میں شرک کا اطلاق آیا ہے اور وقوع دعاء میں جو حدیث نقل فرمائی ہے اس میں جو دعاء منقول ہے وہ خود اس استدلال کا جواب ہے۔ یعنی اس سے صرف ایک معین دعاء کا وقوع ثابت ہے۔ ربنا الحق بنا اخواننا اور دعویٰ عدم ثبوت دوسری دعاء کا ہے یعنی جس حاجت کے لئے یہ شخص ایصال ثواب کرتا ہے مثلاً ترقی معاش و صحت اولاد و نحو ذلک تو اس کا ثبوت اس حدیث سے کیسے ہوا اسی طرح قرآن مجید کی آیت میں اگر من حولہ کو بلا دلیل عام بھی لے لیا جائے تب بھی اس سے خاص دعاء کا ثبوت ہوتا ہے۔ نہ کہ دعاء متکلم فیہ کا اسی طرح سلامتی کی دعاء خاص ہے اس سے ہر دعاء کا وقوع اور خاص کر ایصال ثواب کے بعد اس کا وقوع جیسا کہ عقیدہ عوام کا ہے۔ یہ کیسے ثابت ہوا باقی اس پر جو دوسری ادعیہ کو قیاس کیا ہے۔ وہ مع الفارق ہے اور وہ فارق اذن ہے ممکن ہے کہ یہ دعاء ماذوں فیہ ہو اور دوسری دعائیں غیر ماذوں فیہ جب تک کہ نقل صحیح سے ثابت نہ ہو اور جب دعاء ہی ثابت نہیں تو اجابت کے یقین کا کیا ذکر اور انتم موقنون بالا جابۃ سے مراد خاص قبول متعارف نہیں اسی کی قطع کی نفی کی گئی ہے۔ ورنہ جب اجابت واقع نہ ہو لازم آتا ہے کہ ہم کو ایک غیر واقعی امر کا یقین دلایا گیا۔ اس کا کوئی متدین قائل ہو سکتا ہے بلکہ مراد اجابت سے عام ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے۔ اَدْعُونِنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ اور عوام اجابہ متعارفہ کا قطع کرتے ہیں بہت غور درکار ہے اور اصل بات جو بناء ہے میرے منع کی وہ یہ ہے کہ عوام الناس یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اس طریق سے گویا وہ کام ان بزرگوں کے سپرد ہو گیا اور وہ ذمہ دار ہو گئے۔ وہ جس طرح بن پڑے گا، خواہ تصرف سے یا دعاء سے ضروری ہے اس کو پورا کرا لیں گے۔ اور ان کا ایسا دخل ہے کہ ان کی سپردگی کے بعد اب اندیشہ تخلف نہیں رہا اور اگر تخلف ہوگا تو یہ احتمال نہیں ہوگا کہ ان کی قوت میں کچھ عجز ہے بلکہ اپنے

عمل میں کمی سمجھیں گے۔ بعینہ جیسا خدا تعالیٰ کے ساتھ یہی اعتقاد ہوتا ہے بس یہ اگر شرک نہیں تو کیا ہے حسب الحکم مختصر لکھا ہے۔ اس سے زیادہ میں عرض کرنا نہیں چاہتا نہ اب نہ پھر اس سے فیصلہ نہ ہوا ہو تو بہتر یہ ہے کہ اپنی تحقیق القاسم میں یا اور کسی پرچہ میں طبع کرا دیجئے تاکہ مسلمانوں کی اصلاح ہو جاوے میں بھی اگر سمجھ لوں گا تو رجوع کا اعلان کر دوں گا ورنہ میں اس کا وعدہ کرتا ہوں کہ اس کا رد نہ لکھوں گا باقی خود اپنا عقیدہ اپنی تحقیق کے موافق رکھنے میں معذور ہوں گا۔ ۲۱ محرم ۱۳۳۱ھ

## سوال

کلمہ یا شیخ عبدالقادر جیلانی شینا اللہ کے ورد کے متعلق جناب کی رائے مبارک کیا ہے؟ قرآن کریم کی صد ہا آیات ظاہری طور پر تو اس کے مخالف نظر آتی ہیں اور نیز حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب جیسے تبحر عالم اور صوفی بھی اس سے منع کرتے ہیں۔ گو دوسری طرف شاہ غلام علی شاہ صاحب اور حضرت مرزا جان جاناں صاحب جیسے اعلیٰ درجہ کے صوفی اس کے عامل نظر آتے ہیں۔ خود اعلیٰ درجہ کے علماء اور فضلاء اور صوفیاء میں ایسے اہم مسائل کے متعلق اختلاف دیکھ کر ہمارے جیسے کم علم جن کو دینی بصیرۃ کما حقہ حاصل نہیں ہے حیران اور سرگرداں رہ جاتے ہیں۔ اور یہ اختلاف حنفی شافعی مالکی حنبلی یا مقلدین اور غیر مقلدین کے خفیف اختلافات سے کوئی تشابہ نہیں رکھتا۔ اس کا ایک فریق تو زبردست دلائل سے اس کو شرک ٹھہراتا ہے اور دوسرا فریق ایک لائق پلیڈر کا پارٹ لے کر اس کی حمایت کے واسطے ویسے ہی زبردست دلائل پیش کرتا ہے۔ امید ہے کہ جناب بندہ نوازی فرما کر اس کے متعلق رائے مبارک کا اظہار فرماویں گے۔

## الجواب

ایسے امور و معاملات میں تفصیل یہ ہے کہ صحیح العقیدہ سلیم الفہم کے لئے جواز کی گنجائش ہو سکتی ہے۔ تاویل مناسب کر کے اور سقیم الفہم کے لئے بوجہ مفاسد اعتقاد یہ و عملیہ کے اجازت نہیں دی جاتی۔ چونکہ اکثر عوام بدفہم اور کج طبع ہوتے ہیں ان کو علی

الاطلاق منع کیا جاتا ہے اور منع کرنے کے وقت اس کی علت اور مدار نہی کو اس لئے بیان نہیں کیا جاتا ہے کہ قیاس فاسد کر کے ناجائز امور کو جائز قرار دے لیں گے۔ جیسے عوام کی عادت ہے کہ دوامروں کو جن میں واقع میں تفاوت ہے مساوی ٹھہرا کر ایک کے جواز سے دوسرے پر بھی جواز کا حکم لگا لیتے ہیں۔ اس لئے ان کو مطلقاً منع کیا جاتا ہے۔ اس قاعدے کے دریافت کر لینے کے بعد ہزار ہا اختلاف جو ان امور میں واقع ہیں۔ ان کی حقیقت منکشف ہو جاوے گی اس کی ایسی مثال ہے کہ بوجہ روایت اکثر مزاجوں کے کوئی ڈاکٹر کسی فصلی چیز کے کھانے سے عام طور پر منع کر دے مگر خلوة میں کسی خاص صحیح المزاج آدمی کو بعض طریق و شرائط کے ساتھ اسی چیز کی اجازت دیدیں۔ اس تقریر سے مانعیں و مجوزین کے اقوال میں تعارض نہ رہا مگر یہ اجازت عوام کے حق میں سم قاتل ہے۔

## سوال

طریق اربعین یعنی چلہ میں حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ضیاء القلوب صفحہ ۵۵ میں تحریر فرماتے ہیں استعانت و استمداد از اروں مشائخ طریقت بواسطہ مرشد خود کردہ الخ استعانت و استمداد کے الفاظ ذرا کھٹکتے ہیں غیر اللہ سے استعانت و استمداد بطریق جائز کس طرح کرتے ہیں۔ خالی الذہن ہونے کی تاویل و توجیہ بالکل جی کو نہیں لگتی ایسی بات ارشاد ہو جس سے قلب کو تشویش نہ رہے۔

## الجواب

(۱) جو استعانت و استمداد بالخلق با اعتقاد علم و قدرت مستقل مستمد منہ ہو

شرک ہے اور جو

(۲) با اعتقاد علم و قدرت غیر مستقل ہو مگر وہ علم و قدرت کسی دلیل صحیح سے ثابت نہ

ہو معصیت ہے۔ اور

(۳) جو با اعتقاد علم و قدرت غیر مستقل ہو اور وہ علم و قدرت کسی دلیل سے ثابت

ہو جائز ہے۔ خواہ وہ مستمد منہ جی ہو یا میت۔ اور

(۴) جو استمداد بلا اعتقاد علم و قدرۃ ہونہ مستقل نہ غیر مستقل پس اگر طریق

استمداد مفید ہو تب بھی جائز ہے جیسے استمداد بالنار والماء والواقعات

(۵) التاریخہ ورنہ لغو ہے۔ یہ کل پانچ قسمیں ہیں۔

پس استمداد ارون مشائخ سے صاحب کشف الارواح کے لئے قسم ثالث ہے

اور غیر صاحب کشف کے لئے محض ان حضرات کے تصور اور تذکر سے قسم رابع ہے کیونکہ

اچھے لوگوں کے خیال کرنے سے ان کو اتباع کی ہمت ہوتی ہے اور طریق مفید بھی ہے اور

غیر صاحب کشف کے لئے قسم خامس ہے۔ ۱۸۔ ذیقعدہ ۱۳۲۰ھ

## سوال

اس مسئلہ کی تحقیق تحریر فرمادیں وہ یہ کہ بعض کتب میں نداء غیر اللہ کے متعلق یہ

تحریر موجود ہے کہ اگر تصفیہ باطن سے منادی کا مشاہدہ کر رہا ہے تو بھی جائز ہے۔ اس سے

معلوم ہوتا ہے کہ بعد تصفیہ باطن اولیاء اللہ کو پکار سکتا ہے جو لوگ اولیاء اللہ سے غائبانہ مدد

طلب کرتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ مثنوی شریف میں مولانا علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

بانگ مظلوماں زہر جابشنوند سوئے اوچوں رحمت حق میدوند

مصائب کے وقت اولیاء اللہ سے مدد مانگنا اور پھر اس کی طرف ان حضرات

کا توجہ فرمانا اس سے ثابت ہے اور یہ دلیل کافی ہے اور یہ بھی سنا گیا ہے کہ اولیاء اللہ میں

سے دو بزرگ صاحب تصرف ہیں اس کارخانہ عالم کا نظام حق سبحانہ و تعالیٰ نے ان کے

متعلق کیا ہے وہ مدد کیا کرتے ہیں اور انتظام فرمایا کرتے ہیں۔ اس خادم کو نام مبارک یاد

نہیں رہا مگر غالباً ایک بزرگ حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

دوسرے بزرگ کا نام یاد نہیں ہے۔ اس کے متعلق جو تحقیق ہو آنحضور اس سے مطلع فرما

دیں بسا اوقات خلجان رہا کرتا ہے کہ آیا دور سے سنتے ہیں یا نہیں اور مدد فرماتے ہیں یا

نہیں اہل تحقیق صوفیہ کرام کا کیا مذہب ہے اور حقیقت میں یہ معاملہ کیا ہے۔

## الجواب



صرف تصفیہ کو تو کافی نہیں لکھا بلکہ تصفیہ باطن کے بعد مشاہدہ منادی کو شرط کہا ہے۔ سو مشاہدہ کے بعد جواز ہوا لیکن اس سے نداء متعارف میں کوئی گنجائش نہ نکلی رہا مولانا کا شعر یہ قضیہ بوجہ موجود نہ ہونے کسی حرف استغراق و کلیت کے اور کافی نہ ہونے صیغہ جمع کے مبہملہ ہے۔ جو قوت میں جزئیہ کے ہے جس کا تحقق بدالالت دوسرے اولہ کے باعتبار بعض از منہ غیر معینہ کے ہوتا ہے۔ یعنی کبھی بطور خرق عادت کے ایسا بھی ہو جاتا ہے اور خرق عادت میں دوام اور اختیار ضروری نہیں بلکہ نفی ان کی اکثری ہے پھر نداء متنازع فیہ سے اس کو کیا مس ہوا اور جن بزرگوں کی نسبت سنا ہے اگر بطور دوام کے مراد ہے تو یہ سنا ہوا محض غلط ہے اس پر کوئی دلیل قائم نہیں اور اگر احیاناً ہے تو مستدلیس حال کو مفید نہیں۔ صوفیہ کرام کا وہی مذہب ہے جو شریعت سے ثابت ہے۔ فقط۔ ۸ جمادی الاول ۱۸۲۲ھ

## سوال

خادم کا عقیدہ یہ ہے کہ درود شریف کو فرشتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے ہیں اس بنا پر الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ اگر پڑھا جاوے تو یہ خیال کیا جاتا ہے کہ فرشتے پہنچا دیں گے۔ خود سماع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بلا واسطہ نہیں ہوتا مگر استاذ مولانا مولوی..... صاحب مذطلہ چند روز ہوئے آرہ تشریف لے گئے تھے ایک بزرگ نے ایک کتاب ابن قیم جوزی کی جس کا نام جلاء الافہام فی الصلوٰۃ والسلام علی خیر الانام ہے دیکھنے کو دی۔ اس میں یہ حدیث موجود ہے جس کو مولانا نے نقل فرمایا ہے۔

حدثنا سعید بن ابی مریم حدثنا یحییٰ بن ایوب عن

خالد بن زید عن سعید بن ہلال عن ابی الدرداء قال

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثروا الصلوٰۃ

علی یوم الجمعة فانه یوم مشہود تشهدہ الملئکۃ لیس

من عبد یصلی علی الا بلغنی صورته حیث کان قلنا و

بعد وفاتک قال و بعد وفاتی ان اللہ حرم علی الارض



### ان تا کل اجساد الانبیاء

اس حدیث میں کوئی کلام بھی نہیں کیا کہ ضعیف ہے یا موضوع اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص کی آواز کو سماع فرماتے ہیں بلا واسطہ ملائکہ اس کے معنی بیان فرمادیں تاکہ تردد رفع ہو یا ایسا ہی عقیدہ رکھنا چاہیے آنحضور کا کیا ارشاد ہے۔

### الجواب

اس سند میں ایک راوی یحییٰ بن ایوب بلا نسب مذکور ہیں جو کئی راویوں کا نام ہے جن میں سے ایک غافقی ہیں جن کے باب میں ربما اخطاء لکھا ہے یہاں احتمال ہے کہ وہ ہوں دوسرے ایک راوی خالد بن زید ہیں، یہ بھی غیر منسوب ہیں اس نام کے رواۃ میں سے ایک کی عادت ارسال کی ہے اور یہاں عنعنہ سے ہے جس میں راوی کے متروک ہونے کا اور اس متروک کے غیر ثقہ ہونے کا احتمال ہے۔ تیسرے ایک راوی سعید بن ابی ہلال ہیں جن کو ابن حزم نے ضعیف اور امام احمد نے مخطط کہا ہے۔ وهذا کله من التقرب۔

پھر کئی جگہ اس میں عنعنہ ہے جس کے حکم بالاتصال کے لئے ثبوت تلاقی کی حاجت ہے۔ یہ تو مختصر کلام ہے سند میں باقی رہا متن سوا ولا معارض ہے دوسری احادیث صحیحہ کے ساتھ چنانچہ مشکوٰۃ میں نسائی اور دارمی سے بروایت ابن مسعود یہ حدیث ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان للہ ملئکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام اور یہی حدیث حصن حصین میں بحوالہ متدرک حاکم وابن حبان بھی مذکور ہے اور نیز مشکوٰۃ میں بیہقی سے بروایت حضرت ابو ہریرہ حدیث ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی علی عند قبری سمعته و من صلی علی نائیا بلغته اور نسائی کی کتاب الجمعہ میں بروایت اوس بن اوس یہ حدیث مرفوع ہے۔ فان صلواتکم معروضۃ علی الحدیث یہ سب حدیثیں صریح ہیں۔ عدم السماع عن بعید میں اور ظاہر ہے کہ جلاء الافہام ان کتب کی برابر قوت میں نہیں ہو سکتی۔ لہذا اقویٰ کو ترجیح ہوگی۔ ثالثا لفظ بلغنی صوتہ محتمل تاویل ناشی عن دلیل کو ہے واذا جاء الاحتمال

بطل الاستدلال اور وہ دلیل جو منشاء تاویل کا ہے دوسری احادیث مذکورہ میں پس بضرورت جمع بین الاحادیث اس لفظ کی یہ توجیہ ہوگی کہ صوت سے مراد جملہ صلوٰۃ ہے کیونکہ کلام اور کلمہ قسم ہے لفظ کی اور وہ قسم ہے صوت کی پس درود شریف بھی ایک صوت ہے اور بلاغ عام ہے بلاغ بالواسطہ و بلاواسطہ کو اور بقرینہ (دوسری احادیث کے بلاغ بالواسطہ متعین ہے پس معنی بلغنی صوت کے یہ ہونگے۔ بلغنی صلوٰۃ بواسطہ الملائکہ رابعا اگر حدیث کے ضعف سند اور متن کے معارض و محتمل تاویل ہونے سے قطع نظر کر لی جاوے اور کل از منہ و امکنہ و احوال اور جمع مصلین میں عام لیا جاوے تب بھی اہل حق کے کسی دعوے مقصودہ کو مضر نہیں اور نہ ان کے غیر کے کسی دعوے مقصودہ کو مفید۔ اگر اس اجمال پر قناعت نہ ہو تو اس ضرر یا نفع کو متعین کرنے سے انشاء اللہ تعالیٰ جواب میں بھی تفصیل ہوگی۔ واللہ اعلم، بعد تحریر جواب ہذا بلا تاویل فکر قلب پر وارد ہوا کہ اصل حدیث میں صوتہ نہیں ہے بلکہ صلوٰۃ ہے کاتب کی غلطی ہے لام رہ گیا ہے۔ امید ہے کہ اگر نسخ متعدد دیکھے جائیں تو انشاء اللہ تعالیٰ کسی نسخہ میں ضرور اسی طرح نکل آوے گا والغیب عند اللہ تعالیٰ فقط۔ ۱۶۔ ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ

## سوال

(۱) نداء غیر اللہ بدون صیغہ صلوٰۃ کلام اکابر میں لاتعد ولا تخصی موجود ہے۔ صرف ندا ہی نہیں اس کے ساتھ استشفاء استشفاع استعانت استمداد بجوانج مختلفہ موجود ہے۔ اس میں اور یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیاء اللہ یا شیخ شمس الدین ترک پانی پتی مشکل کشا حاجت روا وغیرہ وغیرہ میں کیا فرق ہے۔ یہ فرمانا کہ وہ ندا حالت ذوق شوق میں ہوتی ہے اور منادی کا مقصود نداء نہیں اور نہ وہ منادی کو حاضر ناظر سمجھتا ہے۔ سو اس قسم کا عذر یہاں بھی ہو سکتا ہے۔ عوام کا لانعام کا ذکر نہیں لیکن بہترے سمجھ والے خوش عقیدہ ہیں جو اس بات کو سمجھتے ہیں کہ شیخ حاضر و ناظر نہیں متصرف حقیقی نہیں کسی وجہ سے ہوان الفاظ میں کوئی اثر و برکت سمجھتے ہونگے۔ مثلاً یہی سہی کہ خود حضرت شیخ نے فرمایا ہے کیکہ دو

رکعت نماز بگذار دو بخواند در ہر رکعت بعد از فاتحہ سورۃ اخلاص یا زودہ بار بعد ازان درود  
بفرستد بہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعد از سلام و بخواند آن سرور را صلی اللہ علیہ وسلم بعد  
از ان یا زودہ گام بجانب عراق برود و نام مرا گیرد و حاجت خود را از درگاہ خداوندی بخوابد حق  
تعالی آن حاجت او قضا کند اخبار الاخیار نام مرا گیرد سے ندای مفہوم ہوتی ہے کوتاویات  
ممکن ہیں اور بخواند آن سرور را صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی نداء ہی مترشح ہے۔

پھر اس کے جواز میں ایسے شخص کے لئے جو شیخ کو حاضر ناظر متصرف حقیقی نہ  
جانتا ہو کیا مضائقہ ہے اور ذوق شوق کوئی حالت سکر (نشہ) نہیں جو مغلوب الحال ہو کہ  
شرعاً معذور سمجھا جاوے علاوہ ازیں ابتداء جبکہ ذوق شوق نہ ہو اس نداء کی اجازت کیسے  
ہوگی۔ اس کی بابت شفاء قلب مطلوب ہے اور یہ بھی ارشاد ہو کہ صلوٰۃ مذکورہ مختص بحیات  
شیخ ہے یا مؤثر دوائی ہے اور اس کی اباحت میں تو کوئی شبہ نہیں ہے جانب عراق چلنے  
میں کیا سر ہے۔ اگر یہ وجہ ہے کہ شاید قیامگاہ شیخ عراق ہو اور اس جانب چلنے سے شیخ کے  
ساتھ قربت و مناسبت و رغبت پیدا کرنا مقصود ہو تو اس بناء پر چاہیے کہ مختص بحیات شیخ ہو  
(۲) دافع البلاء دافع القحط والوباء کاشف الکرب مشکل کشا۔ حاجت روا وغیرہ وغیرہ الفاظ  
کسی پیغمبر ولی کے نام کے ساتھ ملانا ایسے شخص کے لئے جو اس ولی پیغمبر کو حاضر ناظر  
متصرف حقیقی نہ جانتا ہو۔ محض ذوق شوق میں کہتا ہو جائز ہے یا نہیں۔ اس قسم کے الفاظ بھی  
کلام اکابر میں بکثرت پائے جاتے ہیں، خصوصاً کلام منظوم میں۔

اولیا را بہت قدرت ازا کہ تیر جست باز گرد اند زراہ  
تصرفات کشف بایا حل مشکلات انجام، حاجات وغیرہ خدا تعالیٰ نے ان کو عطا  
فرمایا ہے بعد الہمات اگر یہ تصرفات مسلوب مان لئے جاویں تو بطور القاب ان الفاظ کے  
برتنے میں کیا مضائقہ ہو سکتا ہے درحالیکہ قائل خوش عقیدہ ہو اور اندیشہ ضرر متعدی بھی نہ ہو۔

## الجواب

قال اللہ تعالیٰ لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقَالَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

لايقولن احدكم عبدى و امتى ولا يقل العبد ربى رواه مسلم عن ابى هريرة  
 كذا فى المشكوة وقال صلى الله عليه وسلم لا تقولوا ما شاء الله و شاء فلان  
 رواه احمد ابو داود و فى رواية لا تقولوا ما شاء الله و شاء محمد رواه فى  
 شرح السنة كذا فى المشكوة. الفاظ مذکورہ ہر دو سوال بالیقین ایہام شرک میں ان  
 الفاظ منہی عنہا فی کتاب والنسۃ سے بدرجہا زائد ہیں۔ خواہ انہی کا کوئی درجہ ہو اس کی تعیین  
 مجتہد کا کام ہے۔ لیکن ہر حال میں ناپسندیدہ ہے۔

حضرت شارع علیہ السلام کے نزدیک جب اخف ممنوع ہے تو اشد بدرجہ اولیٰ  
 ممنوع ہوگا بلکہ ممنوعیت میں اشد ہوگا۔ ایک وجہ اشدیت کی تو یہ ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ  
 الفاظ منہی عنہا فی الحدیث محض محاورہ کے طور سے بولے جاتے ہیں۔ جس میں کسی طرح  
 معنی تعبد کے نہیں ہیں۔ بخلاف الفاظ مذکورہ فی السوالین کے کہ باعتبار برکت و تقرب الی  
 اللہ یا الی الاولیاء حسب اختلاف اعتقاد الناس پڑھے جاتے ہیں۔ جو ایک گونہ تعبد ہے اور  
 ممنوع اور غیر مشروع ہونا ایسے الفاظ کا خواہ کسی درجہ میں ہو اول معلوم ہو چکا اور ظاہر ہے  
 کہ امر ممنوع کو ذریعہ تعبد بنانا جس کا حاصل ہے معصیت کو طاعت سمجھنا یہ بہت زیادہ افتح و  
 اشنع ہے۔ اس سے کہ ممنوع کو غیر تعبد میں استعمال کرنا کہ ثانی میں معصیت کو سبب رضاء  
 حق تو نہیں سمجھتا اور اول میں معصیت کو سبب رضائے حق سمجھا اور جب ممنوع ہونا ان کا  
 ثابت ہو چکا تو اگر کسی ایسے شخص سے منقول ہو جس کے ساتھ حسن ظن کے ہم مامور یا ملتزم  
 ہیں تو اس نقل سے حکم شرعی میں تغیر یا دوسروں کو استدلال و استعمال نہ کیا جاوے گا بلکہ  
 قصاری امر یہ ہوگا کہ منقول عنہ کی شان کے مناسب کچھ تاویل کر لیں گے اور مقصود اس  
 تاویل سے اس کی حفاظت ہوگی نہ کہ دوسروں کو مبتلا ہونے کی اجازت کیونکہ ممنوع ہونا  
 حجت شرعیہ سے ثابت ہے اور قول و فعل مشائخ حجت شرعیہ نہیں بالخصوص نص کے مقابل اور  
 تاویل محض ضرورت کی وجہ سے کی جاتی ہے۔ اور ارتکاب کی خود کوئی ضرورت نہیں۔

لہذا تجویز تاویل سے تجویز ارتکاب لازم نہیں اور اگر وہ تاویل ضعیف ہوگی تو  
 دوسری تاویل مناسب ڈھونڈے گی یہ نہ ہوگا کہ کسی تاویل کے ضعف سے بلا تاویل جائز

کہہ دیں گے۔ رہی تقریر ضرر متعدی کے نہ ہونے کی سوا اول تو جب ضرر لازمی ہی ثابت ہو گیا تو ضرر متعدی کا انتقام نہیں اور دوسرے یہ تقدیر ہی غیر واقعی ہے ان اکابر کا فعل ہم تک منقول ہو کر آیا ہے ہمارا دوسروں تک جاوے گا پھر ضرر متعدی کے انتقام کا دعویٰ کب ہو سکتا ہے رہ گئے۔ تصرفات سو بر تقدیر بقاء بعد الموت کے بھی اس کو مسئلہ مجوٹ عنہا سے مس نہیں کیونکہ اول تو امکان مستلزم وقوع نہیں اور وقوع مطلق مستلزم دوام نہیں دوسرے وہ تصرفات اختیاری نہیں۔ تیسرے ان تصرفات سے منفع ہونے کا یہ طریقہ شرعاً ماذون فیہ نہیں، ممکن ہے کہ سلطان کسی امیر و وزیر کو کسی کام کا حکم کر دے اور رعایا کو منع کر دے کہ خبردار اس کام کیلئے اس سے ہرگز نہ کہنا جو کچھ کہنا ہو ہم سے کہنا غرض بقاء تصرفات مستلزم اذن سوال نہیں اور القاب کے طور پر برتنا اول تو برتنے والے بالیقین اس سے متجاوز ہوتے ہیں۔ دوسرے اس کا بھی ممنوع ہونا اوپر ثابت ہو چکا ہے۔ یہ تو استدلالاً کلام تھا۔ اب ذوقاً اتنا قسم کھا کر لکھتا ہوں کہ جس کے قلب میں نور سنت ہوگا وہ ان الفاظ کے بولتے ہی بلکہ سنتے ہی قلب کے اندر ظلمت و کدورت پائے گا کہ بغرض اذن بھی مثل قے کے اس سے نفرت کرے گا۔ واللہ اعلم نیز جو لوگ اس وقت خواص کہے جاتے ہیں۔ یقیناً ان کا قلب مرض خفی سے ان امور میں خالی نہیں۔ واللہ اعلم۔ ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ

## سوال

ایک شاعر نے عاشقانہ مذاق و فرط محبت میں اشعار مندرجہ ذیل کہے۔

کرم دہگیری کر بچارنج و مصیبت سے

جو ہوں درحالت مضطر معین الدین اجمیری

غمزہ ہوں کہ مصیبت نے ہے گھیرا مجھ کو۔ غم کے ہاتھوں سے چھڑا جانے سے

لکھنے والے۔

شاعر کی نیت صرف مجاز پر ہے۔ حقیقی معنی پر محمول نہیں کرتا بلکہ حقیقی معنی پر محمول

کرنے کو شرک سمجھتا ہے اور قادر بالذات اور متصرف بالاستقلال سوائے ذات وحدہ

الاشریک کے کسی کو نہیں جانتا تو اس کے ایسے شعروں کے سبب جو اس کو شرک و خارج از

اسلام کہے تو اس کی نسبت شریعت کا کیا حکم ہے کیا واقعی دائرہ اسلام سے مشرک و خارج ہے یا اس کو مشرک کہنے والا خود خطاوار ہے اور مجازی استمداد اہل اللہ سے جائز ہے یا نہیں اور شیخ عبدالحق نے جو شرح مشکوٰۃ و زبدۃ الاسرار و غیرہ میں مجازی استمداد کو جائز لکھا ہے تو وہ کیا خارج از اسلام تھے ایسا ہی شاہ عبدالعزیز صاحب جو تفسیر عزیزی میں فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ مدفونین، سے استفادہ جاری ہے اور وہ زبان حال سے مترنم اس مقال کے ہیں۔ من ایم بجان گر تو آئی بتن۔ وغیرہ وغیرہ اکابر مشائخ جو ایسے عقیدے پر گزرے ہیں وہ مشرک تھے یا مسلمان۔

## الجواب

ایسے خطابات میں تین مرتبے ہیں۔

اول ان کو متصرف بالاستقلال سمجھنا یہ تو صریح شرک ہے۔

دوم متصرف بالاذن اور ان خطابات پر مطلع بالمشیۃ سمجھنا یہ شرک تو کسی حال میں نہیں لیکن یہ کہ اس کا وقوع ہوتا ہے یا نہیں اس میں اکابر امت مختلف ہیں۔ فمنہم المنہم و المنہم النافی لیکن جو مثبت بھی ہیں ۱۰۰ یہ اجازت نہیں دیتے کہ بعید سے ندا کرو اور نہ بعید سے دعاء سننے کی کوئی دلیل ہے اور بلا دلیل شرعی ایسا اعتقاد رکھنا گو حقیقۃً شرک نہ ہو مگر معصیت اور کذب حقیقۃً اور شرک صورۃً ہے۔ معصیت ہونے کی دلیل ہے ولا تقف مالیس لک بہ علم اور کذب ہونا اس کی تعریف صادق آنے سے ظاہر ہے اور شرک صورۃً اس لئے کہ اول اعتقاد والوں کے ساتھ عادت میں تخبہ ہے اور اگر کسی بزرگ کی حکایت میں بطور کرامت کے ایسا امر منقول ہو تو خرق عادت و دوام عادت سے ثابت نہیں ہوتا البتہ قبر پر جا کر مجاز کے مرتبہ سے ان سے استمداد مثبتین کے نزدیک جائز ہے۔ جبکہ اور کوئی مفسدہ عارض نہ ہو جاوے۔

والا فلا سوم نہ تصرف کا اعتقاد ہے نہ سماع کا محض ذوق شوق میں مثل خطاب

باد صبا کے خطاب کرتا ہے یہ نہ شرک ہے نہ معصیت فی نفسہ جائز ہے۔

جبکہ الفاظ خطاب کے حد شرعی کے اندر ہوں اور کسی عامی کا اعتقاد فاسد نہ ہو جاوے کیونکہ جس طرح خود معصیت سے بچنا فرض ہے اسی طرح دوسرے مسلمانوں کو خصوصاً عوام کو بچانا فرض ہے۔ پس جہاں عوام کے بگڑ جانے کا اندیشہ ہو وہاں اجازت نہ ہوگی جب یہ تفصیل سمجھ میں آگئی تو اس سے اکابر کے اقوال کے معنی بھی متعین ہو گئے اور قائل کا حکم بھی معلوم ہو گیا اور جو شخص شرک کہتا ہے اگر وہ مرتبہ جائز کو کہتا ہے تو غلطی ہے توبہ واجب ہے اور اگر ناجائز مرتبہ کو کہتا ہے تو تاویل سے جائز ہے۔ جیسا حدیثوں میں بعض معاصی کو شرک فرمایا ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۲۶۔ ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ



دعوت عامه



## ﴿دعوت عامہ﴾

### سوال

السلام علیکم۔ گزارش آنکہ ایک سوال میرے ذہن میں بہت زمانہ سے موجزن ہے مگر بوجہ شرم کسی سے ظاہر نہیں کرتا تھا۔ کہ مسلمان ہو کر ایسا سوال کروں مگر وہ دوسرے پریشان کئے ہوئے تھا اسی درمیان اشتہار النور نظر سے گزرا۔ جس میں ایک مضمون دعوت عامہ تھا جسے دیکھ کر داعی بدرگاہ خدا ہوا کہ جلد اس رسالہ کا اجراء ہو۔ خدا نے اس دعا کو درجہ قبولیت تک پہنچایا اب میں صرف سوال لکھتا ہوں۔ امید کہ بذریعہ النور مطلع کیا جاؤں اور اپنا نام نہیں لکھتا مبادا آپ رسالہ میں نام لکھ دیں تو میں رسوا ہوں۔

(۱) ابو طالب کا دوزخ میں معذب ہونا حالانکہ حدیث کے ایک مضمون سے تصدیق بالقلب و اقرار باللسان دونوں معلوم ہوتے ہیں۔ جس وقت کفار مکہ نے ابو طالب سے کہا کہ تمہارا بھتیجا ہمارے مذہب کو برا بتاتا ہے، ہمارے معبودوں کی بے عزتی کرتا ہے، ہم تمہارے لحاظ سے اسے کچھ نہیں کہتے، غور سے سمجھا دو کہ وہ ان باتوں کو چھوڑے ورنہ ہم بری طرح پیش آئیں گے۔ اس پر ابو طالب نے آپ کو بلا کر جو ان لوگوں نے کہا تھا کہہ سنایا۔

آپ نے جواب دیا کہ اے میرے پیارے چچا خواہ تم میری مدد کرو خواہ نہ کرو، میں اپنے فرض منصبی کو کبھی نہ چھوڑوں گا۔ اور جس نے مجھے پیدا کیا اور پیغمبر بنایا اس کے حکم کو سناؤں گا اور جن کو یہ ناحق پوجتے ہیں، میں ان کو کبھی نہ مانوں گا۔ الخ ابو طالب نے کہا اے میرے پیارے بھائی کے بیٹے کچھ خوف نہ کر تو اپنا کام کئے جا کسی کی مجال نہیں کہ تجھے

جھڑک سکے یا کچھ زیادتی کر سکے، تو اپنے کلام میں سچا ہے سب سے بڑھ کر امین ہے۔ تیرا دین سارے دینوں سے اچھا ہے۔ یہ قول ہے ایسا کہ ایسے منہ سے نہیں نکل سکتا جو دل میں یقین نہ رکھتا ہو اگر ابو طالب کو آپ کی رسالت کا یقین نہ ہوتا تو ابولہب کی طرح وہ بھی الگ ہو گئے ہوتے۔ پھر یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ان کے پیر میں آگ کا جو تا کس سزا میں ہوگا۔

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے متعلق چند شبہ ہیں۔

(الف) آپ باوجود پیغمبر و محتاط ہونے کے نو شادیاں کیں۔

(ب) اگر کوئی عورت چاہتی تو بغیر مہر بھی آپ کے نکاح میں آسکتی حالانکہ کسی امتی کو ایسا حکم نہیں، یہ دونوں باتیں خود غرضی پر محمول معلوم ہوتی ہیں۔

(ج) شریعت میں ممانعت کے بغیر بھی اگر آپ چاہتے تو وہ کام کر سکتے جیسے آپ نے ایک شخص کو سونے کا کڑا پہنایا جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کے واسطے مخصوص نہیں، اسی طرح اور چند باتیں ہیں جو اس کے جواب شائع ہونے کے بعد لکھوں گا۔ امید ہے کہ جواب ضرور شائع کیا جائیگا۔ راقم ایک مسلمان

## جواب

ابو طالب کے متعلق سائل نے جو شبہ کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ سائل نے اس تصدیق کی حقیقت نہیں سمجھی جس کا ایمان کے لئے ہونا ضروری ہے۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ تصدیق دو قسم کی ہوتی ہے، ایک اضطراری، دوسری اختیاری۔

تصدیق اضطراری کے معنی ہیں صرف جاننا اور تصدیق اختیاری کے معنی ہیں ”جاننا اور ماننا“ ایمان کے لئے تصدیق اضطراری کافی نہیں بلکہ تصدیق اختیاری کا ہونا لازم ہے۔ تصدیق اضطراری کفار کو بھی ہو سکتی ہے اور کبھی کبھی اس کا ظہور زبان سے بھی ہو جاتا ہے مگر اس سے وہ مومن نہیں کہلا سکتے چنانچہ اہل کتاب کے بارہ میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔

﴿يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ﴾

”وہ لوگ رسول اللہ کو ایسا (یقینی طور پر) پہچانتے ہیں جیسا اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔“

نیز مشکوٰۃ کتاب الکبائر میں صفوان بن عسال کی روایت درج ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ دو یہودیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آیات بینات کی تفصیل دریافت کی تو آپ نے اس کا صحیح جواب دیدیا۔ اس پر ان یہودیوں نے آپ کے ہاتھوں اور پاؤں کو بوسہ دیا اور کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نبی ہیں۔ اس پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت کیا کہ پھر تم میرا اتباع کیوں نہیں کرتے۔ اس کا انہوں نے جواب دیا کہ داؤد علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ میری اولاد میں ہمیشہ نبی رہے اور ہمیں ڈر ہے کہ اگر ہم آپ کا اتباع کریں تو یہود ہم کو مار ڈالیں گے۔

نیز روح المعانی میں ابن اسحق و ابن جریر و ابن المذر اور بیہقی کے حوالہ سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ جب یہودیوں میں ایک مرد و عورت نے زنا کیا اور مقدمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں سے دریافت فرمایا کہ توراۃ میں رجم کے بارہ میں کیا لکھا ہے۔ انہوں نے کہا کہ (توراۃ میں تو رجم کا حکم نہیں) ہم تو زنا کرنے والوں کو رسوا کر کے کوڑے مار دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم غلط کہتے ہو، پھر آپ ان کے علماء سے مناظرہ کرنے کے لئے ان کے مدرسہ میں تشریف لے گئے اور علماء کو جمع کیا اور سب نے یہ کہا کہ ہم میں سب سے بڑا عالم توراۃ کا عبد اللہ بن صوریہ ہے، تو آپ نے تنہائی میں اس سے گفتگو کی اس نے کہا اللھم نعم اما واللہ یا ابا القسم انھم ليعرفون انک نبی مرسل ولکنھم یحسدونک اھ۔ کہ بیشک آپ سچے ہیں اور خدا کی قسم اے ابوالقاسم (صلی اللہ علیہ وسلم) یہودی خوب جانتے ہیں کہ آپ خدا کے بھیجے ہوئے نبی ہیں لیکن وہ آپ سے حسد کرتے ہیں اھ کذا فی البیان۔

ان واقعات و روایات سے معلوم ہوا کہ یہودی کبھی کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار زبان سے بھی کر لیتے تھے اور دل میں تو ان کے یقین تھا ہی (جیسا کہ

قرآن کی آیت سے معلوم ہوا) مگر اس سے وہ لوگ مومن نہیں قرار دیئے گئے۔

پس معلوم ہوا کہ ایمان کے لئے تصدیق اضطراری اور اس کا کسی موقع پر ظاہر کر دینا کافی نہیں بلکہ اس کے لئے تصدیق اختیاری کی ضرورت ہے یعنی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی جان کر نبی مان بھی لینا اور اپنے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حلقہ بگوشی میں داخل کر دینا جب یہ بات ہوگی اس وقت آدمی مسلمان ہوگا اور اگر صرف نبی جان لیا مگر مانا نہیں تو اگرچہ اپنے علم کا اظہار کسی وقت زبان سے بھی کر دے اس کو مسلمان نہیں کہا جاسکتا۔ سو ابو طالب گو آپ کو نبی جانتے ہوں اور زبان سے کسی وقت اس کا اظہار بھی کر دیا ہو مگر چونکہ آپ کو نبی مانتے نہ تھے اور اپنے آپ کو حضور کا متبع اور مسلمان نہ کہتے تھے اس لئے ان کے ایمان کا حکم نہیں کیا جاسکتا اور ان کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی جاننا ایسا ہی ہوگا جیسا کہ یہود جانتے تھے۔ مگر حسد کی وجہ سے ایمان نہ لاتے تھے اسی طرح ابو طالب نے بھی باوجود نبی جان لینے کے ننگ و عار کے خیال سے اسلام قبول نہیں کیا۔

چنانچہ مشکوٰۃ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی روایت سے ایک حدیث وارد ہے جس کے آخری الفاظ یہ ہیں قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قبل منی الکلمۃ الی عرضت علی عمی فردھا فہی لہ نجات رواہ احمد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مجھ سے اس بات کو قبول کر لے جس کو میں نے اپنے چچا (ابو طالب) کے سامنے پیش کیا تھا تو اس نے اس کو رد کر دیا (یعنی توحید و رسالت) تو وہ اس کے لئے (باعث) نجات ہے۔ اھ۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ ابو طالب نے حضور کی بات کو باوجود آپ کے پیش کرنے کے بھی رد کر دیا تھا پس جو سزا ان کے لئے حدیث میں بیان کی گئی ہے وہ بیقاعدہ ہرگز نہیں۔ یہ تو سائل کے پہلے شبہ کا جواب تھا۔

(۲) رہے وہ شبہ جو سائل نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر کئے ہیں۔ سو ان کا اجمالی جواب تو یہ ہے کہ اگر اس قسم کی باتیں آپ کی نبوت میں کوئی شبہ پیدا کر سکتیں تو سب سے اول اس زمانہ کے کفار کو ایسے شبہات کا حق تھا مگر اس وقت کے کفار تو

اس قسم کے شبہات نہیں کرتے تھے اور آج کے مسلمان ایسے شبہات پیدا کرتے ہیں یہ کس قدر افسوس کی بات ہے اور تفصیلی جواب یہ ہے۔ (الف۔ ب) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک وقت میں نو بیویاں رکھنے یا کسی عورت سے بلا مہر نکاح کر سکنے سے خود غرضی کا شبہ کرنا اس لئے صحیح نہیں کہ احکام کا مقرر کرنا آپ کے اختیار میں نہ تھا۔ بلکہ ہر حکم خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوتا تھا پس خدا ہی نے آپ کو نو بیویاں رکھنے کی اجازت دی۔ اسی نے آپ کو بلا مہر نکاح کرنے کی اجازت دی اور آپ نے ان احکام پر عمل کیا۔ اس میں خود غرضی کیا ہوئی۔ خود غرضی تو جب ہوتی کہ آپ خود اپنے لئے کوئی خاص رعایت کسی نفسانی غرض سے مقرر کرتے اور جب کہ ایسا نہیں تو خود غرضی کا شبہ فضول ہے آپ کی خود غرضی (نعوذ باللہ) اس وقت ثابت ہو سکتی ہے جب دو باتیں ثابت کر دی جائیں اول یہ کہ یہ احکام خدا کے مقرر کئے ہوئے نہیں بلکہ خود آپ نے اپنے لئے یہ احکام بنائے۔ دوم یہ کہ ان میں محض نفسانی خواہش کا پورا کرنا مد نظر تھا۔ اور کوئی مصلحت نہ تھی، جب یہ دونوں باتیں ثابت ہو جائیں تو اس وقت خود غرضی ثابت ہو سکتی ہے ورنہ نہیں۔

پس سائل کو چاہیے کہ وہ ان دونوں باتوں کو ثابت کرے۔ سائل کو اپنا شبہ دفع کرنے کے لئے ان باتوں کا بھی لحاظ رکھنا چاہیے۔

(۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جوانی کا سارا زمانہ صرف ایک بی بی پر قناعت کر کے گزارا اور وہ بھی بیوہ صاحب اولاد کہ نکاح کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۲۵ سال اور ان کی چالیس سال کی تھی حضور نے متعدد نکاح حضرت خدیجہ کے انتقال کے بعد کئے ہیں جب کہ آپ کی عمر مبارک تریپن سال سے گزر گئی تھی اگر آپ معاذ اللہ خود غرض شہوت پرست ہوتے تو جوانی اور شباب کا زمانہ اس کے لئے زیادہ موزوں تھا نہ کہ بڑھاپے کا وقت پس جس شخص کی پاکیزگی اور نظافت پر جوانی میں کوئی انگلی نہ رکھ سکا ہو بڑھاپے میں اسے کون خود غرض اور شہوت پرست کہہ سکتا ہے پس یقیناً متعدد نکاح کرنے میں حضور کو کوئی بڑی شرعی مصلحت مد نظر تھی۔

(۲) حق تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر عبادات و معاملات کے متعلق بعض



فرائض امت سے زیادہ لازم کئے تھے۔ مثلاً تہجد کی نماز آپ کے اوپر فرض تھی حالانکہ دوسروں کے لئے مستحب ہے۔ سنن موکدہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بمنزلہ واجبات کی تھیں اگر کسی ایک وقت کی سنت بھی آپ سے قضا ہوئی ہے تو آپ نے عمر بھر اس کی قضا کی ہے آپ کے لئے کتابی عورتوں سے نکاح کرنا ناجائز تھا حالانکہ دوسروں کو اس کی اجازت ہے اسی طرح آپ کے اہل قرابت میں سے جن مسلمان عورتوں نے ہجرت نہ کی ہوں ان سے نکاح کرنا آپ کو جائز نہ تھا حالانکہ اوروں کو اس کی اجازت تھی۔ نیز آپ کو اس کی بھی اجازت نہ تھی کہ اپنی بیبیوں میں سے کسی ایک کو طلاق دیکر اس کی جگہ اور کسی سے نکاح کر لیں حالانکہ مسلمانوں کو اس کی اجازت ہے کہ جس کے چار بیبیاں ہوں وہ ان میں سے ایک کو طلاق دیکر اس کی جگہ دوسری کر سکتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

پس اگر حق تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کچھ سہولتیں بھی امت سے زیادہ کر دی ہوں تو اس میں کیا اشکال ہے۔

(۳) جو شخص خود غرضی اور نفس پرستی اور شہوت رانی کرے گا اس کو نو عورتوں پر بس کرنے کی کیا وجہ ہے وہ تو یہ چاہے گا کہ جتنی ملیں تھوڑی ہیں پھر آپ نے نو پر کیوں اکتفا کیا۔

(۴) مہر کی مقدار شریعت میں کچھ زیادہ نہیں جس کا ادا کرنا آپ کو دشوار ہوتا پھر آپ نے بلا مہر کے نکاح کرنے میں کیا نفع سوچا تھا جو اپنے لئے یہ خاص رعایت رکھی۔

(۵) جو عورت بلا مہر آپ سے نکاح کرنے پر راضی ہوگی وہ یہ بھی کر سکتی ہے کہ نکاح کے وقت مہر مقرر کر لے اور بعد نکاح کے معاف کر دے کہ آپ کو کوڑی بھی نہ دینی پڑے پھر اس خاص حکم سے آپ نے کیا فائدہ مد نظر رکھنا تھا۔

(۶) آپ نے بلا مہر کے کتنی عورتوں سے نکاح کیا بعض محدثین کا قول تو یہ ہے کہ آپ نے بلا مہر کے کسی سے بھی نکاح نہیں کیا اور بعض نے دو تین نام ان عورتوں کے بیان کئے ہیں۔ جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اپنے آپ کو بہہ کیا تھا، جن میں سے ایک کی نسبت یہ بھی آیا ہے کہ اس کو آپ نے قبول کیا مگر پہلی جماعت ان روایات کو ثابت نہیں بتلاتی۔ اھ۔ جب سائل ان باتوں پر انصاف سے غور کرے گا تو

انشاء اللہ اس کا شبہ بالکل دور ہو جاوے گا۔

(ج) سائل نے تیسرا شبہ آپ کی نبوت پر یہ کیا ہے کہ شریعت میں ممانعت کے باوجود بھی آپ فعل ممنوع کر سکتے تھے چنانچہ آپ نے ایک شخص کو سونے کا کڑا پہننے کی اجازت دی حالانکہ سونے کا کڑا پہننا شرعاً ممنوع ہے مگر اول تو سائل کو یہ بتانا چاہیے کہ سونے کے کڑے کی روایت اس نے کس کتاب میں دیکھی ہے ہماری نظر سے یہ روایت نہیں گزری۔ دوسرے یہ بتانا چاہیے کہ سونا چاندی پہننے کی حرمت سے پہلے آپ نے اس کو اجازت دی یا حرمت کے بعد۔ کیونکہ اگر وہ روایت ثابت بھی ہو جائے تو یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ آپ نے حرمت سے پہلے اجازت دی ہوگی اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں کچھ بھی اشکال نہیں واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

عذاب ابوطالب کے متعلق جو جواب دیا گیا ہے وہ جمہور اہل سنت کے مذہب محقق کی بناء پر ہے جو کہ اس کے قائل ہیں کہ ابوطالب مومن نہ تھے رب وہ شاذ حضرات جنہوں نے غلط فہمی کی بناء پر یا کسی نفسانی غرض سے ان کے مومن ہونے کا دعویٰ کیا ہے وہ اس شبہ کا یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ عذاب کفر کی بناء پر نہیں ہے بلکہ کسی اور معصیت کی بناء پر ہے پس یہ شبہ وارد نہیں ہو سکتا کہ باوجود مومن ہونے کے ان کو عذاب کیوں ہوا۔ الحاصل خواہ ایمان ابوطالب کا دعویٰ کیا جاوے یا عدم ایمان کا بہر تقدیر سائل کا شبہ دفع ہو گیا۔

اب ہم سوال و جواب سے قطع نظر کر کے تحقیق مستانف کے طور پر کہتے ہیں کہ ابوطالب کے بارہ میں جمہور علماء اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ وہ مومن نہ تھے اور گو وہ مذہب اسلام کو حق جانتے اور زبان سے بھی کبھی کبھی اس کا اقرار کرتے تھے مگر انہوں نے علی الاعلان یا خفیہ کسی طور پر اور کسی وقت بھی مذہب اسلام کو قبول نہیں کیا بلکہ وہ برابر یہی کہتے رہے کہ میں اپنے مذہب سابق پر قائم ہوں مگر بعض شاذ افراد نے اقوال ائمہ کو غلط معنی پر محمول کر کے یا روایات غیر صحیحہ پر اعتماد کر کے یا اپنے یا کسی دوسرے بزرگ کے کشف پر بھروسہ کر کے یا ابوطالب کی اولاد میں ہونے کے سبب اپنے جد کی حمایت کے لئے یا ایسے حکام کی خوشامد کے لئے جو ابوطالب سے نسباً تعلق رکھتے تھے۔ ایمان ابوطالب

کا دعویٰ کیا اور اس کے ثبوت میں نہایت کمزور دلائل اور رکیک تاویلات سے کام لیا سو یہ ان حضرات کا تجاوز عن الحد ہے اور حق وہی ہے جو جمہور کہتے ہیں کہ ابو طالب مؤمن نہ تھے بلکہ وہ اپنے سابق دین پر قائم رہے اور باوجود مذہب اسلام کو حق جاننے کے انہوں نے اس مذہب کو قبول نہ کیا جس کا سبب عناد نہ تھا بلکہ محض دفع عار اس کا سبب تھا۔

پھر جمہور میں سے بعض شاذ افراد ایسے نکلے کہ انہوں نے ابو طالب کی شان میں گستاخیوں کو جائز رکھا اور ان کو برا بھلا کہنا شروع کیا۔ سو یہ بھی اعتدال سے مڑ گئے اور حد سے متجاوز ہو گئے کیونکہ گو ابو طالب نے مذہب اسلام کو قبول نہیں کیا مگر باوجود اس کے وہ تاحین حیات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت و اعانت فرماتے رہے اور خواہ اس کا منشاء محبت طبعی ہو یا نصرت حق۔ مگر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے بیحد تعلق رہا اور آپ ہمیشہ ان کی تعظیم و تکریم کرتے رہے اور کبھی ان کو برا نہیں کہا اور نہ کبھی کوئی توہین کی۔ پس ایسی حالت میں کسی مسلمان کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ ان کی شان میں گستاخی یا ان کی توہین و تحقیر کرے کیونکہ یہ برتاؤ اس برتاؤ کے خلاف ہے جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے ساتھ تھا۔ نیز اس میں احتمال ہے تاؤ ذی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اور احتمال ایذا رسول سے بچنا ہر مسلمان پر لازم ہے۔ الحاصل حضرت ابو طالب کے بارہ میں معتدل مسلک یہ ہے کہ احادیث صحیحہ و ثابتہ کی بناء پر ان کے ایمان کا اعتقاد نہ رکھا جاوے مگر اس کے ساتھ ہی ان احسانات کی بناء پر جو انہوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دین پر کئے ہیں ان کی شان میں گستاخی اور ان کی تحقیر نہ کی جاوے۔

اللّٰہم ثبتنا علی الصراط المستقیم و جنبنا من الحب

المفرط و البغض المفرط امین!

ظفر احمد عثمانی (رجب ۱۳۳۹ھ)

راه اعتدال



## ❁ راہ اعتدال ❁

(از عبد الجلیل انصاری)

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب سے مندرجہ ذیل سوالات دریافت کئے گئے جو بمعدہ جواب ارسال خدمت ہیں۔ شائع کر دیں۔

سوال: جناب والا کا تعلق جماعت اسلامی سے کلیتاً ہے؟  
جواب: نہیں

۲۔ یا صرف مطالبہ دستور اسلامی میں ہے؟  
جواب: ہاں۔

۳۔ کیا جماعت اسلامی کے لٹریچر میں سلف صالحین کے مسلک کے خلاف بھی کچھ باتیں ہیں یا مطابق ہیں؟  
جواب: بعض مسائل میں غلطی کی گئی ہے جس کی غلطی ان کو معلوم بھی ہو گئی مگر رجوع کا اعلان نہیں کیا۔

۴۔ زید کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مع جسد محضری آسمان پر تشریف لے جانا قرآن سے ثابت نہیں۔ البتہ نزول پر اجماع ہے۔ کیا یہ صحیح ہے۔  
جواب: غلط ہے ان کا آسمان پر جسد محضری سے مرفوع ہونا بھی تو اتر اور نزول بھی تو اتر سے ثابت ہے۔

۵۔ عصمت نبوت لوازم ذاتیہ ہے یا نہیں؟

جواب: نبوت کے لئے شرعاً عصمت لازم ہے۔

۶۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قبل از نبوت ایک بڑا گناہ ہو گیا تھا کیا یہ درست ہے؟

جواب: غلط ہے موسیٰ علیہ السلام سے خطا ایک کافر کے قتل کا صدور ہوا۔ اس کو گناہ یا خلاف عصمت نہیں کہا جاسکتا۔

ظفر احمد عثمانی

۱۰ جمادی الثانی ۱۳۸۲ھ

## پوتے کا حق وراثت

بعد الحمد والصلوة جنوری ۱۹۵۴ء کے طلوع اسلام میں یہ بحث دیکھ کر میں نے چند صفحات کا مضمون لکھ کر اپنے ایک عزیز کو دیدیا تھا کہ نقل کر کے اخبار میں بھیج دیں۔ مگر اس نے اصل ہی بھیج دی۔ اخبار والے نے اس کو شائع نہ کیا تو مجھے دوبارہ اس پر قلم اٹھانا پڑا۔

یہ مسئلہ ایسا نہیں جس پر کچھ لکھنے کی ضرورت ہوتی کیونکہ چودہ سو برس سے امت کا اس پر اتفاق چلا آ رہا ہے کسی نے بھی آج تک یہ دعویٰ نہیں کیا کہ بیٹے کی موجودگی میں پوتے کا وارث نہ ہونا قرآن کے خلاف ہے۔ اس کو تو کوئی بیوقوف سے بیوقوف مسلمان بھی تسلیم نہیں کر سکتا کہ چودہ سو برس سے امت اسلامیہ قرآن کے خلاف کسی مسئلہ پر متفق چلی آ رہی ہے۔ یہ جسارت و جرأت مدیر طلوع اسلام جیسے منکرین حدیث ہی کے حصہ میں آئی ہے کہ وہ ایسے بدیہی اور اجماعی مسئلہ کو بھی قرآن کے خلاف بتا رہے ہیں۔ اب ذرا ان کے دلائل ملاحظہ ہوں۔ اسی طرح لِلرَّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ میں الْوَالِدَانِ باپ دادا، پرداد اسب کو عام ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالیا گیا کہ جیسے چچا کی موجودگی میں بیٹا اپنے باپ کا وارث ہے۔ اسی طرح چچا کی موجودگی میں پوتا بھی اپنے دادا کا وارث ہونا چاہیے۔ کیونکہ اولاد میں پوتوں پر پوتوں کا داخل ہونا اور الوالدان میں دادا بھی شامل ہے۔ مگر ان کو اتنی خبر نہیں کہ اولاد میں پوتوں پر پوتوں کا داخل ہونا اور الوالدان کا دادا۔ پرداد کو شامل ہونا حقیقت نہیں۔ بلکہ مجاز ہے۔ اسی طرح اب اور لفظ ابن باپ بیٹے کے لئے حقیقت ہے۔ دادا اور پوتے کے لئے مجاز ہے آیت میراث میں يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ کے بعد ہی آبَاءُكُمْ وَابْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا مَذْکور ہے جس نے ظاہر کر دیا کہ الوالدان سے مراد آباء ہیں اور اولاد سے مراد ابناء ہیں۔ لغت عرب میں دادا کے لئے لفظ جد اور پوتوں کے لئے لفظ حَفْدَة مستقل موجود ہے۔ قرآن میں بھی دوسری جگہ اس کا استعمال ہوا ہے۔ وَجَعَلْ لَكُمْ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ بَنِينَ وَحَفَدَةً (سورہ النحل) اللہ نے تمہارے واسطے تمہاری بیویوں سے بیٹے اور پوتے پیدا کئے۔ اب ان کو اس پر دلیل قائم کرنا چاہیے کہ آیت میراث میں الوالدان اور اولاد کو حقیقی معنی میں نہیں بلکہ مجازی معنی میں





ہوگی۔ مگر چونکہ پنجاب کے جاہلوں کو لڑکیوں کا وارث ہونا گوارا نہیں۔ اس لئے وہ ان کی خاطر صرف یتیم پوتے ہی کی میراث پر زور دینا چاہتا ہے۔

اگر اقرب کے وہی معنی ہیں جو طلوع اسلام بیان کرتا ہے تو یتیم بھتیجے اور یتیم بھانجے اور یتیم نواسے کو بھی میت کے بھائیوں اور بہنوں کی موجودگی میں وارث ماننا چاہیے کیونکہ ان کے اور میت کے درمیان کوئی اور موجود نہیں۔

یہ ہے منکرین حدیث کی قرآن فہمی کہ وہ الفاظ کے معانی خود گھڑتے ہیں۔ اور اپنی منگھڑت باتوں کو قرآن کی طرف منسوب کر کے امت کے اجماعی قول کو قرآن کے خلاف قرار دیتے ہیں۔

ان لوگوں کو سوچنا چاہیے کہ جس طرح یتیم پوتے کو چچا کی موجودگی میں دادا کی میراث سے بے تعلق کیا گیا ہے۔ اسی طرح چچا کو بھی اس یتیم کے باپ کی میراث سے محروم کیا گیا ہے۔ اگرچہ وہ لاکھوں روپیہ چھوڑ کر مرا ہو۔ کیونکہ بیٹے کے ہوتے ہوئے بھائی اقرب نہیں۔“ رہا یہ سوال کہ اگر یتیم پوتے کا باپ کچھ بھی چھوڑ کر نہ گیا ہو اور دادا کی میراث کا حقدار اس کا چچا ہو گیا تو اس یتیم پوتے کی پرورش کیونکر ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دادا اس یتیم پوتے کیلئے اپنی زندگی میں جائیداد کا کچھ حصہ نام زد کر سکتا ہے یا اس کیلئے وصیت کر سکتا ہے اگر دادا نے کچھ نہ کیا تو ایسے نادار یتیم کی پرورش اس کے چچا کے ذمہ ہے۔ حاکم شرعی اس کو مجبور کرے گا کہ اپنے یتیم بھتیجے کی تعلیم و تربیت اور نان و نفقہ کا پورا اہتمام کرے۔ پھر اسلامی بیت المال میں بھی یتیموں، یتیموں کا بڑا حق ہے جس کے بعد وہ پریشان نہیں ہو سکتے۔ منکرین حدیث کو نہ آئین اسلام کی کچھ خبر ہے۔ نہ وہ پاکستان میں اس کو جاری کرانا چاہتے ہیں۔ بس قرآن میں خواہ مخواہ تحریف کر کے علماء اسلام اور فقہانے امت کو بدنام کر کے اپنا من گھڑت آئین چلانا چاہتے ہیں۔ جس کا نمونہ ایسے ایک مسئلہ سے ظاہر ہو رہا ہے۔ والسلام

(ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ) از ڈھاکہ

مسائل ضروريه  
رمضان وعیدین و صدقة الفطر



## ﴿مسائل ضروریہ رمضان وعید و صدقۃ الفطر﴾

### روزہ

(۱) رمضان شریف کے روزے ہر مسلمان پر جو مجنون اور نابالغ نہ ہو فرض ہیں جب تک کوئی قوی عذر نہ ہو روزہ کا چھوڑنا جائز نہیں مثلاً روزہ رکھنے سے مر جانے یا سخت مرض میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہے یا مسلمان طبیب حاذق کسی مریض کے لئے روزہ کو مضر بتلا دے۔ ان صورتوں میں افطار جائز ہے۔

(۲) روزہ کی فرضیت کا انکار کرنا یا اس کی نسبت تمسخر کے کلمات کہنا مثلاً یہ کہ روزہ وہ رکھے جس کے گھر اناج نہ ہو یا یہ کہ ہم سے بھوکا نہیں مرا جاتا کفر ہے۔

(۳) مسافر کو بشرطیکہ تین منزل کی مسافت شرعی کا مسافر ہو اجازت ہے کہ روزہ نہ رکھے بعد میں قضا کرے۔ اسی طرح حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت کو اگر بچہ کی ہلاکت یا مضرت کا اندیشہ غالب ہو تو چاہیے کہ بعد میں قضا رکھے۔

(۴) حیض و نفاس والی عورت کو اس حالت میں روزہ رکھنا جائز نہیں بعد میں قضا رکھیں۔

(۵) اگر کسی شرعی عذر کی وجہ سے روزہ نہ رکھا ہو تب بھی رمضان کا ادب ضروری ہے کہ کسی کے سامنے کچھ کھائیں پیئیں نہیں روزہ داروں کی سی صورت بنائیں اور شرعی اجازت سے کھائیں تو چھپ کر کھائیں۔

(۶) شرعی عذر سے اگر افطار کیا ہو اور اس عذر کے ختم ہونے کے وقت کچھ دن باقی ہے تو کھانے پینے وغیرہ سے دن کے بقیہ حصہ میں رکنا واجب ہے۔

(۷) روزہ کے لئے نیت یعنی یہ دھیان کرنا کہ کل کو میرا روزہ ہے اور اس کے بعد صبح صادق سے غروب آفتاب تک کھانے پینے اور جماع سے رکنا فرض ہے۔

(۸) اگر زبان سے بھی نیت کر لے یا عربی میں کہہ لے و بِصَوْمِ غَدٍ نَوَيْتُ

تو بہتر ہے۔

(۹) اگر کچھ کھایا یا نہ ہو تو دن کے ٹھیک دوپہر سے ایک گھنٹہ پہلے تک رمضان

کے روزہ کی نیت کر لینا درست ہے۔

(۱۰) بھول کر کھانے پینے اور سوتے میں احتلام ہونے اور سر میں تیل لگانے

اور بلا دھوئیں کی خوشبو سو گھنٹے اور مسواک کرنے سے روزہ نہیں جاتا۔

(۱۱) ہاں لوہان وغیرہ کی کوئی دھونی سلگا کر اپنے پاس رکھ کر اس طرح سو گھنٹے

سے کہ دھواں حلق میں پہنچ جائے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور حقہ پینے سے بھی روزہ جاتا رہتا

ہے۔

(۱۲) کلی کرنے یا منہ اور ناک سے نکلنے سے پہلے تھوک، سنک نکلنے یا سرمہ

لگانے سے بھی روزہ نہیں جاتا اگرچہ سنک یا تھوک میں سرمہ کا رنگ دکھائی دے۔

(۱۳) سحری میں پان کھا کر اگر کلی کر لی اور اچھی طرح منہ صاف کر لیا تو پھر

پان کی سرخی تھوک میں نظر آنے سے روزہ میں کچھ نقصان نہیں۔

(۱۴) اگر منہ میں پان دبا کر سو رہا اور صبح صادق کے بعد آنکھ کھلی تو روزہ نہیں

ہوا۔

(۱۵) اگر آپ ہی آپ قے ہو جائے تو زیادہ ہو یا کم اس سے روزہ میں کچھ

خرابی نہیں آتی۔ ہاں اگر قصد اُتے کی جائے تو روزہ ٹوٹ جائیگا۔

(۱۶) بلا ضرورت صرف روزہ چھوڑنے کے واسطے سفر کرنا یا بیمار بن جانا حرام

ہے۔

(۱۷) بعض لوگوں کو سفر یا بیماری میں جان کو آ جاتی ہے لیکن افطار نہیں کرتے

اس کی بھی ممانعت ہے۔

(۱۸) روزہ میں غیبت کرنا جھوٹ بولنا، لڑنا، جھگڑنا، گالم گلوچ اور فحش الفاظ

زبان سے نکالنا یا حرام روزی کھانا۔ یا بری نگاہ سے لڑکوں اور عورتوں کو دیکھنا یا شطرنج

تاش، گنجدہ کھیلنا، ہارمونیم، گراموفون سے دل بہلانا اور دنوں سے زیادہ سخت حرام ہے۔  
 (۱۹) روزہ میں لایعنی اور فضول باتوں سے بھی پرہیز کرنا چاہیے اور زیادہ وقت یاد الہی اور تلاوت قرآن میں گزارنا چاہیے کہ یہ وقت سال میں ایک ہی دفعہ نصیب ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ رمضان میں نفل کا ثواب فرض کے برابر اور فرض کا ثواب ستر فرضوں کے برابر ملتا ہے۔ اس مہینہ میں غریب محتاجوں کی امداد کا اور دنوں سے زیادہ خیال چاہیے روزہ دار کو افطار کرانے کا بڑا ثواب ہے چاہے ایک گھونٹ پانی ہی پلا دے۔  
 (۲۰) نابالغ بچوں کو بھی جب کہ وہ متحمل ہو سکیں روزہ کی عادت ڈالنی چاہیے لیکن محض خوشی منانے اور دل کا حوصلہ نکالنے کے لئے بہت چھوٹے بچوں سے روزہ رکھوانا ممنوع ہے۔

(۲۱) منجملے روزہ کا زیادہ اہتمام کرنے کی شریعت میں کوئی اصل نہیں۔

## افطار

(۲۲) جب تک سورج کے ڈوبنے میں شبہ رہے تب تک افطار کرنا جائز نہیں۔

(۲۳) جب سورج یقیناً ڈوب جائے فوراً روزہ کھول دینا چاہیے پھر دیر کرنا

مکروہ ہے۔

(۲۴) بادل کے دن خوب احتیاط سے کام لو صرف گھڑی اور نقشہ پر اعتماد کر

کے افطار نہ کرو جب تک کہ تمہارا دل گواہی نہ دے دے کہ سورج ڈوب گیا ہوگا۔ بلکہ اگر کوئی اذان بھی کہہ دے لیکن ابھی غروب میں شبہ ہے، تب بھی افطار کرنا جائز نہیں۔

(۲۵) چھوہارے سے افطار کرنا بہتر ہے یا اور کوئی میٹھی چیز ہو، اگر کچھ نہ ہو تو

پانی سے افطار کرے اور افطار کے وقت یہ دعا پڑھے۔ (ذَهَبَ الظَّمَاءُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوقُ وَثَبَتَ الْأَجْرُ انشاء اللہ تعالیٰ) افطار کے وقت دعا قبول ہوتی ہے۔

(۲۶) افطاری کھانے میں اس قدر مشغولی کہ مغرب کی جماعت فوت ہو جائے یا

کوئی رکعت جاتی رہے بہت ہی خسارہ کی بات ہے بہتر یہ ہے کہ روزہ مسجد میں افطار کیا



کرے تاکہ جماعت نہ جاوے۔

(۲۷) افطاری میں بہت تکلف اور سامان کرنا مکروہ ہے۔

## تراویح

(۲۸) ایک ختم کلام مجید تراویح میں سننا اور بیس رکعت تراویح کا ہر رات

رمضان میں پڑھنا سنت ہے۔

(۲۹) اگر کوئی شخص مسجد میں ایسے وقت پہنچا کہ تراویح شروع ہو گئی ہے تو اس

شخص کو فرض عشاء پڑھ کر تراویح میں شریک ہونا چاہیے۔

(۳۰) اگر ایک شخص عشاء کے فرض پڑھ چکا ہے مگر تراویح کی کل رکعتیں یا کچھ

رکعتیں جماعت کے ساتھ اس کو نہیں ملیں اور وتر کی جماعت شروع ہو گئی تو اس کو وتر

جماعت سے پڑھنا چاہیے اور تراویح کی رکعتیں وتر کے بعد پڑھے اور اگر ایسے وقت

مسجد میں آیا ہو کہ ابھی عشاء کے فرض بھی نہ پڑھے ہوں تو وتر کی جماعت میں شامل نہ ہو

پہلے فرض پڑھنا چاہیے۔

(۳۱) تراویح سے جلدی فارغ ہونے کے لئے وقت سے پہلے کھڑے نہ ہوں

ورنہ فرض کے چھوٹنے کا گناہ ہوگا۔

(۳۲) عشاء کی اذان تراویح جلدی ختم ہونے کے خیال سے وقت سے پہلے

نہ کہلائیں۔

(۳۳) قرآن شریف نہ بہت تیز پڑھیں کہ کچھ سمجھ میں نہ آوے نہ اس قدر

ٹھہرا کر کہ مقتدیوں کو تکلیف ہو۔

(۳۴) ثناء اور تشہد اور درود اور رکوع و سجود کی تسبیحیں تراویح میں اطمینان کے

ساتھ ادا کرنا چاہئیں۔

(۳۵) اجرت پر قرآن شریف پڑھانا یا سنانا جائز نہیں خواہ تو اجرت ٹھہرائی

جائے یا امام کو معلوم ہو کہ مجھ کو دستور کے موافق ضرور کچھ دیا جائیگا دونوں صورتیں

ناجائز ہیں۔

(۳۶) ایسے لڑکوں کو تراویح میں امام بنانا مناسب نہیں جن کو پاکی اور نماز کے

مسائل معلوم نہیں اگرچہ وہ بالغ ہی ہوں۔

(۳۷) ختم قرآن شریف پر شیرینی کا اہتمام و التزام بدعت ہے خاص کر چندہ کر کے تقسیم کرنا تو اور بھی زیادہ مفاسد و مشتمل ہے۔

(۳۸) ختم قرآن کے دن مسجد میں روشنی کا خاص اہتمام ثابت نہیں بلکہ گناہ اور اسراف ہے۔

(۳۹) نامحرم حافظوں کو گھر میں بلا کر عورتوں کا قرآن سننا مفاسد سے خالی نہیں۔

### سحور (یعنی سحری)

(۴۰) سحری کھانا سنت ہے اور بڑا ثواب ہے اگر بھوک نہ ہو اور کھانا نہ کھائے تو کم سے کم دو تین چھوہارے ہی کھالے ایک آدھ پان کھالے یا پانی ہی پی لے اس سے بھی سحری کا ثواب مل جائے گا۔

(۴۱) بعض لوگ آدھی رات کو سحری کھا لیتے ہیں اس سے پورا ثواب سحری کا نہیں ملتا اور بعض اس قدر دیر کرتے ہیں کہ صبح ہو جانے کا شبہ ہو جاتا ہے اس سے بھی بچنا لازم ہے۔

(۴۲) سحری دیر کر کے کھانا سنت ہے بشرطیکہ اتنی دیر نہ ہو کہ صبح کا شبہ ہونے لگے۔

(۴۳) سحری کے وقت کھانا کھانے سے پہلے یا بعد میں تہجد کی نیت سے کچھ رکعتیں پڑھ لینے کی ضرورت ہمت کر لینا چاہیے کہ سال بھر میں ایک مہینہ ہی یہ سنت نصیب ہو جاوے۔

### اعتکاف

(۴۴) رمضان کے اخیر دس دنوں میں اعتکاف کرنا سنت ہے اگر بستی بھر میں ایک شخص بھی اعتکاف نہ کرے گا تو سب بستی والے سنت کے تارک ہوں گے۔

(۴۵) اعتکاف کے لئے بیسویں تاریخ کو غروب آفتاب سے پہلے مسجد میں داخل ہو جانا چاہیے۔

(۴۶) اکیسویں تاریخ سے پہلے کی رات اور تیسویں رات اور پچیسویں اور ستائیسویں اور انیسویں رات یہ راتیں شب قدر کہلاتی ہیں ان میں زیادہ جگہ لکنا چاہیے۔

## صدقہ فطر

(۴۷) جس شخص کے پاس پچاس روپیہ کی مالیت کی چیز اپنی حاجت سے زیادہ ہو خواہ نقد ہو یا زیور یا کرایہ پر چلنے والے مکانات یا مویشی وغیرہ ہوں اس پر واجب ہے کہ اپنی طرف سے اور اپنے چھوٹے بچوں کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرے۔

(۴۸) انگریزی تول سے ایک سیر ڈھائی پاؤ پختہ گیہوں صدقہ فطر کی مقدار ہے اور پورے پونے دو سیر زیادہ بہتر ہے اگر اتنے گیہوں کی قیمت ادا کر دے یہ بھی جائز ہے۔

(۴۹) بعض جگہ خصوصاً دیہات میں مسجد کے مؤذن اور امام وغیرہ کو یہ کہہ کر مقرر کیا جاتا ہے کہ تم کو عید میں بھی کچھ مل جائے گا۔ یا زبان سے نہ کہا جاوے مگر دستور کے موافق وہ صدقہ فطر کو اپنا حق سمجھتے ہیں اس صورت میں مؤذن اور امام مسجد اور سقہ وغیرہ کو صدقہ فطر دینا جائز نہیں اور اگر دیدیا تو صدقہ فطر ادا نہ ہوگا۔ ہاں اگر مقرر کرتے وقت ان سے صاف کہہ دیا جائے کہ صدقہ فطر میں تمہارا کوئی حق نہیں پھر غریب سمجھ کر ان کو دیا جائے اور وہ واقع میں غریب بھی ہوں، تو اس صورت میں ان کو صدقہ دینا جائز ہے اور یہی حکم قربانی کی کھال کا ہے۔

(۵۰) جو بچہ عید کے دن صبح صادق سے پہلے پیدا ہو اس کی طرف سے بھی فطرانہ دینا باپ کے ذمہ واجب ہے اور اگر صبح صادق کے بعد پیدا ہوا ہے تو واجب نہیں۔ اگر چہ عید کی نماز سے پہلے ہی پیدا ہوا ہو اور جو بچہ عید کے دن صبح صادق سے پہلے مر جاوے اس کی طرف سے بھی فطرہ دینا واجب نہیں اور جو صبح کے بعد مرے اس کی طرف سے دینا واجب ہے۔

(۵۱) یہ ضروری نہیں کہ جس نے رمضان کے روزے رکھے ہوں اس پر صدقہ فطر واجب ہو بلکہ جس نے روزے نہیں رکھے اور وہ پچاس روپیہ کی مالیت رکھتا ہو تو اس کو صدقہ فطر دینا ہوگا۔ روزوں کی فرضیت مستقل ہے اور صدقہ فطر کا وجوب مستقل ہے۔

(۵۲) باپ، ماں، دادا، دادی، نانا، نانی، بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، نواسا، نواسی کو اور

خاوند کا بی بی کو اور بی بی کا خاوند کو صدقہ فطر دینا جائز نہیں اور بنو ہاشم اور غنی کو دینا بھی جائز نہیں۔ ان کے علاوہ دوسرے رشتہ داروں کو اگر وہ غریب ہوں جائز ہے بلکہ غیروں کو دینے سے عزیزوں کو دینا زیادہ ثواب ہے اور یہ ضروری نہیں کہ یہ کہہ کر صدقہ دے کہ یہ صدقہ فطر ہے بلکہ بہتر ہے کہ ظاہر نہ کیا جاوے تا کہ لینے والے کو شرم و عار نہ آئے۔ پس اگر اپنے محتاج رشتہ داروں کے بچوں کو عیدی کے نام سے صدقہ فطر دیدیا جائے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ (۵۳) بہتر یہ ہے کہ عید کے دن صبح صادق کے بعد اور نماز عید سے پہلے صدقہ فطر ادا کر دیا جاوے اگر کسی وجہ سے اس وقت نہ دیا گیا تو یہ واجب ذمہ میں رہے گا پھر کسی وقت ادا کرنا لازم ہے۔

(۵۴) بی بی اور بالغ اولاد کی طرف سے خاوند اور باپ پر صدقہ فطر ادا کرنا واجب نہیں البتہ اگر خاوند نے مہر ادا نہ کیا ہو تو بی بی اس سے یہ کہنے کا حق رکھتی ہے کہ میرے مہر میں سے صدقہ فطر ادا کر دو۔

### عید

(۵۵) عید الفطر کے دن بارہ چیزیں مسنون ہیں شریعت کے موافق زینت کرنا، غسل کرنا، مسواک کرنا، عمدہ کپڑے جو پاس موجود ہوں پہننا (بشرطیکہ شرع کے موافق ہوں یعنی ریشمی نہ ہوں، پانجامہ، کرتہ، چونغ وغیرہ ٹخنوں سے نیچا نہ ہو اور کافروں کے لباس کے مشابہ نہ ہو) خوشبو لگانا، صبح کو سویرے اٹھنا، عید گاہ سویرے جانا۔ عید گاہ جانے سے پہلے کوئی میٹھی چیز کھا لینا۔ عید گاہ جانے سے پہلے صدقہ فطر دینا۔ عید کی نماز بلا عذر شہر میں نہ پڑھنا۔ جس راستہ سے جاوے اس کے علاوہ دوسرے راستہ سے واپس آنا، پیادہ جانا اور راستہ میں اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد آہستہ کہنا اور نماز عید کے بعد خطبہ مستحب ہے اور حاضرین پر اس کا سننا واجب ہے اس وقت بولنا چالنا نماز پڑھنا حرام ہے۔

(۵۶) عید الفطر کی نماز پڑھنے کا یہ طریقہ ہے کہ اول یوں نیت کرے کہ ”میں

دو رکعت نماز واجب عید الفطر معہ چھ تکبیر کے ادا کرتا ہوں، پھر اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھ لے اور سبحانک اللہم پڑھ کر تین مرتبہ اللہ اکبر کہے ہر مرتبہ کانوں تک ہاتھ اٹھاوے اور تکبیر کے بعد ہاتھ چھوڑے اور تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ باندھ لے۔ پھر امام قرأت شروع کرے اور مقتدی خاموش کھڑا رہے۔ اور حسب دستور دو رکعت پڑھے۔ دوسری رکعت میں الحمد اور سورت پڑھنے کے بعد امام اور اس کے ساتھ سب مقتدی تین بار اللہ اکبر کہیں ہر مرتبہ کانوں تک ہاتھ اٹھائیں اور یہاں تیسری تکبیر کے بعد بھی ہاتھ چھوڑ دیں پھر چوتھی تکبیر کہہ کر رکوع میں جائیں۔

(۵۷) اکثر لوگ عید کے دن سویاں اور شیر پکانا ضروری سمجھتے ہیں یہ بالکل غلط ہے شریعت میں اس کی کوئی تخصیص نہیں۔

(۵۸) بعض لوگ کپڑوں کا بہت اہتمام کرتے ہیں حتیٰ کہ قرض لیکر نئے بناتے ہیں یا مانگ کر پہنتے ہیں۔ اس کی بھی کوئی اصل نہیں۔

(۵۹) اگر عید کی نماز میں ایسے وقت پہنچا کہ امام رکوع میں جا چکا ہے تو اگر تین تکبیریں کہہ کر یہ رکوع میں شامل ہو سکتا ہو تو تکبیر تحریمہ کے بعد تین تکبیریں جلدی جلدی کہہ کر رکوع میں شریک ہو ورنہ تکبیر تحریمہ کہہ کر رکوع میں شامل ہو جاوے اور رکوع میں وہ تین تکبیریں کہہ لے اگر امام کو عید کی نماز میں کوئی سہو ہو جائے جس سے سجدہ سہو لازم آتا ہے تو سجدہ سہو نہ کرے کہ اس سے بہت آدمیوں کی نماز خراب ہو جائے گی اور دور والوں کو سجدہ سہو کی اطلاع نہ ہوگی۔

(۶۰) عید کے روز باہم ایک دوسرے کو مبارکباد دینا اور عید مبارک کہنا مستحب ہے۔ باقی نماز عید کے بعد معافہ یا مصافحہ بالالتزام کرنا بدعت ہے البتہ اگر باہر سے لوگ آئے ہوں ان سے اور دنوں کی طرح ملاقات کے طور پر مصافحہ کا مضائقہ نہیں۔

(۶۱) تاریکی خبر کا شریعت میں اعتبار نہیں ایسی خبروں سے افطار کرنا جائز نہیں جب تک بقاعدہ شریعت چاند کا ثبوت نہ ہو جاوے ہرگز افطار نہ کریں۔

مسلمانوں کے زوال کے اسباب





## ﴿مسلمانوں کے زوال کے اسباب﴾

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی - شیخ الحدیث دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈوالہ یار

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى

اما بعد

(۱) ﴿قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی هُوَ الَّذِیْ اٰتٰکَ بِنَصْرِہٖ وَ  
بِالْمُؤْمِنِیْنَ ۝ وَاَلْفَ بَیْنَ قُلُوْبِہُمْ ط لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی  
الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَا اَلْفَتْ بَیْنَ قُلُوْبِہُمْ وَلَکِنَّ اللّٰهَ اَلْفَ  
بَیْنَہُمْ فَاِنَّہٗ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ۝ یٰۤاَیُّہَا النَّبِیُّ حَسْبُکَ اللّٰهُ وَ مَنْ  
اَتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ یٰۤاَیُّہَا النَّبِیُّ حَرِّضَ الْمُؤْمِنِیْنَ  
عَلِی الْقِتَالِ ۝﴾

حق تعالیٰ فرماتے ہیں اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ ہی نے  
آپ کی تائید کی اپنی نصرت سے اور مؤمنین سے۔ اور ان کے  
دلوں میں محبت ڈال دی۔ اگر آپ تمام زمین کی دولت خرچ کر  
دیتے تب بھی ان میں الفت نہ پیدا کر سکتے۔ لیکن اللہ ہی نے ان  
میں الفت ڈال دی بیشک وہ بڑا غالب اور حکیم ہے۔ اے نبی آپ  
کو اللہ کافی ہے اور یہ مؤمنین جو آپ کی پیروی کرتے ہیں۔ اے  
نبی! نبی مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دیتے رہیں۔

(۲) ﴿وَقَالَ تَعَالٰی وَاَعِدُّوْا لَہُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَ  
مِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ تُرْہِبُوْنَ بِہٖ عَدُوَّ اللّٰہِ وَ عَدُوَّکُمْ وَ

اٰخِرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ۚ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوفِّىْكُمْ اَلِيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَظْلَمُوْنَ ۝

(ترجمہ) ”ایک جگہ ارشاد ہے۔ ان کافروں کے مقابلہ کے لئے سامان تیار رکھو جتنا بھی تم سے ہو سکے قوت حاصل کرو اور گھوڑے باندھو جس سے خدا کا دشمن اور تمہارا دشمن مرعوب ہو جائے اور ان کے سوا دوسرے اور بھی جن کو تم نہیں جانتے اللہ انہیں جانتا ہے اور جو کچھ اللہ کے راستہ میں (جہاد کے لئے) خرچ کرو گے تم کو پورا دیدیا جائے گا اور تم پر ظلم نہیں کیا جائیگا۔“

(۳) ﴿وَقَالَ تَعَالٰی وَ مَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَاءِ وَ الْوِلْدَانِ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ الظّٰلِمِ اَهْلُهَا وَ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا وَ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِیْرًا ۝﴾

(ترجمہ) ”نیز فرماتے ہیں کہ تم کو کیا ہوا کہ اللہ کے راستہ میں جہاد نہیں کرتے اور ان کمزور مردوں، عورتوں، بچوں کے لئے بھی نہیں لڑتے جو ان ظالموں کے ظلم سے گھبرا کر دما کرتے ہیں کہ اے پروردگار ہمیں اس بستی سے نکال دے جس کے باشندے بڑے ظالم ہیں اور ہمارے لئے اپنے پاس سے کوئی ہمارا دوست اور مددگار بھیج دیجئے۔“

(۴) ﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرَایِ اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَیْهِمْ بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَ الْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنَاھُمْ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ۝﴾

”نیز ارشاد ہے کہ اگر یہ بستی والے ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان و زمین کی برکتیں کھول دیتے مگر انہوں نے (اپنے قول یا عمل سے) ہم کو جھٹلایا تو ہم نے ان کے اعمال کے سبب ان کو پکڑ لیا۔“

(۵) ﴿وَقَالَ تَعَالَىٰ وَفَضِّلْنَا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ فِي الْكِتَابِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْأَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيرًا ۖ إِذَا جَاءَ وَعْدُ وُلَهْمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَنَا أُولَىٰ بِأُسْ شَدِيدٍ فَجَاسُوا خِلَالَ الدِّيَارِ وَكَانَ وَعْدًا مَفْعُولًا ۝﴾

(ترجمہ) ”ایک جگہ ارشاد ہے اور ہم نے بنی اسرائیل سے فیصلہ کن بات کہہ دی تھی کہ تم زمین میں دوبار فساد کرو گے اور بہت زیادہ تکبر کرو گے جب پہلا وقت آیا تو ہم نے تمہارے مقابلہ کے لئے اپنے بہادر بندوں کو کھڑا کر دیا تو وہ ہمارے گھروں میں گھس پڑے اللہ نے تم کو نکال باہر کیا اور ہمارا قول پورا ہو کر رہا۔“

(۶) ﴿وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ سئلَ عَنِ السَّاعَةِ إِذَا ضُيِّعَتْ لِأَمَانَةٍ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ قَالَ كَيْفَ اضْأَعْتَهَا يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ إِذَا وَسَدِ الْأَمْرِ إِلَىٰ غَيْرِ أَهْلِهِ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ۝﴾

(ترجمہ) ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب امانت ضائع کر دی جائے قیامت کا انتظار کرو۔ پوچھا گیا کہ امانت کیوں کر ضائع کی جائے گی؟ فرمایا جب (حکومت وغیرہ کا) کام نااہلوں کے سپرد کر دیا جائے تو امانت ضائع ہوگی اس وقت کا انتظار کرو۔“

(۷) ﴿وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَتَتَّبِعَنَّ سَبِيلَ مَنْ قَبْلَكُمْ شِرًّا بَشِيرًا ذُرَاعًا بِذُرَاعٍ حَتَّىٰ لَوْ دَخَلُوا

حجر ضرب لدخلتموها رواہ البخاری ۛ

(ترجمہ) ”نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم بھی اپنے سے پہلے لوگوں کے راستہ پر چلو گے ہاتھ در ہاتھ بالشت در بالشت یہاں تک کہ اگر وہ گوہ کے بل میں گھسیں گے تو تم بھی اس میں گھسو گے۔“

(۸) ۛ وقال صلے اللہ علیہ وسلم اذا رابت شحا مطاعاً وهوئ متبعاً و دنیا . موثرۃ و اعجاب کل ذی رأی برأیہ فعلیک بخاصۃ نفسک و ددع عنک لبر الطامہ . ۛ

(ترجمہ) ”نیز آپ کا ارشاد ہے جب تم دیکھو کہ حرص کی اطاعت کی جا رہی ہے، خواہش نفس کی پیروی کی جا رہی ہے اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دی جا رہی ہے اور ہر شخص اپنی رائے کو (دوسروں کو رائے سے) اچھا سمجھتا ہے (اس لئے مشورہ کی ضرورت نہیں سمجھتا) تو اپنی فکر کرو اور عوام کی فکر چھوڑ دو۔“

(۹) ۛ وقال صلے اللہ علیہ وسلم الدنیا سجن المؤمن و جنة الکافر . ۛ

(ترجمہ) ”نیز حضور کا ارشاد ہے کہ دنیا مومن کا جیل خانہ ہے اور کافر کی جنت ہے۔“

(۱۰) ۛ کن فی الدنیا کانک غریب او عابرسبیل . ۛ

(ترجمہ) ”نیز آپ کا ارشاد ہے۔ فرمایا کہ دنیا میں ایسے رہو جیسے پردیس (پردیس میں) رہتا ہے یا مسافر (راستہ میں رہتا ہے)“

اب ان آیات و احادیث کے معانی و مطالب پر غور کیجئے تو مسلمانوں کے عروج و زوال کے اسباب خود بخود واضح ہو جائیں گے۔

(۱) پہلی آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی کامیابی کا پہلا سبب اللہ تعالیٰ کی

نصرت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد ان کے ساتھ تھی ایک آیت میں اللہ تعالیٰ نے صاف طور سے فرمادیا ہے۔

﴿إِنْ يَنْصُرْكُمُ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَإِنْ يَخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْصُرُكُمْ مِنْ بَعْدِهِ ۝ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝﴾

”اگر اللہ تعالیٰ کی مدد تمہارے ساتھ ہو تو کوئی تم پر غالب نہیں ہو سکتا اور اگر وہ تم کو چھوڑ دے تو پھر کون ہے جو تمہاری مدد کرے؟ اور اللہ پر ہی مسلمانوں کو بھروسہ کرنا چاہیے اس کے سوا کسی کی مدد پر بھروسہ نہ کیا جائے۔“

اللہ تعالیٰ کی مدد کیونکر ہمارے ساتھ ہوگی اس کو دوسرے مقام پر یوں بیان کیا گیا ہے۔

﴿إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ ۝﴾

”اگر تم اللہ کی مدد کرو (یعنی اللہ کے دین کا بول بالا کرنا چاہو) تو اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ اور تمہارے قدم جمادے گا (ثابت قدمی عطا کرے گا)۔“

ایک آیت میں اللہ کے دین کی مدد کا طریقہ بھی بتا دیا ہے۔

﴿وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۝ الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَآمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ وَاللَّهُ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ۝﴾

”اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کی مدد کرنے پر قادر ہے جن کی شان یہ ہے کہ اگر ہم ان کو زمین پر اقتدار بخشیں (حکومت و سلطنت عطا کریں) تو وہ نماز کو قائم کریں (جو عبادات بدنیہ میں سے بڑی عبادت ہے) اور زکوٰۃ دیں (جو حاجات مالیہ میں سے

سب سے بڑھ کر ہے) اور نیک کاموں کا امر کریں اور ہر برائی سے لوگوں کو روکیں اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔“

ایک جگہ ارشاد ہے۔

﴿وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾

”اور تم ہی سب پر غالب رہو گے اگر تم مؤمن ہو۔“

اور ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ قول کے ساتھ عمل بھی ہو جو اوپر بتلادیا گیا کہ عبادات بدنہ اور عبادات مالیہ کی پابندی کی جائے۔ نیکی کو پھیلایا جائے بدی کو مٹایا جائے۔ غرض پہلے مسلمانوں کے ساتھ نصرت الہی اسی لئے تھی کہ وہ سچے مومن تھے۔ ان میں الفت و محبت اور اتفاق و اتحاد بھی پورا تھا۔ اس کو بھی غلبہ و اقتدار میں پورا دخل ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

﴿وَاطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ

رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾

”اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں نزاع مت

کرو کہ اس سے دلوں میں بزدلی پیدا ہو جائے گی۔ اور تمہاری ہوا

اکھڑ جائے گی (یعنی دشمن پر رعب نہ رہے گا۔“

چنانچہ مشاہدہ ہے کہ جب دشمن کو ہمارے باہمی نزاع و اختلاف کا پتہ چل جاتا ہے اس کے حوصلے بلند ہو جاتے ہیں (اور صبر و استقامت سے کام لو کہ اللہ تعالیٰ صابرین کے ساتھ ہے۔

ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے غلبہ کے لئے اللہ کی مدد اور مؤمنین کی جمعیت کافی ہے غیہ مسلموں سے مدد لینے کی ضرورت نہیں۔ بشرطیکہ مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے والے ہوں۔ اس کے بعد ارشاد ہے کہ اے نبی! مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دیجئے۔ کیونکہ جہاد کو بھی مسلمانوں کے غلبہ اور غرور میں

بڑا دخل ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت میں جو پہلا خطبہ دیا تھا اس میں یہ بھی بتا دیا کہ جو قوم جہاد کو چھوڑ دیتی ہے ذلیل ہو جاتی ہے۔ اس لئے مسلمانوں کو ہر وقت جہاد کے لئے تیار رہنا چاہیے۔ مسلمانوں کے زوال کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ انہوں نے صدیوں سے جہاد کو چھوڑ دیا عیش پرستی میں پڑ گئے یا آپس میں مسلمان مسلمان سے لڑتا ہے، کفار سے جہاد کا مقصود اسلام اور حکومت اسلام کی حفاظت ہے، تلوار کے زور سے اسلام کی اشاعت مطلوب نہیں۔ کیونکہ تلوار کے زور سے جو لوگ اسلام لائیں گے۔ وہ منافق ہوں گے اور قرآن میں منافقوں کو سب کافروں سے بدتر کہا گیا ہے۔ اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ فِي الدَّرَكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ۔ پھر مسلمان منافقوں کی بھرتی کے طلبگار کیسے ہو سکتے ہیں؟

(۲) ان آیات میں جہاد کے لئے سامان تیار کرنے کا حکم ہے کہ اپنی استطاعت کے موافق جس قدر ہو سکے قوت بہم پہنچاؤ، اور گھوڑے بھی باندھو۔ حدیث میں قوت کی تفسیر میں تیر اندازی کو بیان کیا گیا ہے، اس وقت یہی بڑی قوت تھی، آجکل اس کی جگہ بندوق، رائفل، توپ، مشین گن، میزائل وغیرہ ہیں۔ گھوڑوں کی ضرورت جنگ میں اب بھی کسی وقت ہوتی ہے۔ مگر زیادہ تر ٹینک، بکتر بند گاڑیاں کام میں آتی ہیں۔ ان سب کا تیار کرنا اور اپنے یہاں ان کا ذخیرہ رکھنا ہر اسلامی حکومت کا فرض ہے۔ افسوس ہے کہ اسلحہ سازی کے فن میں سلاطین اسلام اس وقت بہت پیچھے ہیں۔ ہمارے اسلاف ایسے نہ تھے وہ اس زمانہ کے اسلحہ خود تیار کرتے تھے اور اس کے لئے کارخانے قائم کرتے تھے۔ تاریخ شاہد ہے کہ حضرت معاویہؓ نے خلافت عثمانی میں پانچ سو بحری جہازوں کا بیڑا تیار کیا تھا۔ جس نے ہر قل کا بحری بیڑہ بری طرح پامال کر ڈالا تھا۔ اور اس کے لئے وہ کفار کی دست نگر نہ تھے بلکہ خود مسلمان کاریگروں سے یہ بیڑا تیار کرایا تھا۔ بندوق سب سے پہلے بابر بادشاہ کے ہاتھ میں دیکھی گئی۔ اس سے پہلے کسی نے بندوق استعمال نہیں کی تھی۔ افسوس کہ سلاطین اسلام نے اس میں ترقی نہ کی۔ یورپ نے بہتر سے بہتر بندوق، رائفل، مشین گن بنا ڈالیں۔ ضرورت ہے کہ مسلمان اسلحہ سازی میں کسی سے پیچھے نہ



رہے۔ خود اپنے یہاں ہر قسم کے ہتھیار تیار کریں۔ جمعی دشمنان اسلام پر ان کا رعب قائم ہوگا۔ جب تک دوسروں کے دست نگر رہیں گے ہرگز ان پر رعب قائم نہ ہوگا۔ اور حکم الہی یہ ہے کہ اتنی قوت بہم پہنچائی جائے جس سے دشمن مرعوب ہوئے۔

خدا کا شکر ہے کہ سلاطین اسلام کے پاس دولت کی کمی نہیں دو درجن کے اوپر مسلمان سلاطین اب بھی موجود ہیں۔ اگر یہ سب مل کر اسلحہ سازی کے کارخانے قائم کر دیں جن میں سب کی شرکت ہو تو امید ہے کہ اتنی قوت بہم پہنچ سکتی ہے جس سے دشمن پر رعب قائم ہو جائے۔ وہ تو سلاطین اسلام کے اتحاد سے ہی خائف ہیں اگر یہ سب مل کر مشترک کارخانے قائم کر لیں تو بہت زیادہ مرعوب ہو جائیں گے۔

(۳) ان آیتوں میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ جس جگہ مسلمان کفار کے ظلم کا شکار ہوں وہاں ظالم حکومت سے جہاد کرنا اور مسلمانوں کو ان کے ظلم سے نجات دلانا فرض ہے، جب تک مسلمانوں میں جذبہ جہاد کا فرما تھا کسی جگہ بھی مسلمانوں پر کسی حکومت کو ظلم کرنے کی مجال نہ تھی۔ کفار جانتے تھے کہ حکومت اسلام فوراً جہاد کا اعلان کر کے ہم پر حملہ کر دے گی۔ مگر اب یہ حال ہے جا بجا غیر مسلم حکومتوں میں مسلمانوں پر ظلم ہو رہا ہے ان کے لیے عزت و امن و امان کے ساتھ زندہ رہنا دشوار ہے، مگر سلاطین اسلام زبانی یا کاغذی احتجاج کے سوا کچھ نہیں کرتے، اگر سب مسلمان سلاطین متحد ہو کر ان کو الٹی میٹم دیدیں کہ مسلمانوں پر ظلم سے باز آؤ ورنہ ہم سب جہاد کے لئے میدان میں آ جائیں گے۔ تو پھر کسی کافر حکومت کو مسلمانوں پر ظلم و زیادتی کی جرأت نہ ہو۔ ۱۹۶۵ء میں بھارت نے پاکستان پر جارحانہ حملہ کیا تھا تو حکومت ایران اور ترکی نے پاکستان کی امداد کا اعلان کر دیا اس سے پاکستانی فوج کے حوصلے بڑھ گئے۔ اور ہندو فوج ایسی مرعوب ہوئی کہ میدان چھوڑ کر بھاگنے لگی، ضرورت ہے کہ اس جذبہ جہاد سے ہر جگہ کام لیا جائے تو انشاء اللہ مسلمان ہر جگہ غالب اور معزز ہوں گے۔

(۴) ان آیات میں بتلایا گیا ہے کہ ایمان اور تقویٰ سے صرف آخرت ہی نہیں جنتی بلکہ دنیا بھی سنورتی ہے اس کی وجہ سے زمین کی برکتوں کے دروازے کھل جاتے

ہیں۔ آجکل ہماری حکومتیں اضافہ آبادی سے خائف ہو کر برتھ کنٹرول اور ضبط تولید کی تدبیریں سوچتی ہیں مگر ایمان و تقویٰ سے زمین و آسمان کی برکتوں کے دروازے نہیں کھولتیں۔ ضرورت ہے کہ زرعی پیداوار میں ترقی کے ساتھ ساتھ ایمان و تقویٰ میں بھی ترقی کریں۔ تو ضبط تولید کی نوبت ہی نہ آوے۔ ان کو سوچنا چاہیے کہ ضبط تولید کی تدابیر سے زنا کی کثرت پہلے سے زیادہ ہو گئی ہے۔ پہلے ہر کنواری اور بیوہ کو زنا کاری سے حمل ٹھہر جانے اور دنیا کی نظروں میں ذلیل ہونے کا خوف تھا اب ضبط تولید کے اسباب سے کام لے کر یہ خوف جاتا رہا۔ اور زنا کی کثرت ہو گئی جس کی وجہ سے نئی نئی بیماریاں اور بلائیں نازل ہونے لگیں۔

ابر نایداز نے منع زکات وز زنا افتدو با اندر جہات (۵) ان آیات میں بتلایا گیا ہے کہ کسی وقت اہل ایمان ظلم و فساد پر کمر بستہ ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ کفار کو ان پر مسلط کر دے گا۔ بنی اسرائیل اہل ایمان تھے مگر جب انہوں نے سلطنت و حکومت کے نشہ میں ظلم و فساد پر کمر باندھ لی تو خدا نے کافروں اور بخت نصر جیسے مشرکوں کو ان پر مسلط کر دیا۔ جنہوں نے شام سے بھی اسرائیل کو نکال باہر کیا۔ اور بیت المقدس پر قبضہ کر کے اس کی بخرمتی کی۔ پس مسلمان یہ نہ سمجھیں کہ ظلم و فساد کے باوجود بھی وہ سب پر غالب ہی رہیں گے۔ خدا ظالم کو ضرور پکڑتا ہے اور مسلمان ظلم پر کمر بستہ ہوں تو کافروں کے ہاتھ سے ان کو ذلیل کرتا ہے۔ اگر کوئی شریف آدمی ناحق کسی کو قتل کر دے تو بھگیوں کے ہاتھوں اسے سولی پر پھانسی دی جاتی ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

(۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے عروج اور ترقی کا سبب امانت کا حق ادا کرنا تھا۔ جب سے اس میں کمی آگئی اسی وقت سے زوال شروع ہو گیا۔ امانت کے ضائع ہونے کی صورت بھی آپ نے بتلا دی کہ نابالوں کے سپرد کام کیا جائے۔ سب سے بڑا کام حکومت اور سلطنت ہے جب سے اس کو وراثت میں تبدیل کر دیا گیا ایک ہی خاندان میں منحصر کر دیا گیا کہ باپ کے بعد بیٹا بادشاہ ہو خواہ لائق ہو یا نہ ہو اسی وقت سے زوال شروع ہو گیا، باپ کے بعد بیٹے کو بوجہ لیاقت اور صلاحیت کے اہل الرائے بادشاہ

بنالیں تو اس کا مضائقہ نہیں۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بعد امام حسن رضی اللہ عنہ کو اسی بناء پر خلیفہ بنایا گیا تھا کہ اس وقت وہ سب سے افضل تھے۔ اس کو میراث بنالینا کہ باپ کے بعد بیٹا ہی بادشاہ ہو خواہ کیسا ہی ہو، امانت کو ضائع کرنا ہے۔ اسی طرح جو طریقہ آجکل رائج ہے کہ اس عہدہ کے لئے چند آدمی اپنا نام پیش کرتے ہیں پھر ان میں الیکشن ہوتا ہے ہر امیدوار اپنے حق میں ووٹ حاصل کرنے کے لئے دورہ کرتا پھرتا ہے۔ یہ بھی اسلام میں پسندیدہ طریقہ نہیں۔ حدیث صحیح میں طلب امارت سے منع کیا گیا ہے اور طالب امارت کو امارت دینے کی بھی ممانعت ہے۔

صحیح طریقہ یہ ہے کہ ہر بستی اور ہر شہر کے باشندوں میں جو سب سے بڑے اور معتمد علیہ شمار ہوتے ہیں ان کو اہل حل و عقد بنادیا جائے اس مجلس میں سرداران قبائل بھی ہوں وہ اپنی صوابدید سے جس کو قابل اور لائق سمجھیں اس عہدہ کے لئے نامزد کریں۔ کسی کو خود درخواست کرنے اور اپنے حق میں ووٹ حاصل کرنے کے لئے دورہ کرنے کی ضرورت نہ ہو کہ اس صورت میں حکومت کا خرچ بھی بہت زیادہ ہوتا ہے اور ووٹ حاصل کرنے میں بعض دفعہ دباؤ اور طمع سے بھی کام لیا جاتا ہے اور ناقابل پاس ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ہر محکمہ کا سربراہ قابل اور لائق آدمی کو بنایا جائے صرف ڈگری یافتہ ہونے کو نہ دیکھا جائے کہ بعض دفعہ کو دن بھی ڈگری پالیتا ہے، ہر کام کے لئے جس قابلیت کی ضرورت ہے اہل حل و عقد اس کو خود جانتے ہیں اس کے ساتھ اس وصف کو بھی دیکھنا ضروری ہے جس پر اس آیت میں تنبیہ کی گئی ہے۔ **الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَآمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَاللَّهُ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ** جس کا ترجمہ اور مطلب شروع میں بیان ہو چکا۔

(۷) اس حدیث میں مسلمانوں کے زوال کا سبب بتلادیا گیا ہے کہ جب حرص کی اطاعت کی جائے خواہش نفس کی پیروی کی جائے دنیا کو دین پر مقدم کیا جائے۔ ہر شخص اپنی رائے کو اچھا سمجھے، مشورہ کرنا چھوڑ دیں تو اس وقت عوام کی اصلاح دشوار ہو جائے گی، ہر ایک کو اپنی اصلاح کی فکر کرنی چاہیے۔ اگر مسلمان ترقی اور عروج کے طلبگار

ہیں تو ان کو ان اسباب زوال سے بچنا چاہیے۔ جن کی طرف اس حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔ ان کو لازم ہے کہ حرص و طمع کی اطاعت نہ کریں۔ خواہش نفس کی پیروی چھوڑ دیں۔ دین کو دنیا پر مقدم کریں اور اپنی رائے کو دوسروں کی رائے سے اچھا نہ سمجھیں کہ یہ تکبر ہے اور متکبروں میں اتحاد و اتفاق نہیں ہو سکتا، تواضع اختیار کریں۔ اور ہر مہتمم بالشان کام میں مشورہ کو ضروری سمجھیں، اس سے ہر کام کے سب پہلو سامنے آ جائیں گے۔ مشورہ کے بعد جو کچھ کیا جائے گا اس میں خیر و برکت ہوگی، اور قوم میں اتفاق و اتحاد بھی باقی رہے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ کی ضرورت نہ تھی لیکن تالیف قلوب کیلئے آپ کو بھی مشورہ کا حکم دیا گیا۔ **وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ**۔ تاریخ شاہد ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ اور فاروقؓ اعظمؓ کی خلافت اسی لئے کامیاب تھی کہ وہ مشورہ بہت کرتے تھے۔ اس حدیث سے مسلمانوں کے زوال کا سبب معلوم ہوا کہ یہ دوسری قوموں کی پیروی کرنے لگیں گے۔ مذہب میں بھی تمدن میں بھی ثقافت میں بھی سیاست میں بھی صورت و شکل میں بھی اسی سے ان کا زوال شروع ہو جائے گا۔ مسلم قوم کو دنیا کی امانت سونپی گئی تھی۔ جب امام امانت کو چھوڑ کر مقتدی بن جائے تو زوال یقینی ہے۔ اول خلافت عباسیہ میں ایرانی تمدن نے جگہ لی عربی تمدن ختم ہو گیا۔ پھر رفتہ رفتہ تمام بلاد اسلام میں دوسری قوموں کا تمدن گھر کرنے لگا اور اب تو یہ حالت ہے کہ سیاسیات میں بھی دوسری قوموں کا اتباع کیا جا رہا ہے۔ وہ الیکشن کی لعنت جو یورپ میں ہے۔ مسلمانوں میں آگئی ہے۔

اسلام نے کہا تھا الرجال قوامون علی النساء مرد عورتوں کے نگران ہیں۔ مسلمان بھی یورپ کی دیکھا دیکھی عورتوں کو مردوں کے مساوی بنا رہے ہیں، ان کو بھی الیکشن لڑنے کا اور انتخابات میں رائے دینے کا حق دیا جا رہا ہے وزارت تک میں ان کو لیا جا رہا ہے۔ مرد کو دوسری شادی کرنے کیلئے پہلی بی بی سے اجازت لینے کو ضروری قرار دیا جا رہا ہے، بیٹے کے ہوتے ہوئے پوتے کو وارث بنایا جا رہا ہے، تعلیم مخلوط کو رواج دیا جا رہا ہے، لڑکے لڑکیاں ساتھ ساتھ تعلیم پائیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ لڑکے فیل اور

لڑکیاں پاس ہو رہی ہیں۔ پردہ اٹھایا جا رہا ہے۔ بے پردگی کو رواج دیا جا رہا ہے۔ سینما کی گرم بازاری ہے جس میں مردوں سے زیادہ عورتیں حصہ لے رہی ہیں۔ اسکولوں میں لڑکیوں کو قرض و سرور کی تعلیم دی جا رہی ہے، علوم اسلامیہ کی تعلیم اسکول کالجوں میں برائے نام ہے، علوم عصریہ ہی کی تعلیم پر زور دیا جا رہا ہے۔ طلبہ میں دین سے اخلاق سے آزادی کی وبا پھیل رہی ہے۔ کوئی کمیونزم کا حامی ہے، کوئی سوشلزم کا کوئی احکام دین میں ترمیم کر رہا ہے۔ اور دعویٰ یہ ہے کہ ہم کو بھی دین میں فتویٰ دینے کا حق ہے۔ فتویٰ دینا کسی خاص طبقہ کی جاگیر نہیں ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیا صرف انگریزی یا اردو میں قرآن و حدیث کا ترجمہ دیکھ کر یہ درجہ حاصل ہو سکتا ہے، یا اس کے لئے باقاعدہ تعلیم عربی بھی حاصل کرنا ضروری ہے۔ اگر آپ ترجمہ سے عالم دین بن سکتے ہیں تو ترجمہ پڑھ کر کسی کو ڈاکٹر بننے، وکیل بیرٹر بننے، انجینئر اور پروفیسر بننے کی بھی اجازت دے دیجئے اور اگر ان علوم کے لئے باقاعدہ تعلیم حاصل کرنا اور امتحان پاس کرنا ضروری ہے تو مفتی دین بننے کے لئے اس کی ضرورت کیوں نہیں؟

یاد رکھئے صرف وسعت مطالعہ اور تراجم پڑھ لینے سے کوئی بھی کسی علم کا عالم نہیں بن سکتا، اکبر حسین جج مرحوم نے صحیح فرمایا ہے۔

انہوں نے دین کب سیکھا ہے رکھ شیخ کے گھر میں  
پلے کالج کے چکر میں مرے صاحب کے دفتر میں

ابو حیان تو حیدری نے کہا ہے۔ ومن طلب العلوم بغیر شیخ یضل عن الصراط المستقیم جو شخص بغیر شیخ (استاد) کے عالم بننا چاہے گا صراط مستقیم سے گمراہ ہو جائیگا۔ یعنی صراط مستقیم کو گم کر دے گا۔ بعض لوگوں کو علماء پر اعتراض ہے کہ انہوں نے اجتہاد کا دروازہ بند کر کے لوگوں کی ہمتیں پست کر دی ہیں ان لوگوں کو معلوم نہ نا چاہیے کہ جس اجتہاد کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے۔ وہ اجتہاد مطلق ہے جس میں قرآن و حدیث سے استنباط احکام کے اصول بیان کئے جاتے ہیں۔ چونکہ فقہاء اربعہ نے ان اصولوں کو پوری طرح بیان کر دیا ہے کہ اب نہ ان پر اضافہ کیا جاسکتا ہے نہ اس سے بہتر اصول کوئی بیان

کر سکتا ہے۔ اس لئے اب اجتہاد مطلق کی ضرورت نہیں۔

علامہ سیوطی کو ایک وقت یہ خیال ہوا تھا کہ ان کو اسباب اجتہاد میسر ہو گئے ہیں۔ علماء عصر نے مجمع ہو کر ان کو بلایا اور کہا اگر آپ کو درجہ اجتہاد حاصل ہے تو ائمہ اربعہ کے اصول چھوڑ کر اپنے اصول بیان فرمائیں اس پر انہوں نے اعتراف کیا کہ واقعی نہ اصول پر اضافہ ہو سکتا ہے نہ ان سے بہتر اصول کوئی بیان کر سکتا ہے۔ یہ اجتہاد ان ائمہ پر ختم ہو چکا ہے۔

مگر اجتہاد مقید کا دروازہ بند نہیں ہوا کہ ان اصول کو پیش نظر رکھ کر مسائل کا جواب دیا جائے یہ اجتہاد قیامت کے قریب تک جاری رہے گا اور علماء اصول ائمہ کو سامنے رکھ کر قیامت تک کے حوادث کا جواب دیتے رہیں گے۔ مگر ظاہر ہے کہ اس طرح ہر شخص تو مجتہد نہیں بن سکتا۔ اس کے لئے اصول سے پوری واقفیت لازم ہے مگر آج کل علوم قرآن و حدیث و اصول فقہ میں کمال کون حاصل کرتا ہے علوم عصریہ ہی میں کمال حاصل کرتے ہیں، دوسری ہی قوموں کی اتباع میں خوش ہیں، کھانے پینے کا طریقہ بھی وہی یورپین طریقہ ہے، میز کرسی پر کھاتے ہیں اور انگریزی طریقہ ہی سے کھاتے ہیں، لباس اور صورت شکل میں بھی ان ہی کا اتباع ہے۔ ہمارے بچپن میں سلاطین یورپ ڈاڑھی رکھتے تھے تو مسلمان بھی رکھتے تھے اب انہوں نے منڈانا شروع کیا تو یہ بھی منڈا نے لگے۔ ایک حکومت سعودیہ تو اس بار سے محفوظ ہے کہ ان کا لباس بھی عربی ہے، چہروں پر ڈاڑھی بھی ہے گو بڑی نہیں۔ جب میں ۱۹۴۹ء میں پاکستان کے وفد خیر سگالی میں شامل ہو کر مکہ معظمہ پہنچا اور وفد نے سلطان عبدالعزیز بن سعود سے ملاقات کی تو میرے سوا سب ڈاڑھی کا شیوہ کئے ہوئے تھے۔ سلطان نے مجھ سے پوچھا (کیونکہ میں ہی عربی میں ان سے گفتگو کر رہا تھا) مالی لاری فیہم ذی الاسلام کیا بات ہے میں آپ کے ساتھیوں میں اسلام کی شکل و صورت نہیں دیکھتا؟ میں نے عرض کیا کہ یہ لوگ ابھی تک حکومت انگریز کے ماتحت تھے ابھی آزادی نصیب ہوئی ہے انشاء اللہ بتدریج اسلامی شکل اختیار کر لیں گے۔



سلطان نے فرمایا ان سے کہہ دو کہ اس آیت پر عمل کریں الَّذِينَ اِنْ مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَامَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُورِ مسلمان عام طور سے داڑھی کو اسلامی شعار سمجھتے ہیں سلطان نے بھی اس کو ذی الاسلام قرار دیا۔ داڑھی مونڈنے والے بھی نماز کا امام داڑھی مونڈے کو نہیں بناتے مسلمانوں کو اپنے ضمیر سے پوچھنا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی تھی یا نہیں؟ ان کو قرآن و حدیث سے معلوم ہوگا کہ جملہ انبیاء علیہم السلام داڑھی رکھتے تھے۔ قرآن میں ہے۔ يَا اِبْنِ اِمٍ لَا تَاْخُذْ بِلِحَيَّتِيْ وَلَا بِرَاسِيْ اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتُ بَيْنَ بَنِيْ اِسْرَآئِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ط اے بھائی (موسیٰ) میری داڑھی اور سر کے بالوں کو نہ پکڑو۔ الخ۔ حدیث میں ہے۔

﴿لَٰكِن رَّبِّيْ اَمَرَنِيْ بِاعْفَاءِ اللَّحْيِ وَ قِصِّ الشَّوَارِبِ﴾  
 ”میرے رب نے تو مجھے داڑھی بڑھانے اور مونچھیں کترنے کا حکم دیا ہے“

رہا یہ کہ داڑھی کہاں تک بڑھانی چاہیے تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جو صحابہ میں سب سے زیادہ متبع آثار رسول مانے جاتے ہیں بتلا دیا ہے کہ ایک مشت تک بڑھانا ضروری ہے۔

(۹) اس حدیث میں مسلمانوں کے عروج کا راز بتلایا گیا ہے کہ وہ دنیا کو جیل خانہ سمجھتے ہیں جبکہ کافر اس کو جنت سمجھتے ہیں، حدیث میں اس پر بھی اشارہ ہے کہ مسلمان کافر کی جنت پر اسی وقت غالب ہو سکتے ہیں جب خود دنیا کو جنت نہ بنائیں۔ اگر یہ بھی دنیا کو جنت بنائیں اور اس سے دل لگالیں تو کافر کی جنت پر غالب نہیں ہو سکتے کیونکہ یہ تمہاری جنت نہیں ہے کافر کی جنت ہے حضرات صحابہ اور تابعین کے عروج کا راز یہی تھا کہ وہ دنیا کو جنت نہیں سمجھتے تھے۔ جیل خانہ سمجھتے تھے اور شہادت کے طالب تھے۔

مسیلمہ کذاب اور اسود غنسی کے قتل کئے جانے کے بعد طلحہ بن خویلد اسدی نے دعویٰ نبوت کیا تو صحابہ نے اس کو بھی نہ بخشا اور اس کے قتل کے لئے فوج بھیج دی طلحہ بن



خوید کی فوج چالیس ہزار سے اوپر تھی اور صحابہ کی فوج پانچ ہزار سے کچھ زیادہ تھی، مقابلہ ہوا تو طلحہ کو شکست ہوئی اور میدان سے بھاگ گیا، طلحہ نے اپنے وزیر سے پوچھا کہ مسلمانوں کی فوج تعداد میں ہم سے بہت کم تھی پھر کیا وجہ ہے کہ ہماری فوج کو شکست ہو گئی۔ وزیر نے کہا کہ مسلمان تو یہ کہتے ہیں کہ اللہ کی مدد ان کے ساتھ ہے مگر اتنی بات میں نے بھی دیکھی ہے کہ ہماری فوج کا ہر سپاہی یہ چاہتا تھا کہ میں بچ جاؤں۔ میرے پاس والے مارے جائیں اور مسلمانوں کا ہر سپاہی یہ چاہتا تھا کہ میں پہلے شہید ہو جاؤں۔ دوسرے میرے بعد ہوں تو جو قوم موت سے بخوف ہو کر شہادت کی طالب ہو اس کا مقابلہ کون کر سکتا ہے۔ بعد میں طلحہ نے دعوائے نبوت سے توبہ کی اور سچا مسلمان ہو گیا، فتوحات شام و عراق میں بڑے کارنامے انجام دیئے جو قوم دنیا کو جیل خانہ سمجھے گی وہ دنیا کو دین پر مقدم نہ کرے گی احکام الہی کی پوری پیروی کرے گی اور ہر وقت جہاد کے لئے تیار اور شہادت کی طلب گار رہے گی۔ پھر اس کا مقابلہ کون کر سکتا ہے۔

(۱۰) اس حدیث میں بھی مسلمانوں کے عروج کا طریقہ بتلایا گیا ہے کہ وہ دنیا میں اس طرح رہتے ہیں جیسے پردیسی پردیس میں ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ پردیس سے دل کون لگاتا ہے انسان پردیس میں رہ کر اپنے اصلی وطن کے لئے دولت جمع کرتا ہے، اسی طرح مسلمان دنیا میں رہ کر جنت کے لئے سامان جمع کرتا ہے کہ وہی اس کا وطن اصلی ہے اور بعضے خاص لوگ تو دنیا میں ایسے رہتے ہیں جیسے مسافر راستہ میں کسی جگہ پڑاؤ کرتا ہے ظاہر ہے کہ پڑاؤ سے دل کون لگاتا ہے، اس میں تھوڑی دیر کے لئے ٹھہرتا اور بقدر ضرورت آرام کا سامان کرتا ہے، جب مسلمان دنیا کو اپنا گھر نہ سمجھتے تھے جنت کو وطن اصلی جانتے تھے تو ان کے اعمال، اخلاق، معاشرت اور معاملات سب شریعت کے موافق ہوتے تھے تا کہ وطن اصلی میں اعمال صالحہ کا ذخیرہ پہنچائیں دنیا سے بقدر ضرورت تعلق رکھتے تھے موت سے گھبراتے نہیں تھے بلکہ اس کے مشتاق رہتے تھے کہ وہی پردیس سے اصلی وطن پہنچنے کا وقت ہے۔ اب مضمون تو ختم ہو گیا ہے۔ تمہ کے طور پر چند واقعات بیان کرنا چاہتا ہوں۔

(۱) ہرمزان فارسی فارس کا بڑا بہادر نواب تھا۔ اس نے مسلمانوں سے جنگ کی اور شکست کھا کر گرفتار ہوا پھر صلح کر کے رہا ہو گیا، شرائط صلح کی خلاف ورزی کر کے پھر مقابلہ پر آیا اور گرفتار کر کے مدینہ بھیج دیا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش ہوا تو انہوں نے فرمایا۔

ہرمزان! تم نے دیکھا اللہ تعالیٰ نے تمہاری سلطنت کو کیسا پارہ پارہ کیا اور تم کیسے ذلیل ہوئے؟

ہرمزان نے کہا مجھے جواب دینے کی اجازت ہے؟  
فرمایا ہاں کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔

ہرمزان نے کہا کہ یا عمر اذا كنا نحن وانتم غالبنا کم و اذا كان اللہ معکم فاللہ لا بغالب۔ اے عمر جب تک ہمارا تمہارا مقابلہ تھا ہم ہی تم پر غالب تھے، مگر جب اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو گئے تو اللہ کا مقابلہ کون کر سکتا ہے؟ مسلمانوں کے احوال و افعال سے کفار بھی یہ سمجھنے پر مجبور تھے کہ اللہ کی غیبی امداد ان کے ساتھ ہے۔

(۲) جب مسلمانوں نے مدائن کسریٰ فتح کر لیا تو یزدگرد شاہ فارس ادھر ادھر مارا مارا پھرنے لگا جہاں جاتا بھاگی ہوئی فوج اس کے پاس جمع ہو جاتی اور وہ پھر مسلمانوں کا مقابلہ کرتا بلخ پہنچ کر اس نے خاقان چین کو خط لکھا کہ بادشاہ بادشاہوں کی امداد کیا کرتے ہیں، اس وقت آپ میری مدد کیجئے، عربوں نے مجھ پر حملہ کر کے مجھے شکست دیدی ہے اور میرے اور میرے ملک پر قبضہ کر لیا ہے۔ خط پڑھ کر خاقان چین نے قاصد سے کہا ہم نے سنا مسلمانوں کی فوج بہت کم تھی (چالیس ہزار سے زائد نہ تھی) اور تمہاری فوج بہت تھی (بعض مواقع پر ڈھائی لاکھ کے لگ بھگ تھی) تمہارا سامان جنگ بھی ان سے بہتر تھا پھر وہ کیسے غالب ہو گئے؟ قاصد خاموش رہا تو خاقان چین نے کہا اچھا بتلاؤ ان کے اخلاق کیسے ہیں؟ قاصد نے کہا وہ بات کے سچے ہیں اور وعدے کے پکے جس سے جو وعدہ کر لیتے ہیں اس کے خلاف نہیں کرتے، جس علاقہ کو فتح کر لیتے ہیں وہاں کے باشندوں سے عدل و انصاف کرتے اور رعایا کی بہبود و امن و عافیت کا پورا

بندوبست کرتے ہیں۔ قانون سب کے لئے برابر ہے، خواہ شریف ہو یا چھوٹی قوم کا ہو ان کے خلیفہ کا بیٹا بھی اگر جرم کرتا ہے تو دوسروں کی طرح اس پر بھی قانون جاری کیا جاتا ہے۔ اللہ کو بہت یاد کرتے ہیں اپنے امیر کی پوری اطاعت کرتے ہیں۔ خاقان نے قاصد کا جواب سن کر شاہ فارس کو خط لکھا کہ بیشک بادشاہ بادشاہ کی مدد کرتے ہیں میں آپ کی مدد کے لئے ایسا لشکر جبار بھیجتا کہ اس کا ایک سراچین میں اور دوسرا سرا بلخ میں ہوتا ہے مگر تمہارے قاصد کی زبانی مجھے عربوں کا جو کچھ حال معلوم ہوا ہے اس سے میں سمجھتا ہوں کہ خدا کی مدد ان کے ساتھ ہے۔ ان سے جنگ کر کے آپ کبھی کامیاب نہ ہوں گے۔ میری رائے یہ ہے کہ آپ ان سے صلح کر لیں (تاریخ طبری)

اب مسلمان خود سوچ لیں کہ ان کی کامیابی اور عروج کے اسباب کیا ہیں، اور ان کا چھوڑنا ہی ان کا زوال ہوا۔ اقبال مرحوم نے سچ کہا ہے۔

وہ زمانے میں معزز تھے مسلمان ہو کر      تم ہوئے خوار تو بس تارک قرآن ہو کر

ضرورت ہے کہ مسلمان سچے مسلمان بن جائیں پھر یہی سب پر غالب ہوں گے۔ **وَأَنْتُمْ إِلَّا غُلُوبٌ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ. وَالسَّلَام**



مذاکره



## ﴿مذاکرہ﴾

### سوالات

- ۱۔ جہاد ستمبر میں ہماری فتح کے اسباب کیا تھے؟
- ۲۔ اس جہاد سے ہمیں کیا سبق ملے اور کیا فوائد حاصل ہوئے؟
- ۳۔ کیا اس واقعے کے بعد ہماری زندگی میں کوئی تبدیلی آئی ہے؟
- ۴۔ حق و باطل کا معرکہ کبھی بند نہیں ہوتا، باطل کی تیاریاں واضح ہیں، اس کے جواب میں مسلمانوں کی تیاریاں کس نہج پر ہونی چاہئیں۔
- ۵۔ جہاد ستمبر میں علماء کا کردار کیا تھا؟ اور آئندہ ایسے مواقع پر کیا ہونا

چاہیے؟

آپ کے سوالنامہ کا جواب مختصراً یہ ہے کہ

(۱) جہاد ستمبر ۱۹۶۵ء میں پاکستان کی فتح کے اسباب میں بڑی وجہ نصرت الہی تھی جس پر واقعات شاہد ہیں جن کی کچھ تفصیل جنگ و جہاد نمبر خاتون پاکستان بابت جنوری ۱۹۶۶ء میں بھی ہے علالت طبع کی وجہ سے نقل نہ کر سکا۔ اور نصرت الہی نے پاکستان کو کیوں نوازا؟ حقیقی علم تو اللہ ہی کو ہے مگر بظاہر اس کے اسباب حسب ذیل ہیں۔

۱۔ صدر پاکستان کا کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ کر جنگ کا نہیں بلکہ جہاد کا اعلان کرنا۔

۲۔ اس اعلان کے بعد سارے پاکستانی مسلمان جذبہ جہاد سے سرشار ہو گئے۔ بڑے چھوٹے مرد و عورت سب میں یہی جذبہ کارفرما تھا عورتوں نے زیوروں سے، بچوں نے اپنی ناشتہ کی رقم سے، اہل وسعت نے کپڑوں سے، اہل ثروت نے اپنی دولت سے



اس جہاد میں خوب امداد کی تاجروں نے نفع خوری، راشیوں نے رشوت خوری، چوروں نے چوری، ڈاکوؤں نے ڈاکہ زنی، بد معاشوں نے بد معاشی چھوڑ دی، فوج نے نعرہ تکبیر اور تلاوت قرآن شروع کر دی اکثر مسلمان نمازی اور نیک بن گئے۔ پاکستانی مسلمانوں نے اپنے اختلافات چھوڑ کر اتحاد و اتفاق کو اپنا شعار بنالیا۔

پاکستان سے باہر بھی عام طور سے سب مسلمان فتح پاکستان کے لئے دعائیں کرتے تھے اور انڈونیشیا، ترکی، ایران، اردن اور حکومت سعودیہ نے تو پوری طرح حمایت پاکستان کا اعلان کر دیا اور کہہ دیا کہ پاکستان کو جس قسم کی امداد کی ضرورت ہوگی ہم اس کے لئے حاضر ہیں۔

۳۔ پاکستانی فوج پاکستان کی فتح اور غلبہ کے لئے جان کی بازی لگائے ہوئے تھی۔

۴۔ پاکستانی فوج کی نظر خدا پر تھی، ظاہر سامان پر نہ تھی اس لئے باوجود قلت

تعداد اور قلت سامان کے اپنے سے چھ گنی فوج کے مقابلہ پر ڈٹی رہی جو قوت اسلحہ میں اس سے دس گنی تھی۔

۵۔ ہمارے ادا با اور شعراء اور علماء نے بھی جذبہ جہاد کو قوم میں خوب بیدار کیا،

علماء نے فضائل جہاد پر تقریریں کیں کتابچے لکھ کر فوج میں بھیجے، ادباء اور شعراء نے اپنی نظموں اور گیتوں سے فوج کے حوصلے بڑھائے۔

۶۔ ائمہ مساجد نے صبح کی نماز میں قنوت نازلہ شروع کر دی جس سے سب

مسلمانوں کے دل فتح و نصرت کی دعا میں مشغول ہو گئے۔

(۲) اس جہاد سے ہمیں ایک سبق تو یہ ملا کہ جب کفار سے مقابلہ کی نوبت

آئے تو سربراہ مملکت کو اعلان جنگ نہیں بلکہ اللہ کا نام لیکر جہاد کا اعلان کرنا چاہیے۔

اعلان جہاد کا مسلمانوں کے دلوں پر خاص اثر ہوتا ہے۔

دوسرے یہ کہ اس موقع پر مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جانا چاہیے

اس کی نصرت و امداد کا طالب ہونا چاہیے اپنے سامان یا دوسروں کی امداد پر بھروسہ نہ کرنا

چاہیے۔ ظاہر کی سامان بھی ضرور کیا جائے کہ اَعِدُّوْا لِهٰلِهِمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ میں

اس کا امر بھی ہے دوسروں سے امداد لینے کا بھی مضائقہ نہیں جبکہ وہ ہمارے جھنڈے تلے ہوں مگر بھروسہ اللہ پر کرنا چاہیے و علی اللہ فلیتوکل المؤمنون۔

تیسری یہ کہ جذبہ جہاد کو مسلمانوں کی دینی اور اخلاقی اصلاح میں بڑا دخل ہے جب تک یہ جہاد جاری رہا پاکستانی مسلمان بہت نیک بن گئے تھے جس پر سب کو حیرت تھی مگر جہاد ختم ہوتے ہی پھر وہی حالت ہو گئی جو جہاد سے پہلے تھی غالباً اسی لئے فقہاء نے فرمایا ہے کہ امام کو ہر سال کسی نہ کسی طرف جہاد کرنا چاہیے جہاں کفر کا غلبہ ہو اور مسلمانوں سے معاہدہ نہ ہو، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جو پہلا خطبہ اپنی خلافت میں دیا تھا اس میں فرمایا تھا کہ جو قوم جہاد کو چھوڑ دیتی ہے ذلیل ہو جاتی ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف جب باغیوں نے سراٹھایا حضرت عثمانؓ نے اپنے اعمال سے اس کا سبب دریافت کیا تو ایک گورنر نے کہا اس کا سبب یہ ہے کہ آپ نے فوجوں کو آگے بڑھنے سے روک دیا ہے۔ فرمایا میرا مقصد یہ تھا کہ مقبوضہ علاقہ کا نظم و نسق مکمل ہو جائے تو آگے بڑھا جائے۔ عامل نے کہا کہ مقبوضہ علاقہ کا نظم و نسق آپ کے عمال اچھی طرح کر لیں گے۔ فوجوں کو پیش قدمی سے نہ روکا جائے، فرمایا بہتر ہے اب تم سب واپس جا کر فوجوں کو پیش قدمی کا حکم دیدو، مگر وہ ابھی اپنی جگہ واپس بھی نہ پہنچے تھے کہ باغیوں نے خلیفہ مظلوم کا کام تمام کر دیا۔

چوتھے یہ کہ اس جہاد سے پاکستان کا رعب کفار کے دلوں میں بیٹھ گیا اور دنیا کو پاکستان کی قوت کا اندازہ ہو گیا کہ اس سے ٹکر لینا آسان نہیں، پاکستان کا وقار بلند ہو گیا۔  
وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السَّفْلَىٰ وَ كَلِمَةَ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا۔

(۳) افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس جہاد کے ختم ہوتے ہی ہماری دینی و اخلاقی حالت میں جو بہترین انقلاب آیا تھا ختم ہو گیا، پھر وہی حالت ہو گئی، جو جہاد سے پہلے تھی۔ البتہ سیاسی اور عسکری قوت میں برابر اضافہ ہو رہا ہے، مگر میں بتا چکا ہوں کہ فتح و نصرت کیلئے یہ کافی نہیں۔ اللہ کی نصرت کے اسباب اختیار کرنے کی بھی ضرورت ہے جس کا طریقہ اصلاح اعمال و اخلاق ہے جیسا جہاد کے دنوں میں ہوا تھا۔ ان ینصرکم اللہ

فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَإِنْ يَخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْصَرُّكُمْ مِنْ بَعْدِهِ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنِينَ.

(۴) مسلمانوں کو ہمیشہ جہاد میں مشغول رہنا چاہیے، جہاد کو ترک نہ کیا جائے جب جہاد جاری رہے گا اس کی تیاری بھی برابر جاری رہے گی، ظاہری قوت بھی بڑھتی رہے گی اور دینی و اخلاقی حالت بھی درست ہوتی رہے گی۔

(۵) علماء کو لازم ہے کہ مسلمانوں میں جذبہ جہاد کو بیدار رکھیں اصلاح اعمال و اخلاق کی تاکید کرتے رہیں، جو حضرات علماء درس و افتاء کی ذمہ داری سے فارغ ہوں وہ عملی طور پر خود بھی فوج اسلامی میں بھرتی ہو جائیں اور اعلان جہاد کے بعد علماء اپنی تمام توانائیاں جذبہ جہاد پیدا کرنے میں صرف کر دیں اور یہ بات مسلمانوں کے دلوں میں بٹھلا دیں کہ محض ظاہری قوت غلبہ مسلمین کے لئے کافی نہیں بلکہ نصرت الہی کو ساتھ لینا بھی ضروری ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو جنگ قادسیہ کے موقع پر خط لکھا تھا کہ مسلمان کفار پر اسی لئے غالب ہوتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے مطیع ہیں اور وہ نافرمان ہیں اگر مسلمان بھی نافرمان بن جائیں گے۔ خدا کی مدد ان کیساتھ نہ ہوگی پھر مقابلہ ظاہری قوت و طاقت سے ہوگا اور اس میں کفار کا پلہ ہی بھاری ہوتا ہے۔ (او کما قال والمستدرک)

### در حدیث دیگران

”پاکستان فضا پر پوری طرح چھایا ہوا ہے، اگر بھارتی طیارے فضا سے بالکل ہی بھاگ نہیں گئے تو کم از کم اس قدر رحم و یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ انہیں فضا سے بے دخل ضرور کر دیا گیا ہے۔ بھارتی ہوا باز پاکستانی ہوا بازوں کے مقابلہ میں بہت ہی گھٹیا درجہ کے ہیں۔ بھارتی افسروں میں قیادت کی صلاحیتیں بری طرح مفقود ہیں۔ بھارت ایک ایسے ملک کے ہاتھوں پٹ رہا ہے جو آبادی میں اس سے ساڑھے چار گنا چھوٹا اور مسلح افواج کے اعتبار سے تین گنا چھوٹا ہے۔“

انكشاف الحقيقه  
عن استخلاف الطريقه



## ﴿رسالہ انکشاف الحقیقہ عن استخلاف الطریقہ﴾

بعد الحمد والصلوٰۃ کترین غلامان خانقاہ امدادیہ افاض اللہ برکاتہا علی العالمین احقر ظفر احمد عفاء اللہ عنہ عرض کرتا ہے کہ بعض احباب کو اس جگہ پر خدشہ پیش آتا ہوگا کہ احمد حسن سنہلی اگر فانی و واصل ہو چکا تھا جیسا کہ حضرت حکیم الامت کی اجازت و خلافت عطا کرنے سے یہی مفہوم ہوتا ہے تو پھر اس سے خلافت سلب کیوں کی گئی کیونکہ سلب خلافت اس کے غیر فانی و غیر واصل ہونے کی دلیل ہے۔ حالانکہ فانی و واصل مردود نہیں ہو سکتا۔

صوفیہ کا مقولہ مشہور ہے الفانی لا یرد اور عوارف المعارف میں ہے الواصل الذی یصلہ اللہ فلا یخشی علیہ القطع ابداً وقال ذوالنون بارجع من رجع الامن الطريق ما وصل الیہ احدٌ فرجع منه (منقول از مکتوبات قدوسیہ ص ۲۳۸) پس یہ تو نہیں ہو سکتا کہ وہ بعد وصول کے غیر واصل ہو گیا ہو لا محالہ یہی کہا جائے گا کہ وہ پہلے ہی سے واصل نہ ہوا تھا اس پر یہ اشکال پڑتا ہے کہ پھر ایسی حالت میں حضرت شیخ نے اس کو اجازت و خلافت ہی کیوں عطا فرمائی تھی اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ اجازت و اعطاء خلافت کا مبنی اور چیز ہے اور وصول و قبول عند اللہ دوسری چیز ہے پس الفانی لا یرد یہ مقدمہ تو بالکل صحیح ہے مگر اس کیلئے المجاز لا یرد لازم نہیں تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حصول نسبت اور وصول الی اللہ فقط اس کا نام نہیں ہے کہ صرف بندہ کو حق تعالیٰ سے تعلق ہو جائے بلکہ حصول نسبت حقیقت میں اس کا نام ہے کہ بندہ کو خدا تعالیٰ سے تعلق ہو جائے اور خدا تعالیٰ کو بندہ سے تعلق ہو جاوے کیونکہ نسبت تعلق بین الشیخین کا نام ہے جس کے لئے طرفین سے تعلق کا ہونا ضروری ہے ورنہ وہ ایسی نسبت ہوگی۔

وقوم ی دعون وصال لیلی و لیلی لا تقر لہم بذا کا  
جیسا کہ ایک طالب علم سے کسی نے پوچھا تھا کہ آج کل کس مشغلہ میں ہو اس

نے کہا شہزادی سے نکاح کرنے کی فکر میں ہوں۔ جب اس نے دریافت کیا کہ اس کے واسطے تم نے کیا سامان کیا تو وہ فرماتے ہیں کہ آدھا سامان تو ہو گیا آدھا باقی ہے یعنی میں تو راضی ہوں مگر وہ راضی نہیں اور نکاح طرفین کی رضا سے منعقد ہوتا ہے تو میرا راضی ہونا یہ نصف نکاح ہے۔ اور اس کا لغو ہونا ہر شخص پر ظاہر ہے۔

جب یہ بات سمجھ میں آگئی تو اب سمجھئے کہ جس واصل کی نسبت آئمہ صوفیہ کا ارشاد ہے کہ ”الفانی لا یرد والو اصل لا یقطع“ اس سے مراد وہی واصل ہے جس سے خدا تعالیٰ کو بھی تعلق ہو جاوے۔ جس کی دلیل عوارف کا یہ قول مذکور ہے الواصل الذی یصلہ اللہ واقعی جس شخص سے حق تعالیٰ کو تعلق ہو جائے گا وہ مردود یا مخذول و مقطوع کیونکر ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد سمجھنا چاہیے کہ ہر چند کہ اجازت اور خلافت کے قابل تو حقیقت میں یہی واصل ہے۔ جس سے خدا تعالیٰ کو یہی تعلق ہو اور صحیح معنی میں صاحب نسبت کہلانے کا مستحق وہی ہے مگر ظاہر ہے کہ شیخ کو طالب کے تعلق مع اللہ کا تو علم ہو سکتا ہے مگر تعلق اللہ مع العبد کا علم اسے کیونکر ہو سکتا ہے۔ بندہ کے ساتھ خدا کے تعلق کا علم شیخ کو محض اس قاعدہ اکثریہ کی بنا پر ہو سکتا ہے کہ عادیۃ اللہ یوں جاری ہے کہ جب بندہ کو خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق ہوتا ہے تو حق تعالیٰ کو بھی اس سے تعلق ہو جاتا ہے۔ وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوا فِیْنَا لَنَهْدِیْہُمْ سُبُلَنَا۔ مجاہدہ کے بعد راہ ہدایت مفتوح کر دینے کا تو پختہ وعدہ ہے مگر محض اتنی بات سے واصل نہیں ہوتا وصول تعلق اللہ مع العبد کا نام ہے، اس کے متعلق اسی کے بعد ارشاد ہے۔ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ یعنی ہدایت سبیل کے بعد اگر طالب میں اخلاص و احسان کامل کی صفت پیدا ہو گئی تو اس وقت معیت حق اس کے ساتھ ہوگی اور وہ واصل ہو جائے گا۔

پس کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک مرید نے طلب حق میں سعی اور مجاہدہ شروع کیا اور حسب وعدہ حق تعالیٰ نے طریق وصول اس پر مفتوح کر دیا لیکن ابھی مرید میں احسان و اخلاق کامل نہ پیدا ہوا تھا اس لئے اس کو واقع میں وصول نصیب نہ ہوا اور اخلاق کامل ایسا پوشیدہ امر ہے کہ اس کی اطلاع شیخ کو بجز قرآن اور وجدان یا کشف کے اور کسی طرح نہیں



ہو سکتی پس ممکن ہے کہ شیخ کسی طالب کو ریاضات و مجاہدات میں مشغول اور طریق وصول کو اس پر مفتوح دیکھ کر اپنے وجدان یا کشف سے اس کو صاحب اخلاص سمجھ جائے اور اجازت دیدے اور واقع میں وہ صاحب اخلاص نہ تھا کیونکہ وجدان یا کشف و قرآن یہ جملہ امور وحی آسمانی کی طرح قطعی تو نہیں ہیں۔ محض ظنی ہیں۔ جن میں خطاء و صواب دونوں کا احتمال ہے۔ پس شیخ جب کسی طالب کو دیکھتا ہے کہ یہ خدا کے ساتھ تعلق بڑھانے کی سعی کر رہا ہے اور ظاہر میں احکام و اوامر شرعیہ اس کی طبیعت ثانیہ بن گئی ہیں تو وہ قاعدہ اکثر یہ کی بنا پر یہ سمجھ کر کہ جب اس کو خدا سے تعلق ہے تو امید ہے کہ حق تعالیٰ کو بھی اس سے تعلق ہوگا اس کو صاحب نسبت جان کر مجاز و خلیفہ کر دیتا ہے اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ شیخ کے اس گمان کو سچا کر دیتے ہیں کہ جس کو وہ اصل سمجھتا ہے، حق تعالیٰ سچ سچ اسے اصل کر دیتے ہیں یعنی خود بھی اس سے اپنا تعلق معیت قائم کر دیتے ہیں۔ مگر قطعی و یقینی طور پر شیخ کو یہ خبر نہیں ہو سکتی کہ واقع میں اس شخص سے حق تعالیٰ کو تعلق ہے یا نہیں کیونکہ غیب کا حال سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا اور وحی کا باب مسدود ہو چکا اور وجدان و کشف غلطی و خطا سے محفوظ نہیں ہیں۔ پس کبھی ایسا ممکن ہے کہ جس شخص کی نسبت شیخ محقق عارف نے یہ امید وابستہ کی تھی کہ انشاء اللہ خدا تعالیٰ کو بھی اس سے تعلق ہو گیا ہوگا۔ واقع میں وہ ایسا نہ ہو اور اس شخص میں جو آثار تعلق مع اللہ کے نظر آئے ہوں وہ محض استدراج ہوں۔ اَفَاٰمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُوْنَ ۝

وفی الحدیث الصحیح ان الرجل لیعمل بعمل اهل الجنة حتی لا یشقی بینہ و بینہا الا ذراع فیسبق علیہ الكتاب فیرجع ویعمل بعمل اهل النار فیدخل النار الحدیث وَاَتْلُ عَلَیْہُمْ نَبَا الَّذِیْ اَتٰنَاہُ اٰیَاتِنَا فَاَنْسَلَخَ مِنْہَا فَاتَّبَعُہُ الشَّیْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغَاوِیْنَ ۝ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِہَا وَلٰكِنَّہٗ اَخْلَدَ فِی الْاَرْضِ وَ اَتَّبَعَ ہَوَاہُ الْاٰیۃ بلعم باعور کو سب لوگ اصل اور مقرب حق سمجھتے تھے کیونکہ ظاہر میں اس کی کرامات و خوارق و مجاہدات و ریاضات کی کچھ حد نہ تھی۔ مگر درحقیقت یہ سب استدراج تھا اور واقع میں وہ مقرب نہ تھا۔

سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض مسلمانوں کو ظاہری تقویٰ و طہارت کی وجہ سے مخلص سمجھ کر اتنا مقرب بنالیا تھا کہ منصب کتابت وحی ان کے سپرد کر دیا مگر بعد میں ایک کاتب وحی مرتد بھی ہو گیا پس خلاصہ کلام یہ ہوا کہ صوفیہ کا قول ”الفانی لا یرد والواصل لا یقطع“ فانی حقیقی واصل حقیقی کے بارہ میں ہے اور اجازت و خلافت عطا کرنے کا مدار فانی و جدانی و واصل و جدانی ہونا ہے کیونکہ یقینی طور پر کسی کا واصل حقیقی ہونا مشائخ کو معلوم نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ بجز ان صحابہ کے جن کے جنتی ہونے کی قطعی خبر وحی سے معلوم ہو چکی ہے باقی کسی امتی کو قطع اور یقین کے ساتھ جنتی نہیں کہا جاسکتا اور نہ ایسا کہنا جائز ہے تو پھر یقین کے ساتھ ہم کسی کے واصل ہونے کا کیونکر حکم لگا سکتے ہیں۔ لہذا اجازت کا مدار محض وصول و جدانی ہے جس میں کبھی خطا کا ہو جانا ممکن ہے جیسا کہ کبھی مجتہد احکام سے بھی اجتہاد میں خطا ہو جاتی ہے۔ جس سے بعد میں وہ رجوع کرتا ہے۔

فقہ میں ائمہ مجتہدین کے ایسے اقوال موجود ہیں جن سے انہوں نے بعد میں رجوع کیا (گو محقق عارف کے ایسے وجدانات میں جو طریق کے متعلق ہوں غلطی بہت ہی شاذ و نادر اور کم واقع ہوتی ہے جیسا کہ مجتہد احکام سے خطا و لغزش بہت کم ہوتی ہے چنانچہ مجتہد کی تعریف ہی یہ ہے من کان صواب اکثر من خطا مجتہد وہ ہے جس کی رائے میں اصابت بہ نسبت خطا کے زیادہ ہو اسی طرح محقق طریق کا وجدان اکثر تو درست ہی ہوتا ہے مگر امکان خطا تو ضروری ہے اور قلت کے ساتھ وقوع بھی ہوتا جاتا ہے۔“

چنانچہ ہم اخیر میں حضرت قطب الاقطاب شیخ المشائخ شاہ عبدالقدوس صاحب نور اللہ مرقدہ کے چند مکتوبات مع ترجمہ کے پیش کرینگے جو آپ کے بعض خلفاء و مجازین کے نام ہیں۔ جن میں شیخ عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو تحریر فرمایا ہے کہ تم مردود و مخذول ہو گئے اور ہم نے جو تم کو اجازت و خلافت دی تھی وہ باطل ہو گئی۔ اب کچھ باقی

نہیں رہا۔ یہ جواب تو اس تقدیر پر ہے جبکہ اجازت اور خلافت دینا اس امر کی شہادت ہو کہ یہ شخص فانی اور واصل بحق ہو چکا ہے۔ مگر اجازت و استخلاف کی یہ حقیقت زمانہ سابق کے موافق ہے۔

آجکل کے مشائخ نے بوجہ کوتاہی عمر و قلت فراغ وغیرہ کے اس میں کسی قدر توسع کر لیا ہے یعنی پہلے زمانہ میں تو اجازت و خلافت اسی وقت دی جاتی تھی جبکہ طالب شیخ کے وجدان یا کشف میں فانی اور واصل ہو چکا ہو اور متأخرین نے یہ دیکھ کر فناء کامل اور وصول کامل حاصل ہونے کے لئے عرصہ دراز کی ضرورت ہے اگر اس درجہ کا انتظار کر کے اجازت دی جایا کرے تو تعلیم و تلقین ذکر کا کام بند ہو جائے گا۔ اس لئے وہ اس وقت اجازت دے دیتے ہیں جبکہ طالب کو تلوین ابتدائی کے مقابل ایک درجہ تمکین کا عطا ہو جاوے اور ذکر اللہ کا غلبہ ایسا ہو جاوے کہ اکثر اوقات ذہول نہ ہوتا ہو اور مقام فنا و دیگر مقامات سلوک سے کچھ کچھ مناسبت حاصل ہو جاوے۔ گو ابھی رسوخ حاصل نہ ہوا ہو۔ اس درجہ میں پہنچ کر طالب فانی و واصل تو نہیں ہوتا مگر وصول کی قابلیت قریبہ ایسی حاصل ہو جاتی ہے کہ اگر طالب اپنے نفس کی نگہداشت اور رزائل کبر و عجب وغیرہ تمام معاصی سے اسی طرح کرتا رہے جس طرح ابتداء سلوک و مجاہدہ کے وقت کرتا تھا اور ذکر و معمولات پر دوام رکھے اور شیخ سے مثل سابق تعلق قائم رکھے تو ایک وقت میں ضرور واصل و فانی ہو جائے گا (اور اس درجہ میں طالب سے ان امور کی امید غالب ہوتی ہے کہ وہ ایسا ضرور کرتا رہے گا) اور چونکہ اس وقت طالب کو طریق سے مناسبت معتد بہا حاصل ہو چکی ہے تو وہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ دوسروں کو وصول کا راستہ بتا سکے، اس لئے اجازت دی جاتی ہے۔

اس کی نظیر بالکل ایسی ہے جیسے آجکل مدارس عربیہ میں درس معمول بہ تمام کرنے کے بعد طلبہ کو اجازت و سند دیدیتے ہیں اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ یہ طالب علم فاضل کامل اور عالم متبحر ہو چکا ہے کہ اس کو تمام علوم سے ایسی مناسبت راسخہ حاصل ہو گئی ہے جو کبھی زائل نہیں ہو سکتی اور اب اس سے کسی مسئلہ میں بھی غلطی نہ ہوگی اور جو کتاب

چاہے کاتب تکلف پڑھا سکتے گا۔ ہرگز نہیں بلکہ طلبہ کو سند و اجازت دینے کا حاصل صرف یہ ہوتا ہے کہ ان کو علوم مقصودہ سے فی الجملہ ایسی مناسبت و استعداد پیدا ہو گئی ہے کہ اگر یہ کتب بینی اور مطالعہ شروع و حواشی اور تعلیم و تدریس میں مشغول رہے تو کسی وقت انشاء اللہ تبصر و فاضل ہو جائیں گے اور محض اتنی مناسبت پیدا ہو جانے کے بعد سند دے دینے کا منشا یہاں بھی وہی ہے کہ اگر حصول مناسبت راسخہ اور تمام علوم میں تہیہ کے بعد سند دی جایا کرے تو اس کے لئے زمانہ دراز کی ضرورت ہے اور آجکل لوگوں کو علوم دینیہ کے لئے سات آٹھ برس خرچ کرنا بھی گراں ہوتا ہے پندرہ بیس سال تو کون صرف کر سکتا ہے۔

پس جس طرح ایک طالب علم سند یافتہ مدرسہ سے نکل کر کتب بینی و تعلیم و تدریس کا کام کر کے دس پندرہ سال کے بعد عالم تبصر ہو جاتا ہے اسی طرح وہ طالب بھی جس کو مقامات سلوک سے کچھ مناسبت حاصل ہو چکی ہے اور شیخ نے اس کو اجازت تلقین وغیرہ دیدی ہے اگر برابر کام میں لگا رہا اور نگہداشت نفس سے غافل نہ ہوا تو کچھ عرصہ کے بعد فانی کامل راسخ و واصل ہو جاتا ہے۔ اور جس طرح کہ وہ طالب علم جو مدرسہ سے نکل کر جوتوں کی دکان لے بیٹھے اور دنیا کے دھندوں میں پڑ کر کتب بینی تدریس وغیرہ سے بالکل جدا ہو جائے تو چند سال میں اس کی وہ استعداد مناسبت علمیہ بالکل زائل ہو جاتی ہے جو مدرسہ سے فارغ ہوتے وقت حاصل تھی۔

اسی طرح وہ طالب جو مقامات سلوک سے قدرے مناسبت حاصل کرنے کے بعد اپنے نفس کی نگہداشت سے غافل ہو جائے اور تمکین کے بعد معاصی کا ارتکاب کرنے لگے اس کی مناسبت مذکورہ زائل اور قابلیت قرینہ وصول مفقود ہو جاتی ہے۔ اور جس طرح علوم ظاہرہ میں استاد کے ساتھ بے ادبی و گستاخی کو مناسبت علمیہ سے محرومی میں بڑا دخل ہے۔ اس سے بدرجہا زاید طریق باطن میں شیخ کے ساتھ بے ادبی و گستاخی کرنے کو اس مناسبت باطنیہ کے سلب ہو جانے میں دخل عظیم ہے اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ آجکل اجازت و خلافت جن لوگوں کو دی جاتی ہے وہ سب واصل و فانی نہیں ہوتے بلکہ ان میں سے بعض بعض افراد فانی و واصل ہوتے ہیں اور اکثر وہ لوگ ہیں جن کو قابلیت وصول

حاصل ہوگئی اور راستہ معلوم ہو گیا ہے۔ اگر وہ اس پر برابر چلتے رہے تو امید ہے کہ واصل ہو جائیں۔

پس آج کل کسی مجاز طریق کا بگڑ جانا کچھ زیادہ بعید نہیں ہے یہ لوگ اگر اجازت کے بعد ذکر و معمولات سے غافل اور نگہداشت نفس میں متساہل اور شیخ سے مستغنی و مستقل ہو جائیں تو ان کی حالت ضرور بگڑ جائے گی اور مناسبت باطنیہ جو کچھ حاصل ہوئی تھی سب سلب ہو جائے گی جیسا کہ طلبہ مدارس اگر علمی مشغلہ کو چھوڑ کر دنیوی کاروبار میں لگ جائیں تو وہ علمی مناسبت سے بالکل کورے ہو جاتے ہیں پس اس زمانہ میں جس خلیفہ و مجاز طریق کی بابت یہ معلوم ہو کہ اس کی حالت خراب و خستہ ہوگئی اور شیخ نے اس سے اپنی اجازت و خلافت کو سلب کر لیا ہے تو سمجھ لینا چاہیے کہ یہ شخص وقت اجازت و خلافت کے واصل و فانی اور صاحب نسبت نہ تھا بلکہ صرف صاحب مناسبت تھا۔ اور مردود ہونا صاحب نسبت کا باستحالیہ عادیہ محال ہے نہ صاحب مناسبت کا

### فائدہ

مجازین کو جان لینا چاہیے کہ صاحب نسبت اور صاحب مناسبت میں بڑا فرق ہے۔ صاحب نسبت سے حق تعالیٰ کو تعلق ہو جاتا ہے اور صاحب مناسبت کو صرف طریق معلوم ہو جاتا ہے۔ صاحب نسبت ہونے کی علامت یہ ہے کہ حق تعالیٰ ہی کو ہر چیز کا فاعل مشاہدہ کرے مخلوق کے فعل سے نظر بالکل اٹھ جاوے۔ کسی فعل میں مخلوق کو خدا کا شریک نہ پائے اور یہ مضمون محض درجہ اعتقاد میں نہ ہو بلکہ ہر وقت وجدانا اس کا مشاہدہ ہوتا ہو۔ وَمَا هُمْ بِضَارِينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَإِنْ يُرْذَكْ بِخَيْرٍ فَلَا رَأْيَ لِفَضْلِهِ۔ جس کا اثر یہ ہوگا کہ مخلوق سے خوف و طمع بالکل معدوم ہو جائے گا (یعنی عقلاً) نیز جب کسی سے حق تعالیٰ کو تعلق ہوگا اور وہ فانی و واصل ہوگا تو اس کے لئے یہ بھی لازم ہے کہ اس شخص کا ارادہ اور خواہش بالکل فنا ہو جائے کہ اپنے واسطے کوئی حالت تجویز کرے۔ جس حالت میں حق تعالیٰ شانہ کہیں اس پر راضی رہے۔ کبر و عجب و حب جاہ وغیرہ سے

بالکل بری ہو۔ اگر تکبر و عجب وغیرہ باقی ہیں تو سمجھ لو کہ تم صاحب نسبت اور واصل و فانی نہیں ہو بلکہ تم کو صرف طریق کا علم ہو گیا ہے اور تم محض صاحب مناسبت ہو

### فائدہ

اجازت کے بعد مجازین کو امور ذیل کی رعایت ضروری ہے تا کہ ترقی دائم رہے اور جو مناسبت طریق حق تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے وہ سلب نہ ہو جائے۔

(۱) شیخ سے اپنے کو مستغنی اور مستقل نہ سمجھے بلکہ ہمیشہ اپنے کو اس کا محتاج سمجھے سال بھر میں دو چار دفعہ کم از کم اس کی زیارت سے مستفیض ہو اور ہر مہینہ خط و کتابت سے اپنے احوال کی اطلاع دیتا رہے۔ اجازت کے بعد اپنے کو شیخ سے مستغنی سمجھ لینا سدراہ اور سم قاتل اور باعث سلب مناسبت ہے۔ قال العلامة الشعرانی قلت مرة سیدی علی الخواص اذا بلغ المرید مقام العرفان هل یستغنی عن شیخه فقال اذا بلغ المرید مقام شیخه افرد شیخه و قطع عنه فیتولاه الحق جل و علا فیفطمه عن الخلق جمیعا ما عدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فانه لا یمکن رفع واسطة ابدا ویصیر الشیخ بعد فطام الحق جل و علا لهذا المرید كالظنر والداية ویؤیده حدیث الارضاع بعد الحولین۔ فقلت له فاذن الشیخ یحتاج الیه مادام عند المرید هو او ارادة دون اللہ عز و جل قال نعم لیکسرهما عنه فاذا کسرهما عنه و ذالا فلا کدورة ولا نقصان۔ ۱ھ (ص ۵۷ ج ۱ کتاب المہین والاخلاق)

(ترجمہ) ”میں نے ایک بارسیدی علی خواص سے عرض کیا کہ جب مرید مقام عرفان پر پہنچ جائے تو کیا شیخ سے مستغنی ہو جاتا ہے فرمایا جب مرید اپنے شیخ کے مقام پر پہنچ جائے اس وقت اس کو شیخ سے الگ کر دیا جاتا ہے اور حق تعالیٰ اس کی پرورش خود فرماتے ہیں اور بجز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام مخلوق سے اس کا دودھ چھڑا دیا جاتا ہے باقی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے کا قطع ہونا تو کبھی ممکن نہیں اور جب حق تعالیٰ اس



مرید کا دودھ چھڑا دیتے ہیں اس وقت شیخ اس کے لئے بمنزلہ دایہ اور کہلائی کے ہو جاتا ہے (یعنی اب دودھ تو نہیں پلاتا مگر حفاظت کیلئے شیخ کی پھر بھی ضرورت ہے جیسے دودھ چھوٹ جانے کے بعد بچہ کو دودھ پلانے کی ضرورت تو نہیں رہتی مگر گود میں لینے والی اور کھلانے والی کی ضرورت تو اب بھی ہے اگر بچہ دودھ چھوٹ جانے کے بعد تنہا رہا کرے اور اندر باہر اکیلا پھرا کرے تو ایک نہ ایک دن وہ ضرور ہلاکت میں پڑے گا۔ یہی حال مرید کا شیخ سے دودھ چھوٹ جانے کے بعد ہوتا ہے کہ ابھی اس کو عرصہ تک حفاظت شیخ کی ضرورت ہوتی ہے۔ خوب سمجھ لو ۱۲۔ جامع

اور حدیث الارضاع بعد الحولین اس کی تائید کرتی ہے میں نے عرض کیا کہ پھر تو جب تک مرید کے اندر خواہش اور ارادہ باقی رہے اس وقت تک شیخ کی اسے ضرورت ہے فرمایا ہاں تا کہ شیخ ان دونوں کو توڑ پھوڑ کر مرید سے نکال دے۔ پس جب وہ ان دونوں کو نکال دے گا پھر مرید میں نہ کچھ کدورت رہے گی نہ کچھ نقصان رہے گا۔ اھ۔

ناظرین کو اس عبارت سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ مرید جب شیخ کے مقام پر پہنچ جائے اس وقت تو اس کا دودھ چھوٹتا ہے جس کے بعد بھی شیخ کی احتیاج تربیت میں رہتی ہے (گو تغذی میں نہ رہے) تو جو مرید شیخ کے مقام پر بھی ابھی تک نہیں پہنچا اس کا تو ابھی دودھ بھی نہیں چھوٹا۔ وہ شیخ سے کیونکر مستقل و مستغنی ہو سکتا ہے اور آج کل اکثر مجازین کو قبل از وصول بر مقام شیخ اجازت دیدی جاتی ہے جس کی وجہ اوپر مذکور ہو چکی ہے۔

(۲) اجازت کے بعد مجاز کو نفس کی نگہداشت اور مجاہدہ سے غافل نہ ہونا چاہیے۔ مجاہدہ کی اب بھی ضرورت ہے اور ہر وقت رہے گی۔

اندریں رہے تراش و میخراش تا دم آخر دے فارغ مباش  
نادم آخر دے آخر بود کہ عنایت با تو صاحب سر بود  
وَاَعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ۔ حضرت حکیم الامت فرماتے ہیں کہ تمکین کے بعد مجاہدہ کی ضرورت پہلے سے زیادہ ہوتی ہے کیونکہ اس وقت طبعی، ذوق و شوق اور جوش کا غلبہ نہیں رہتا۔ جس سے قوی نفسانیہ پہلے مغلوب نہیں۔ اس وقت قوی



نفسانیہ پھر ابھرنا شروع ہوتے ہیں مگر تھوڑی دیر توجہ سے نفس درست ہو جاتا ہے۔ جیسے تعلیم یافتہ اور شائستہ گھوڑا بھی کبھی شرارت کرنے لگتا ہے مگر ذرا سے اشارہ سے ٹھیک ہو جاتا ہے۔ خصوصاً کبر و عجب و حب جاہ سے اجازت کے بعد نفس کی نگہداشت پہلے سے زیادہ ضروری ہے کیونکہ علوم و واردات و رجوع خلق سے ان امراض کا عود شروع ہوتا ہے۔

(۳) ذکر لسانی کا اجازت کے بعد بھی پابند رہے صرف مراکبات پر اکتفا نہ کرے معمولات حسب فرصت مناسب مقدار میں مقرر کر کے ان پر ہمت سے دوام کرے معمولات میں تلاوت قرآن اور درود شریف استغفار کی بھی معتد بہ مقدار ہونی چاہیے۔

(۴) حق تعالیٰ سے ہمیشہ لرزاں ترساں رہے اور اس نعمت کے حصول پر نازاں اور مطمئن نہ ہو استدراج و مکر سے ڈرتا رہے اور دعا کرتا رہے کہ خداوند اس نعمت کو سلب نہ کیجیو بلکہ روز بروز اس میں ترقی عطا ہو۔ ان مقدمات اربعہ کی اگر مجازین پابندی کرتے رہیں تو انشاء اللہ سلب نعمت سے ہمیشہ محفوظ و مامون رہیں گے۔

احمد حسن سنہلی کو طریق سے فی الجملہ مناسبت ہو گئی تھی اور وہ مجاہدے بھی کرتا تھا جس سے حضرت شیخ کو امید ہو گئی تھی کہ اگر یہ کام میں لگا رہا تو انشاء اللہ واصل ہو جائیگا۔ اس لئے اس کو اجازت دیدی گئی مگر وہ اجازت کے بعد اپنے کو شیخ سے مستغنی و مستقل سمجھنے لگا حتیٰ کہ خود شیخ کی اصلاح کا دعویٰ کرنے لگا، شیخ کے لحاظ و مروت سے جس کا منشاء اس کا دعویٰ سیادت تھا نیز طالبین کی تربیت سے کبر و عجب و حسد و حب جاہ بڑھ گیا۔ شیخ نے ان رذائل کی اصلاح کا حکم بھی کیا مگر اس نے کچھ عمل نہ کیا اس لئے وہ مناسبت زائل اور نعمت سلب ہو گئی۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا ۝ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْخَوْرِ بَعْدَ الْكُوْرِ وَمِنْ الْعَمٰی بَعْدَ الْاَبْصَارِ وَمِنْ الْقَطْعِ بَعْدَ الْوَصْلِ وَمِنْ الصَّدُوْدِ بَعْدَ الْقُرْبِ وَمِنْ الضَّلَالَةِ بَعْدَ الْهِدَايَةِ وَمِنْ الْكُفْرِ بَعْدَ الْاِيْمَانِ اِنَّهُ هُوَ الْمُنْعِمُ الْمَنَّانُ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ اب ہم حسب وعدہ اعلیٰ حضرت قدوة العارفین قطب الاقطاب شیخ المشائخ شاہ عبدالقدوس گنگوہی نور اللہ مرقدہ کے وہ کرامت نامے معہ اصل و ترجمہ کے نقل کرتے ہیں۔ جن میں آپ نے اپنے بعض خلفاء و مجازین سے اپنی اجازت و خلافت کو

سلب کیا ہے اس سے ناظریں کو معلوم ہو جائے گا کہ کسی کو خلافت دینے کے بعد اس سے خلافت کا سلب کرنا کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ مشائخ متقدمین بھی ایسا کرتے آئے ہیں اور اس سے شیخ کی معرفت و بصیرت و تحقیق میں کچھ نقص لازم نہیں آتا ورنہ معاذ اللہ حضرت شیخ عبدالقدوس کی بصیرت کو بھی نقص ماننا پڑے گا حالانکہ ان کے کمال معرفت پر اجماع صوفیہ ہے۔

### مکتوب اول صفحہ ۳۵۶ مکتوبات قدوسیہ

بجانب شیخ عبدالرحمن شاہ آبادی حق حق بعد حمد و صلوة دعاء خیر و صلاح عبدالرحمن بداند بیت بگذارم این کون و مکان بگذارم این جان و جہان - جائیکہ ہستا آن بے نشان گر بندہ ام انجاروم عالم خرابی است بیت راہ حق صنعت و عبارت نیست + جز خرابی درد عبارت نیست + چرا کسی از خدا رو بگرداند و در فساد درد آرد از شغل حق بشغل دیوان در آید و عزت خویش بشغل دیوان و اند مردان جان بازند جہان نازند و بادوست سازند بیت ایں کار کسا نیست کہ خیزند ز سر جان + ایں خانہ خرابی زرہ بو الہوسی نیست + چرا عبدالشیطان شد درد - نیفاق آورد و نام خود بر جرید کا فمٹلہ کمٹل الکلب ثبت کردہ آہ ہزار آہ افسوس ہزار افسوس کار از کجا بکجا کشید و از چہ در چہ افتاد ایں چہ واقعہ مسجد بود بتخانہ گشت صلاح بود بفساد پیوست سبک بر خیز بر خیز بز خیز بیب ہر چہ جز حق بسوز غارت کن + ہر چہ جز دین از وطہارت کن + و مخلص دیگانہ باش **اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ** . و اگر نہ از خدا و از پیران بریدست و از راہ حق رفتہ است اجازت از ما و خلافت از ما بر خود جائز ندارد و خود را بعد از میس شیخ و درویش نخواہد قطعیت ست ہوش دار ہوس دار ہوش دار اگر توانی دست بدامن استغفار زن و مستغفر شود دیگر تو دانی **وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانَ** ارستان باید ترسید و از زخم ایشان خود را نگاہ باید داشت بیت ماست الستم قضا را خناسیم + از غایت مستی سرو پار خناسیم + ہوشدار ہوشدار ہوشدار کار خود از دست رفتہ است و ترا خبر نیست بیت کشتی من کہ بگرداب خطر افتادست + وہ چہ بودی کہ رسیدی بکناری یاری + تو یار دیواں شدہ و شیطان گشتہ و از **رَحْمَنُ رَفَعَهُ یَا لَیْتَنِیْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِیْلًا** زخمی است کہ مردان از اسیت آن زخم بیجان

اندو بے زبان بیت اشتاب سری تو بہ دتو بہ کشادست + واز کردن تاخیر بسی واقعہ نادرست +  
 بیت بردم سر کو تو جان و ہم + این حیلہ و چارہ را باکنم + استغفر اللہ استغفر اللہ  
 استغفر اللہ من جمیع ما کرہ اللہ بیت جز یاد دوست ہر چہ کنی عمر ضائع است + جز  
 حرف عشق ہر چہ جو ابی بطلالت است + بر خیر مشتاب بیا ہیج در تک بر خود جایز مدار کہ کار اہتر  
 است و یار اہتر و زلف اہتر و ہر چہ ہست ہمہ اہتر ان شانک ہو الا ہتر دو ہرہ جگ سبایا  
 چھوڑ کر ہون نج جو گن ہون + باج پیاری ہی سکی اکیو جگ نہ لیون +

(ترجمہ) حق حق حق۔ بعد حمد و صلوٰۃ و دعائے خیر و صلاح کے عبدالرحمن کو جاننا

چاہیے۔

بگذارم این کون و مکان بگذارم این جان و جہان

جائیکہ ہست آن بے نشان گر بندہ ام آنجا

اور وہ عالم اجڑنے کا ہے (بنے سنورنے اور بڑا بننے کا عالم نہیں) راہ حق صنت  
 و عہارت نیست جو خرابی در و عمارت نیست + جو شخص کہ خدا سے رخ پھیر لے اور فساد کے  
 کام کرنے لگے وہ شغل خداوندی سے جدا ہو کر شیطانوں کے کام میں لگ جاتا اور اپنی  
 عزت انہی کاموں میں سمجھنے لگتا۔ یہ رو باں خدا جان باز ہوتے ہیں اس جہان سے پار ہو کر  
 دوست کے ساتھ ملاقات کرتے ہیں۔

این کار کسا نیست کہ نذر سرجان این خانہ خرابی زرہ بو الہوسی  
 نیست + (عبدالرحمن)

کیوں شیطان کا بندہ ہو گیا اور نفاق ظاہر کرنے لگا اور اپنا نام فمئلہ کمشل الکلب  
 کی لوح پر لکھوا لیا۔ آہ ہزار مرتبہ آہ۔ افسوس ہزار افسوس کہاں سے کہاں پہنچ گیا اور کس جگہ  
 سے کس جگہ کر گیا یہ کیا واقعہ ہے مسجد تھی بت خانہ بن گیا۔ صلاحیت میں تھا فساد کی صورت  
 میں آ گیا جلدی اٹھ جلدی کھڑا ہو جلدی دوڑ۔

ہر چہ جز حق بسوز و غارت کن ہر چہ جز دین از و طہارت کن  
 مخلص اور دوست بخا اللہ الدین الخاص ورنہ خدا سے اور مشائخ (طریق)

سے قطع تعلق ہے اور راہ حق سے جاتا رہا۔ ہماری طرف سے اجازت و خلافت کو جائز نہ سمجھے اور اس کے بعد اپنے کو شیخ و درویش نہ کہے۔ ہم سے قطع تعلق ہے۔ ہوش دار ہوش دار خبردار اگر ہو سکے تو دامن استغفار سے پکڑ اور توبہ کر اور جو ہو سکے تلافی کرو واللہ المستعان۔ مستان خدا سے ڈرنا چاہیے اور ان کے زخم سے اپنے کو بچانا چاہیے۔

ماست التسیم قضار انشاء سیم از غایت مستی سرو پار افشا سیم  
ہوشیار ہو جاؤ ہوشیار ہو جاؤ، خبردار ہو جاؤ تمہارا کام قابو سے نکل گیا ہے۔ اور تم کو خبر بھی نہیں

کشتی من کہ بگرداب خطر افتاد است وہ چہ بودی کہ رسیدی بکنا ریائے  
تو شیطان کا دوست اور خود شیطان بن گیا ہے اور رحمن سے پھر گیا۔ یا لیتنی  
لَمْ اتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا یہ ایک ایسا زخم ہے مردان (طریق) اس زخم کی ہیبت سے  
بیجان و بی زبان ہیں۔

بشتاب سوی توبہ در توبہ کشاد دست و از کردن تاخیر بسی واقعہ زاد دست  
بردم سرکونی تو جان دہم ایں حیلہ و چارہ رہا کنم  
استغفر اللہ استغفر اللہ اللہ کی پناہ مانگتا ہوں ان تمام چیزوں سے جو اس کو  
ناگوار ہیں۔

جزیاد دوست ہرچہ کنی عمر ضائع است جز حرف عشق ہرچہ بخوانی بطلالت است  
اٹھو جلدی آؤ۔ ذرا سی دیر بھی اپنے اوپر جائز نہ سمجھو کہ کام ابتر ہو گیا اور یار بھی  
ابتر اور زلف بھی ابتر اور جو کچھ ہے سب ہی ابتر ہے ان شانک ہو الا بتر دو ہرہ  
جک سبایا چھوڑ کر ہون نج جوگن ہون باج پیاری ہی سکھی اکو جگ نہ لیون

### مکتوب دوم صفحہ ۳۵۶ مکتوبات قدوسیہ

بجانب سیان عبدالرحمن شاہ آبادی حق حق حق بعد حمد و صلوٰۃ عبدالرحمن دعا، خیر و  
صلاح مطالعہ کند و بداند کہ از بعضی کسان بیوفائی و نانبجاری و نفاق وی چنداں معلوم شد کہ

در تقریر نیاید اگر واقع برین است مردود و مخزول است خدائیش ہرگز فلاح نبود این نوع از وی محال و بعید نمود از مقبولان ہرگز چنین واقع نشود و در ظن ایشان نبود لیس ہذا الاصفۃ المردودین المخزولین و در حال روی استغفار آرد و تائب گردد و مخلص و یگانہ شود تا وقت با قیمت و گرنہ مہلک قہر فرد برد و در ہادیہ سپارد و لیس لہ من دُون اللہ من وَلّٰی وَلَا نَصِیر حکمی قطعی است ہوشدار ہوشدار ہوشدار عبد الرحمن چرا عبالشیطان شود ردی بنفاق آرد تو قہر و توفیر جوید و تحقیر تنقیص فرزندان ما خواہد و العیاذ باللہ من ذلک آری مردود را همان راہ مردودی و مخزولی در پیش است چہ تو ان کرد از استاد خود شنیدہ ام دو ہرہ بہت بودی بہجاہ تون دہک جیون تیرا + سائیں تہیں تو کی بہرا دیکہہ کنب کھیرا + اکیو کام نہ اوی جب پرسی بیرا + جھوڈ پیارا سائیاں تون چاہتہ گھنیرا + قطعیت با پیران کردہ است مخزول و مطرود گشتہ است اگر اور امیر است او داند استغفر اللہ استغفر اللہ استغفر اللہ من جمیع ما کرہ اللہ قولاً و فعلاً و ضمیراً و حاضر و ناظر + اور خلافت بطوع و رغبت ندادہ ایم بکشش فرزندم شیخ حمید دادہ ایم همان خلاف برآمد و العیاذ باللہ من ذلک و کل یعمل علی شاکلہ چہ کند کہ سعید در راہ سعادت رود و شقی در راہ شقاوت رود خاتمہ بخیر باد

(ترجمہ) بعد وصلوۃ و دعائے خیر و صلاح کو عبد الرحمن مطالعہ کرے اور جان لیوے کہ بعض لوگوں سے اس کی بیوفائی اور بدکرداری اور نفاق کا حال اس قدر معلوم ہوا ہے کہ بیان میں نہیں آسکتا اگر واقعہ یہی ہے تو وہ مردود و مخزول ہو چکا بخدا اس کو ہرگز فلاح نہ ہوگی۔ یہ صورت حال اس سے ایسی محال و بعید ظاہر ہوئی کہ مقبولان الہی سے ہرگز ایسا کام واقع نہیں ہو سکتا بلکہ ان کے گمان میں بھی نہیں ہو سکتا۔ یہ طریقہ بجز مردودین و مخزولین کے کسی کا نہیں۔ اسی وقت اس کو استغفار پر توجہ کرنی چاہیے اور تائب ہو کر مخلص و دوست بننا چاہیے۔ ابھی وقت باقی ہے ورنہ تباہ کرنے والا قہر اسے نیچی ڈال دے گا اور جہنم کے سپرد کرے گا و لیس لہ من دُون اللہ من وَلّٰی وَلَا نَصِیر۔ اس کے لئے بجز خدا کے کوئی دوست و مددگار نہیں ہوگا (اور خدا کی ولایت و اعانت سے خود الگ ہو چکا تو اب کوئی بھی مددگار نہیں) یہ حکم قطعی ہے ہوشیار خبردار آگاہ ہو جاؤ۔ عبد الرحمن عبد الشیطان

کیونکر ہو رہا ہے۔ نفاق ظاہر کرتا اور اپنی توقیر و عزت چاہتا ہے اور ہمارے بیٹوں کی تحقیر و تنقیص پسند کرتا ہے العیاذ باللہ من ذلک بے شک مردود کیلئے وہی مردودی اور محزولی کا راستہ سامنے ہے کیا کیا جاوے میں نے اپنے شیخ سے سنا ہے۔ دوہرہ بہت بودی بیچاہ توں دہک جیون تیرا + سائیں تہیں تو کی بہرہ دیکھا کنب کھیرا + اکیو کام نہ اوسی جب پر سی بیرا + چوڈ پیارا سائیان توں چاہتہ گھیرا۔ اس نے پیروں سے قطع تعلق کیا ہے محزول و مطرود ہو گیا۔ اگر اسے کچھ میسر ہے تو وہ جانے۔ استغفر اللہ استغفر اللہ خدا کی پناہ ہے ہر اس چیز سے جو خدا کو ناگوار ہو خواہ وہ بات ہو یا فعل یا حدیث الفنس خدا کو سب کچھ معلوم ہے وہ حاضر و ناظر ہے۔ ہم نے اس کو اپنی خوشی سے خلافت نہیں دی تھی بلکہ اپنے فرزند شیخ حمید کی سفارش سے دی تھی وہی غلطی ہو گئی العیاذ باللہ ہر شخص اپنی حالت کے مطابق عمل کرتا ہے نیک بخت سعادت کے راستہ میں جاتا ہے اور بد بخت شقاوت کے راستہ میں جاتا ہے خاتمہ بخیر ہو جیو۔

### مکتوب سوم جزو مکتوب ص ۳۵۹ از مکتوبات قدوسیہ

تحقیق مالک عبدالرحمن عبدالشیطان آنجا بود بفاق پیش آمد قاعدہ دیگر بود و دیگر کشود و این سب خزلان و خسران و سیاہ روی دو جہان دوست ہر کہ ماہ را خاک اندازد خاک در چشم وی افتدہ ماہ را چہ زیان بلکہ در خلاف مردان زخم کاریست ہر گز فلاح نہ پذیرد مذہبت بس تجربہ کردیم درین دیر مکافات + باورد کشان ہر کہ در افتاد بر افتاد

(ترجمہ) عبدالرحمن بلکہ عبدالشیطان وہاں تھا وہ (میرے بیٹے کے ساتھ)

نفاق سے پیش آیا قاعدہ کچھ تھا اس نے دوسرا راستہ نکالا۔ اور یہ اس کی خزلان و خسران اور دونوں جہان کی رویا ہی کا سبب ہے جو کوئی چاند پر خاک ڈالے گا اسی کی آنکھ میں خاک پڑے گی۔ چاند کا اس سے کیا نقصان ہے بلکہ مردان خدا کی مخالفت میں ایسا کاری زخم ہے کہ ہر گز فلاح نہیں ہو سکتی۔

بس تجربہ کردیم درین دیر مکافات باورد کشان ہر کہ در افتاد بر افتاد



(ایک خط میں حضرت قطب الاقطاب نے اپنے ایک بہت بڑے مایہ ناز مرید کو کہ وہ بھی خلیفہ و مجاز میں یہ تحریر فرمایا ہے)۔

### مکتوب چہارم ص ۳۵۸ مکتوبات قدوسیہ

بجانب شیخ جلال حق حق بعد حمد و صلوة دعا خیر و صلاح شیخ جلال مرتکب تباہی بخيال از فقیر حقیر عبد القدوس اسمعیل الحنفی مطالعہ کند بدانکہ ہر کہ رو و از پیران بگرداند و تحقیر فرزند ان ایشان بکند مردود ہر دو جہان و مطر و گرد و اولادنا اکبادنا مخصوص کہ اہل اللہ و اہل حق باشند اگر تعظیم و تکریم ایشان نکنند جز لعنت دیگر باریار و با این نفاق دین کجا و معرفت کجا و مشاہدہ کجا اگر اخلاص و اتحاد و خدمتگاری با فرزند ان مانا باشد و خود را شیطان صفت شیخ ملاحظہ گویند و جاہ نفسانی و عز شیطانى خواهد آنچه دعوی بمشاہدہ ربانی و ذوق سبحانی میکند آنہمہ و سوسہ شیطان ست و مَکْرُوا و مَکَرَ اللّٰهُ و اللّٰهُ خَيْرُ الْمَاکِرِیْنَ زخم جان عارفانست از ہیبت این زخم واقعہ مکر عارفان خواهند کہ در عدم شیوند و ناچیز گردند بیت کاشکے ہرگز نبودے نام من + نا نبودے ننس و آرام من + در ابہام عاقبت ہمیں سرست و ہمیں ہیبت کجا کسی یا خود است تا با غر خود و چاہ خود ساکن گرد و آن برادر کہ بیچ التفات بفرزندم شیخ احمد نمیکند و آمد و شد نمیکند تعظیم و تکریم وی نمی آرد و خبر اونمی ستاند و غم روزگار اونمی خور و غیب نمود و محال کشود و بعضی معاملات آن برادر چنان معلوم شد کہ بیچ ملعونے و بیچ مردودے نلند و کتابت برادری با جفت کفش بطور دیگر رسید و معاملہ بطور دیگر و انمود اگر دیندار ست و طالب کردگار در خدمتگاری فرزندم شیخ احمد باشد و سر در قدم او آرد و ہمہ کار ہا بر خود لازم گیرد و تواضع و تکریم و خدمتگاری فرزندم کما حقہ بجا آرد و اگر چنین نکلند از مایزاری و اند و خدا و رسول خدا را آزادی و اند ہرگز روی اونہ نیئم و نام اونلیرم بہشتاد رسیدہ ایم امروز فردا در گزریم کار خود بہوشیاری کند شیطان زندہ است بسیار آزار اہ زندہ است بلعم با عور و شیخ بر صیصا از زخم او بدوزخ رسیدہ اند بسیار چہ نوہسم خاطر اتر شدہ است اگر چیزی کردن بتواند بکند و بخدمت و اخلاص پیش رود و اگر نہ باما قتیعت ابدی شدہ است یقین



واند یقین داند واللہ المستعان۔

(ترجمہ) حق حق حق۔ بعد حمد و صلوة دعائے خیر و صلاح کے شیخ جلال جو میرے خیال میں تباہی کے مرتکب ہیں۔ فقیر حقیر عبدالقدوس اسمعیل حنفی کی طرف سے مطالعہ کریں اور جانیں کہ جو شخص پیروں سے اعراض اور ان کے فرزندوں کی تحقیر کرے گا دونوں جہاں میں مطرود و مردود ہو جائے گا اولاد ناکہادنا ہماری اولاد ہمارے جگر گوشہ ہیں خصوصاً (وہ اولاد) جو کہ (خود بھی) اہل اللہ اور اہل حق ہوں اگر ان کی تعظیم و تکریم نہ کرو گے تو بجز لعنت کے اور کچھ پھل نہ ملے گا اس نفاق کے ساتھ دیں کہاں اور معرفت کہاں مشاہدہ کہاں اگر اخلاص و اتحاد اور خدمتگاری ہمارے فرزندوں کی نہ ہو اور اپنے کو شیطان کی طرح ملاحظہ اور بد دینیوں کا شیخ مشہور کرے اور جاہ نفسانی اور عزت شیطانی طلب کرے تو جو کچھ دعوے مشاہدہ ربانی اور ذوق و شوق سبحانی کا کیا جاتا ہے وہ سب شیطانی دوسہ ہے۔ و مکر و او مکر اللہ واللہ خیر الماکرین یہ عارفوں کی جان کا زخم ہے اس زخم مکر کی ہیبت سے عارفین یوں چاہتے ہیں کہ مٹ جائیں نیست و نابود ہو جائیں۔ کاشکی ہرگز نبودی نام من + تانبودی جنبش و آرام من + انجام کے مخفی رکھنے میں یہی راز اور یہی ہیبت ہے۔ کوئی اپنی ذات کے ساتھ موجود ہی کہاں ہے یہاں تک کہ وہ اپنی عزت و جاہ کے ساتھ ساکن و مطمئن ہونا چاہتا ہے۔ اور آن برادر (یعنی مکتوب الیہ جو کہ میرے فرزند شیخ احمد کی طرف۔ کچھ التفات نہیں کرتے نہ ان کی خدمت میں آمد و رفت کرتے ہیں نہ ان کی تعظیم و تکریم بجالاتے ہیں نہ ان کی خبر لیتے نہ ان کا غم کھاتے ہیں۔ عجیب برتاؤ ظاہر کیا اور نفاق کھول دیا اور بعضے معاملات آن برادر کے ایسے معلوم ہوئے ہیں کہ کوئی مردود اور کوئی ملعون ایسا نہیں کر سکتا۔

اگر آپ دیندار ہیں اور خدائے طالب تو میرے فرزند شیخ احمد کی خدمتگاری میں رہیں اور ان کے قدموں میں سر رکھیں اور ان کے تمام کام اپنے اوپر لازم سمجھیں اور خاطر تواضع و تعظیم و تکریم میرے فرزند کی کما حقہ بجالائیں۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو ہماری طرف سے بیزاری جانو اور خدا و رسول خدا کی دل آزاری سمجھو۔ میں ہرگز تمہارا منہ نہ دیکھوں گا

نہ کبھی نام لوں گا۔ میں اسی سال کی عمر کو پہنچ گیا ہوں آج کل میں چل بسوں گا اپنا کام ہوشیاری سے کرو شیطان زندہ ہے اس نے بہتوں کا راہ مارا ہے۔ بلعم باغور اور شیخ برصیصا اس کے زخم سے جہنم میں پہنچ چکے ہیں زیادہ کیا لکھوں خاطر ناساز ہے۔ اگر کچھ کر سکتے ہو کر لو۔ اور خدمت اور اخلاص کے ساتھ پیش آؤ ورنہ ہم سے ہمیشہ کیلئے قطع تعلق ہو چکا ہے۔ یقین جانو یقین جانو واللہ المستعان اھ۔

ناظرین نے غور کیا ہوگا ان مکتوبات میں حضرت قطب الاقطاب نے اپنے بعض بڑے بڑے خلفاء کو ایک ذرا سی بے اعتنائی پر جو فرزند شیخ کے ساتھ ان سے ظہور میں آئی تھی سلب خلافت و اجازت و مطرودیت و مردودیت وغیرہ کی کیسی سخت سخت دھمکیاں دی ہیں تو بھلا جس شخص نے خود اپنے عارف و متبع سنت شیخ کے ساتھ بے اعتنائی سے زیادہ بے حیائی گستاخی و عداوت کا وہ برتاؤ کیا ہو جو کوئی دشمن کسی دشمن کے ساتھ بھی نہیں کر سکتا تو اس کے مردود ہونے میں کیا کسر رہ گئی ہے۔ (۲) جن حضرات کو شیخ نے یہ دھمکیاں تحریر فرمائی ہیں انہوں نے بہت جلد خائف و ترسان ہو کر توبہ و معذرت کی اور حضرت شیخ کی اولاد ہی کو طلب عفو کا ذریعہ بنایا جس کے بعد ان کا قصور معاف ہوا اور نعمت سلب شدہ پھر واپس مل گئی۔ (جیسا کہ مکتوبات مندرجہ ص ۳۶۰ و ۳۳۲ سے معلوم ہوتا ہے) اور یہ علامت ہے ان حضرات کی سعادت مندی کی اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سے جو کچھ بے اعتنائی فرزند شیخ کے ساتھ ظاہر ہوئی تھی وہ کسی عذر یا تساہل کی وجہ سے تھی عناد یا تحقیر کا قصد نہ تھا و فقنا اللہ تعالیٰ لما یحب و یرضی و نعوذ باللہ من غضب اللہ و غضب رسولہ و غضب اولیائہ اجمعین آمین۔

(طرفہ) اس مضمون کے ختم کر چکنے کے بعد جی چاہا کہ اس موزی کے متعلق دیوان حافظ سے تفاؤل کروں اور جو کچھ مضمون نکلے ناظرین کی تصریح طبع کیلئے پیش کروں چنانچہ بعد فاتحہ اور دعا کے بسم اللہ کر کے جو دیوان مذکور کھولا تو ص ۲۰۲ کے شروع ورق ہی پر اشعار ذیل نمودار ہوئے جو اس موزی کی حالت کے بالکل مطابق ہیں۔

چند بنار پردرم مہر بتان سنگ دل یاد پدر نمی کنندن این پسران ناخلف

از خم ابروئے توام ہیج کشائے نشد      وہ کہ درین خیال کج عمر عزیز شد تلف  
الی قولہ

بیخبر نذر زاهدان نقش بخوان ولا تقل      مست ریاست محتسب یادہ بنوش ولا تحف  
صوفی شہر مین کہ چون لقمہ شبہ می خورد      پال دوش دراز یاد ایں حیوان خوش علف  
شعر اول میں سنگدلی و احسان فراموشی اور پسر نا خلف ہونے کا ذکر ہے۔  
دوسرے شعر میں کجی طبیعت کی طرف اشارہ ہے تیسرے شعر میں زاهد و محتسب کو بیخبر اور ریا  
کار بتلایا ہے یہ ایک واقعہ ہے کیونکہ اس موذی کو بھی زہد و احتساب کا بڑا دعویٰ تھا مگر سب  
کا منشار یا کاری اور طریق سے بیخبری تھی چوتھے شعر میں ذریعہ معاش کے مشتبہ ہونے کا  
ذکر ہے اور اس وجہ سے اس کو حیوان خوش علف کہا گیا ہے یہ بھی ایک واقعہ ہے اس موذی  
کو توکل کا ایسا دعویٰ تھا کہ جائز صورت ملازمت کو بھی حرام سمجھتا تھا اور اب وہ سب توکل  
خاک میں مل گیا اور ایسی جگہ ملازمت ہے جہاں چندہ حلال و حرام کی کچھ پروا نہیں۔

اعاذنا اللہ منہ اللہم ارحمنا بترک المعاصی ابداما

ابقیتنا و ارزقنا حسن النظر فیما یرضیک عنا

ظفر احمد رحمہ اللہ



القول الماضي في نصب القاضى



## ﴿القول الماضي في نصب القاضي﴾

### سوال ۱

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ آجکل بعض مسلمان ممبران کونسل گورنمنٹ سے یہ درخواست کرنے والے ہیں کہ ہندوستان میں مسلمانوں کیلئے منصب قضا قائم کر دیا جائے اس کے متعلق چند امور دریافت طلب ہیں۔

(۱) کیا شرعاً مسلمانوں کیلئے نصب قاضی ضروری ہے۔

(۲) قاضی کی تعریف کیا ہے اور کون شخص قاضی بن سکتا ہے۔

(۳) کن کن معاملات میں قاضی کی ضرورت ہے۔

(۴) جن معاملات میں قاضی کی ضرورت ہے ان میں حاکم غیر مسلم کا فیصلہ

معتبر ہے یا نہیں۔

(۵) اگر کسی جگہ کے مسلمان بطور خود اتفاق کر کے فسخ نکاح وغیرہ کے لئے کسی

کو قاضی بنالیں تو وہ قاضی شرعی ہوگا یا نہیں اور اس کے فیصلے ان معاملات میں جن میں قاضی کی ضرورت ہے معتبر ہوں گے یا نہیں۔

(۶) اگر گورنمنٹ اپنی طرف سے ہندوستان میں کسی مسلمان کو فسخ نکاح وغیرہ

کیلئے قاضی بنادے تو وہ قاضی شرعی ہو سکتا ہے یا نہیں اور اس کے فیصلے فسخ نکاح وغیرہ میں معتبر ہونگے یا نہیں۔

(۷) مسلم ممبران کونسل جو درخواست نصب قاضی کے متعلق کونسل میں پیش

کرنے والے ہیں اس میں عامہ مسلمین کو ان کے ساتھ اتفاق کرنا چاہیے یا نہیں اور اس

یہ تحریر اس زمانہ میں ہے جب ہندوستان پر انگریزوں کی حکومت تھی۔



معاملہ میں ہم کو کوشش کرنا چاہیے یا نہیں۔

## الجواب

(۱) قاضی شرعی کا قائم کرنا مسلمانوں کے ذمہ فرض ہے جہاں قدرت ہو۔ جیسے دارالاسلام اور جہاں قدرت نہ ہو جیسے ہندوستان تو وہاں حکومت سے اس کے متعلق درخواست کرنا ضروری ہے۔

قال فی البدائع فنصب القاضی فرض لانه ينصب لا قامة مفروض وهو القضاء قال الله سبحانه وتعالى لنبينا المكرم عليه افضل الصلوة والسلام فاحكم بينهم بما انزل الله والقضاء هو الحكم بين الناس بالحق والحكم بما انزل الله عز وجل فكان نصب القاضی لا قامة الفرض فكان فرضاً ضرورياً وقد سماه محمد . فريضة محكمة لانه لا يحتمل النسخ لكونه من الاحكام التي عرف وجوبها بالعقل والحكم العقلي لا يحتمل الانتساخ والله تعالى اعلم اه ملخصا (ص ۲ ج ۷)

(۲) فی العالمگیریہ . والقضاء فی الشرع قول ملزم يصدر عن ولاية عامة كذا في خزانة المفتين ولا تصح ولاية القاضی حتی تجمع فی المولی شرائط الشهادة كذا في الهداية من الاسلام والتكليف والحرية و كونه غير اعمى ولا محدوداً في القذف ولا اصم ولا اخرس واما لا طرش الذي يسمع القوى من الاصوات فلا صح جواز توليته كذا في النهراہ (ص ۱۶۰ ج ۴) وفي الدر لمختار القضاء شرعاً فصل الخصومات وقطع

المنازعات و اركانه ستة حكم و محكوم به وله محكوم  
عليه و حاكم و طريق و اهله اهل الشهادة و الفاسق اهلها  
فيكون اهله لكنه لا يقلد و جوباً و ياثم مقلده كقابل

شهادته به يفتى ۱ھ (۴۶۴ ج ۴)

اس سے معلوم ہوا کہ قاضی کیلئے صاحب حکومت ہونا رکن قضا ہے کہ جس مقام پر وہ قضا کرتا ہے وہاں پر اس کی ولایت و حکومت عام ہو (گو کسی خاص فرقہ ہی پر ہو) اور گو خاص خاص معاملات ہی میں ہو، قال فی رد المختار ثم القاضي تنقيد ولايته بالزمان والمكان والحوادث اھ ص ۴۶۲ ج ۴) غیر صاحب حکومت قاضی نہ ہوگا اور صحت قضا کے لئے قاضی میں ان اوصاف کا ہونا ضروری ہے۔ مسلمان ہونا کافر نہ ہو عاقل بالغ ہو آزاد ہو غلام نہ ہو۔ سوانکھا ہو کواندھانہ ہو۔ محدود فی القذف نہ ہو۔ اور بہرا گونگانہ ہو باقی اونچا سنتا ہو تو اس کا مضائقہ نہیں اور ضروری ہے کہ قاضی عالم بھی ہو اگر مسلمان جاہل کو قاضی بنا دیا گیا اور وہ مقدمات میں علماء سے استفتاء کر کے فیصلہ کر دے یہ بھی ممکن ہے مگر بہتر نہیں کیونکہ علماء کے جواب کو بخوبی سمجھنے میں جاہل سے کوتاہی ہوگی اور غلطی کرے گا۔ اور عالم کے ہوتے ہوئے جاہل کو قاضی بنانے سے مسلمان گنہگار ہوں گے جبکہ حکومت کی طرف سے ان کو انتخاب کا حق دیا جائے اور اگر فاسق کو قاضی بنا دیا جائے۔ تو وہ قاضی ہو جائے گا مگر فاسق کو قاضی بنانا جائز نہیں اور فاسق وہ ہے جو کناہ کبیرہ کا مرتکب ہو اور توبہ نہ کرے یا صغیرہ پر اصرار کرتا ہو باقی جن مسائل میں قضاء قاضی شرط ہے جن کا ذکر آگے آتا ہے ایسے مسائل میں حاکم کافر کا فیصلہ ہرگز کافی نہیں حاکم کافر کے فیصلہ سے نہ نکاح فسخ ہو سکتا ہے۔ نہ طلاق واقع ہو سکتی ہے نہ ثبوت نسب ہو سکتا ہے نہ مفقود کو میت کہا جاسکتا ہے۔ وغیر ذلک۔

(۴ و ۳) شریعت محمدیہ اور ملت اسلامیہ میں بعض معاملات ایسے ہیں جن میں

قاضی شرعی یعنی حاکم مسلم کا فیصلہ ہی معاملہ کو فیصلہ کر سکتا ہے حاکم غیر مسلم کا فیصلہ ان معاملات میں کسی درجہ میں بھی مفید نہیں ہو سکتا بلکہ شرعاً حاکم غیر مسلم کا فیصلہ ان معاملات میں کالعدم اور غیر قابل اعتبار ہے نمونہ کیلئے میں چند مسائل کا ذکر کرتا ہوں جن میں

مسلمانان ہند کو قاضی شرعی کی سخت ضرورت پڑتی ہے۔

(۱) کسی لڑکی کا نکاح بونع سے پہلے اس کے ولی نے جو باپ دادا کے سوا ہو کر دیا اور بالغ ہونے پر لڑکی اس نکاح سے راضی نہیں تو اس نکاح کو قاضی شرعی چند شرائط کے ساتھ فسخ کر سکتا ہے حاکم غیر مسلم اگر فسخ کرے گا تو وہ فسخ معتبر نہ ہوگا۔ شامی مع درمختار (ص ۴۸۶ ج ۲) و ہدایہ (ص ۲۵۷ جلد ۲)

(۲) کسی بالغ عورت نے اپنا نکاح خاندانی مہر سے کم مقدار پر یا کسی غیر کفو سے بدون رضائے ولی کے خود کر لیا تو اصل مذہب میں خاندان والوں کو حق دیا گیا ہے کہ وہ قاضی کی عدالت میں دعویٰ کر کے پہلی صورت میں مہر پورا کرا لیں اور دوسری صورت میں نکاح کو فسخ کر دیں شامی مع درمختار (ص ۴۸۶ ج ۲ و ص ۵۸۱ ج ۲) فسخ کرنا قاضی ہی کا کام ہے دوسرے کا نہیں۔

(۳) کسی شخص نے اپنے بیٹے کی بیوی سے زنا کیا یا بدعتی سے ہاتھ لگایا تو یوں عورت اپنے شوہر کیلئے حلال نہیں رہی مگر نکاح اس وقت تک نہیں ٹوٹتا جب تک قاضی نکاح کو فسخ نہ کرے یا زوجین خود قطع تعلق نہ کر دیں اور آجکل بعض دفعہ شوہر قطع تعلق نہیں کرتا تو بدون قاضی شرعی کے ایسی عورت کو سخت تکلیف ہوتی ہے۔ شامی مع درمختار (ص ۴۶۳ ج ۲)

(۴) شوہر نامرد ہو اور بیوی کو طلاق بھی نہ دیتا ہو تو اس نکاح کو ایک سال کی مہلت دینے کے بعد قاضی فسخ کر سکتا ہے۔ عالمگیری (ص ۱۵۶ ج ۲) بدون قاضی کے ایسی صورت میں عین کی بیوی کو سخت مصیبت کا سامنا ہے۔

(۵) اسی طرح شوہر مجنون ہو جاوے تو اس کے نکاح کو بھی قاضی ہی فسخ کر سکتا ہے عالمگیری (ص ۱۵۷ ج ۲)

(۶) کسی عورت کا خاوند لاپتہ ہو جاوے۔ تو اس کی بیوی کو ایک خاص مدت کے بعد جس کی تحقیق کتب مذہب میں ہے قاضی شرعی مفقود کے نکاح سے خارج کر سکتا ہے۔ عالمگیری ص ۱۷۶ ج ۳۔

(۷) اگر شوہر کسی وقت اپنی بیوی کو زنا سے متہم کرے یا اس کی اولاد کو غیر مرد کی

بتلاوے تو عورت عدالت قاضی میں مرافعہ کر کے لعان کر سکتی اور اپنی ہتک حرمت کا بدلہ لے سکتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یا تو شوہر کو اگر وہ جھوٹا ہوا اس تہمت کی سزا ملے گی یا نکاح فسخ کرادیا جائے گا۔ عالمگیری (ص ۱۵۲، ۱۵۱ ج ۲)

(۸) اگر کسی نابالغ لڑکی کا کوئی ولی نہ ہو اور پرورش کے لئے جلدی نکاح کرنے کی ضرورت ہو تو ایسی لاوارث لڑکیوں کا ولی قاضی ہے (عالمگیری ص ۱۱ جلد ۲) بدون قاضی شرعی۔ ان مسائل میں مسلمانوں کو بڑی دقت کا سامنا ہوتا ہے۔ ہم نے مدارس عربیہ میں ایسے سوالات کے جوابات میں علماء کو یہی لکھتے ہوئے دیکھا ہے کہ اگر قاضی شرعی مفقود کی موت کا حکم کر دے یا عینین کا نکاح فسخ کر دے تو عورت دوسرے مرد سے نکاح کر سکتی ہے اور قاضی شرعی نہ ہو تو عورت کو بجز صبر کے کچھ چارہ نہیں۔

(۹) اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دیکر یہ دعویٰ کرے کہ میں نے ہوش و حواس کی حالت میں طلاق نہیں دی بلکہ میں مدہوش یا مغلوب الغضب تھا تو اس صورت میں عورت کو شوہر کے اس قول کی تصدیق جائز نہیں بلکہ اس مقدمہ کا مرافعہ قاضی کی عدالت میں لازم ہے اگر وہ اس طلاق کو طلاق تسلیم نہ کرے جس کی خاص شرائط ہیں تب تو عورت شوہر کے پاس رہ سکتی ہے ورنہ نہیں رہ سکتی۔ شامی مع الدرباب طلاق المدہوش جلد ۲۔

(۱۰) کسی نے نکاح فاسد کر لیا تو اس نکاح کو قاضی ہی فسخ کر سکتا ہے یا شوہر بیوی کو خود چھوڑ دے (عالمگیری ص ۴۰ ج ۲) اگر وہ نہ چھوڑے تو بدون قاضی کے عورتوں کو اس حالت میں سخت مصیبت کا سامنا ہے۔

یہ چند مسائل صرف باب نکاح و طلاق کے بطور نمونہ کے عرض کئے گئے ہیں باقی ابواب نسب وقف و میراث وغیرہ میں جو مسائل قاضی شرعی کے وجود پر موقوف ہیں وہ اس سے بھی زیادہ ہیں۔ جن میں بدون قاضی کے مسلمانان ہند کو سخت تکلیف ہے اور اس تکلیف کو وہ بدون گورنمنٹ کی امداد کے حل نہیں کر سکتے۔ کیونکہ قاضی کے لئے مسلم ہونے کے ساتھ صاحب حکومت ہونا بھی ضروری ہے اگر کسی جگہ کے مسلمان از خود کسی کو قاضی بنانا چاہیں تو وہ قاضی نہ ہوگا محض حکم اور ثالث ہوگا جس کا فیصلہ اسی وقت مفید ہو سکتا ہے

جبکہ مدعی و مدعی مایہ دونوں اپنا معاملہ اس کے سپرد کر دیں اور اگر ایک فریق سپرد کرنا چاہے دوسرا نہ چاہے تو اس صورت میں ثالث اور حکم کا فیصلہ کسی درجہ میں بھی معتبر نہیں۔

قال فی العالمگیریۃ. والقضاء المولی شرائط

الشهادة کذا فی الهدایۃ من الاسلام و التکلیف

والحریۃ الخ (ص ۱۶۰ ج ۴) وفيها ایضاً و اذا اجتمع

اهل بلدة علی رجل وجعلوه قاضیا یقضى فیما بینهم لا

یصیر قاضیا الخ (ص ۱۶۴ ج ۴)

ان عبارات میں تصریح ہے کہ قاضی کے لئے مسلمان ہونا صاحب حکومت ہونا شرط ہے اور یہ کہ کسی جگہ کے مسلمان از خود کسی کو قاضی بنالیں تو وہ قاضی نہ ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ صاحب حکومت قاضی وہی ہو سکتا ہے جو سلطنت کی طرف سے مقرر کیا جاوے اس لئے گورنمنٹ کی امداد کے اس مسئلہ میں مسلمانان ہند سخت محتاج ہیں کیونکہ بدون قاضی کے بعض مسائل میں ان کا دین برباد ہوتا ہے اور غیر مسلم حکام کا فیصلہ ان مسائل میں جو قضاء قاضی کے محتاج ہیں محض لغو اور کالعدم ہے اس لئے مسلمانوں کو نہایت التجا کے ساتھ گورنمنٹ سے درخواست کرنا چاہیے کہ وہ ہندوستان میں منصب قضاء کو قائم کر کے اپنی مسلم رعایا کو ان مشکلات سے نجات دے اور جب تک منصب قضاء کی تجویز مکمل نہ ہو اس وقت تک کے لئے کم از کم یہی قانون مقرر کر دیا جاوے کہ جو مسائل قضاء قاضی کے محتاج ہیں ان کا فیصلہ غیر مسلم حکام نہ کریں بلکہ ایسے مقدمات مسلم حکام ہی کے سپرد ہوں اور مسلم حکام کو ہدایت کی جائے کہ ان مسائل میں علماء سے صورت مقدمہ بیان کر کے شرعی حکم حاصل کریں اور شرعی فتوے کے مطابق مقدمہ کا فیصلہ کر دیں اور اپنے فیصلہ کے ساتھ عالم کے فتوے کو بھی ختمی کر دیا کریں۔ جیسا کہ میراث و تقسیم ترکہ کے مقدمات میں ابھی بھی ایسا ہی کیا جاتا ہے اگر یہ صورت بھی ہو جائے تو مسلمانان ہند کی مشکلات بہت کچھ کم ہو جائیں گی ہمیں قوی امید ہے کہ گورنمنٹ ہماری اس درخواست پر ضرور توجہ کرے گی اور اپنی مسلم رعایا کو شکر و امتنان کا موقع دیگی۔ واللہ المستعان فی کل

باب وهو المیسر لكل صعب

(۵) قال فی الدر و یحوز تقلد القضاء من السلطان العادل  
والجائر ولو کان کافر ذکره مسکین وغیره الا اذا کان یمنعه  
عن القضاء بالحق فیحرم اه (ص ۳۶۸ ج ۴) فی  
العالمگیریة. والاسلام لیس بشرط ای فی السلطان الذی  
یقلد کذا فی التاتر خانیة اه (صفحہ ۱۶۰ ج ۴)

اس سے معلوم ہوا کہ ہندوستان میں اگر گورنمنٹ اپنی طرف سے کسی مسلمان کو  
قاضی بنادے اور جن مسائل میں قضا، قاضی کی ضرورت ہے ان میں اس کو فیصلہ کا اختیار  
دے دے تو وہ شرعی قاضی ہو جاوے گا اور اس کے فیصلے نسخ نکاح و ایقاع طلاق و ثبوت  
نسب و حکم موت مفقود وغیرہ میں نافذ ہونگے بشرطیکہ اس کو موافق حکم شرع فیصلہ کرنے کا  
اختیار دیا جائے خلاف حکم شرع فیصلہ پر مجبور نہ کیا جائے۔

(۶) قال فی العالمگیریة و اذا اجتمع اهل بلدة علی  
رجل وجعلوه قاضياً یقضى فیما بینهم لا یصیر قاضیا ولو  
اجتمعوا علی رجل وعقد و امعه عقد السلطنته او الخلافة  
یصیر خلیفة و سلطاناً اه (ص ۱۶۳ ج ۴)

اس سے معلوم ہوا کہ ہندوستان میں کسی جگہ کے مسلمان بطور خود بدون گورنمنٹ  
کی اجازت کے اگر کسی کو قاضی بنالیں تو وہ قاضی نہ ہوگا کیونکہ اس کی ولایت عامہ نہ

قلت فلا یروى عندهما فی ردالمحتار (ص ۷۷ ج ۴) وهذا حیث لا ضرورة والا  
فلهم ای للامة تولیة القاضی ایضاً کما یأتی بعده وقال بعد اسطر واما بلاد علیها ولایة  
کفار فیجوز للمسلمین اقامة الحمیم والا عبادو یصیر القاضی قاضیا بتراضی  
المسلمین اه فی مضاء انه یصیر قاضیا بتراضی المسلمین اذا حصلت له ولایة عامه  
فی محلل فتد۔ لما عرفت ان الولاية احد از کان القضاء و اهل الهند لو جعل قاضیا  
مهم بتراضیهم : یكون له ولایة عنی احد اصلا کما هو مشاهد من حالهم فائهم



ہوگی۔ البتہ حکم ہو جائے گا جس کا فیصلہ اسی وقت معتبر ہوگا جبکہ مدنی اور مدنی علیہ دونوں رضا مندی سے اپنے معاملہ کو اس کے سپرد کر دیں اور اگر ایک نے معاملہ سپرد کیا اور دوسرے نے سپرد نہ کیا تو اس صورت میں حکم کا فیصلہ کا اعدام ہے اور فریقین باہمی رضا مندی سے اگر کسی کو حکم بنالیں اور وہ موافق حکم شرعی فیصلہ کر دے تو اسے بھی منہج نکاح وغیرہ کا اختیار ہوگا اور اس کے منہج سے نکاح منہج ہو جائے گا۔ یعنی جب معاملہ سپرد کر دیا گیا اور فیصلہ تک تحکیم سے کسی فریق نے رجوع نہ کیا تو اب حکم کا فیصلہ بھی مثل فیصلہ قاضی کے لازم و نافذ ہو جائے گا، پھر کوئی فریق اس کو توڑ نہیں سکتا۔ بشرطیکہ فیصلہ موافق حکم شرع ہو۔

قال الشامی . اما المحکم فشرطه اهلیۃ القضاء و

یقضی فیما سوی الحدود والقصاص ۱۵ (ص ۴۶۲ ج ۴)

وفیه ایضاً التحکیم عرفاتو لیه الخصمین حاکماً

یحکم بینہما ببینۃ او اقرار او نکول و رضیا بحکمہ

(الی ان حکم احتراز عما لو رجعا عن تحکیمہ قبل

الحکم او عما لو رضی احدهما ما فقط ۱۲ شامی)

صح فی غیر حدود و دودۃ علی عاقلۃ لان حکم

المحکم بمنزلۃ الصلح و هذا لا تجوز بالصلح فلا

تجوز بالتحکیم و ینفرد احدهما بنقضہ ای التحکیم

بعد وقوعہ فان حکم لزمہما ولا یبطل حکمہ بعزلہما

لصدورہ عن ولایۃ شرعیۃ ۱۵ (ص ۵۴۰ ج ۴)

(۷) جب یہ معلوم ہو چکا کہ قاضی شرعی کا قائم کرنا مسلمانوں کے ذمہ فرض

ہے اور یہ بھی ثابت ہو چکا کہ بعض معاملات میں حاکم غیر مسلم کا فیصلہ شرعاً معتبر نہیں۔ بلکہ

حاکم مسلم کا فیصلہ ضروری ہے تو عامہ مسلمین پر ضروری ہے کہ وہ اپنی اس شرعی ضرورت کو

گورنمنٹ کے سامنے پیش کر کے درخواست کریں کہ ہندوستان میں منصب قضا کو قائم کر

کے اپنی مسلم رعایا کو مشکلات سے نجات دے۔ چونکہ گورنمنٹ اپنی رعایا کی راحت رسائی



بہت زیادہ خیال کرتی ہے بالخصوص مذہبی معاملات میں اس کو ہر طرح آسانی بہم پہنچاتی ہے۔ اس لئے قوی امید ہے کہ یہ درخواست منظور ہوگی۔

نیز جو مسلم ممبران کونسل اس مسئلہ کو کونسل میں پیش کرنے والے ہیں ان کے ساتھ سب مسلمانوں کو اتفاق رائے ظاہر کرنا چاہیے اور ہر ضلع کے مسلمانوں کو اپنی طرف سے الگ الگ اس مسئلہ کی ضرورت ظاہر کرنا چاہیے کیونکہ گورنمنٹ کی طرف سے جو بے توجہی اب تک اس مسئلہ میں ہوئی ہے اس کا سبب صرف یہ ہے کہ اس کو بنو ضرورت کی اطلاع اہمیت کے ساتھ کسی نے نہیں کی۔ ضرورت پر مطلع ہو کر امید ہے کہ گورنمنٹ بہت جلد مسلمانوں کے حال پر توجہ فرمائے گی۔

الجواب صواب بلا اریاب اشرف علی ۴ ذی الحجہ ۱۳۴۲ھ

حررہ الاحقر ظفر احمد رحمہ اللہ عنہ خانقاہ امدادیہ تھانہ بون ۴ ذی الحجہ ۱۳۴۲ھ

تمت رسالہ القول الماضی فی نصب القاضی



ذکر محمود



## ضمیمہ ذکر محمود ﴿﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

﴿الحمد لله الذي كل شيء ما خلاه باطل وهو الحي  
المعبود. والصَّلوة والسلام على افضل الرسل سيدنا  
محمد ن الذي هو فخر كل موجود. خاتم الرسالة  
وصاحب الشفاعة العظمى والمقام المحمود. وعلى اله  
واصحابه واتباعه الطيبين الطاهرين الفائزين  
بالمقصود﴾

اما بعد

احقر ظفر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ عرض کرتا ہے کہ حضرت سیدنا امیر المومنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کا ارشاد ہے اذا ذکر الصالحون فحيلا بعمراً (رواہ السیوطی فی الجامع الکبیر) جب صالحین کا ذکر کیا جائے تو (حضرت) عمرؓ کا تذکرہ ضرور ہونا چاہیے اھ۔ اس ارشاد سے ذکر صالحین کی اہمیت اور ان میں سے بالخصوص کالمین کی اقدسیت مستنبط ہوتی ہے اس سنت کا اتباع کرتے ہوئے دل چاہتا ہے کہ اس وقت ناظرین کے سامنے حضرت اقدس شیخ العالم قطب العارفین کہف الطالبین مولانا محمود حسن المحدث العارف الصوفی الدیوبندی قدس اللہ سرہ کا جو شدت و غلظت علی المعاندین و رحمت و رافت بالمسلمین میں اپنے وقت کے عمر اور سیاست میں عثمان وقت تھے مختصر تذکرہ پیش کروں۔ کیونکہ مفصل تذکرہ لکھنا انہی حضرات کا کام ہے جو حضرت کی طول صحبت و ملازمت

خدمت سے زیادہ مشرف ہوئے ہیں۔ جس سے یہ ناکارہ محروم ہے اور اس کو رسالہ ذکر محمود کا جو کہ حضرت حکیم الامت مجدد الملت مربی روحانی و جسمانی سیدی مولانا محمد اشرف علی صاحب رحمہ اللہ نے اس احقر کی درخواست پر مولانا ممدوح قدس سرہ کے تذکرہ میں بالاختصار تحریر فرمایا ہے ضمیمہ سمجھنا چاہیے۔ حق تعالیٰ اس کو قبول فرمائیں اور اس ناکارہ کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے فیوض برزخیہ سے فیضیاب فرمائیں۔

منشاء اس تحریر کا صرف یہ ہے من احب شینا اکثر ذکرہ کہ جس کو جس سے محبت ہوتی ہے وہ اس کو بہت یاد کرتا ہے جیسا کہ اس مضمون کو حضرت مولانا رومی قدس اللہ سرہ نے ایک حکایت کے ضمن میں بیان فرمایا ہے۔

گفت اے مجنون لیلیٰ چیست ایں	می نویسی نامہ بہر کیست ایں
گفت مشق نام لیلے می کنم	خاطر خود را تسلی می دہم
باز گواز نجد و زیاران نجد	تاد و دیوار را آری بوجد
یاد یاران یار رامیموں بود	خاصہ کان لیلیٰ و ایں مجنون بود

اور مقصود یہ ہے کہ طالبانِ راہ حق کو اتباع اور اقتدا کا ایک نمونہ کہلا دیا جائے اور بس۔ اس لئے امید ہے کہ الفاظ کی بے ربطی پر التفات نہ فرما کر اصل مقصود سے منتفع ہونے پر نظر رکھی جائے گی۔ اس ضمیمہ میں بھی اصل رسالہ کی طرح واقعات کو نمبر وار بعنوان (ذکر) بیان کیا جائیگا۔

### (ذکر نمبر ۱) سادگی

سب سے اول اس ناکارہ کو اس مرکز دائرہ ارشاد کی زیارت اس وقت ہوئی جب کہ میں مدرسہ عالیہ دیوبند میں فارسی اردو وغیرہ کی تعلیم پاتا تھا اور اس وقت میری عمر تقریباً نو دس سال کی تھی اس لئے حقیقی کمالات کو تو میں اس وقت کیا سمجھ سکتا تھا البتہ خداداد محبوبیت کی شان کی وجہ سے میرے دل میں حضرت کی محبت اور عظمت و عقیدت اسی وقت سے جاگزیں ہے۔ مجھے خوب یاد ہے کہ اس وقت حضرت کا لباس بہت ہی سادہ

ہوتا تھا گاڑھے کی نیلی لنگی اکثر کاندھے پر پڑی رہتی اور باقی لباس بھی موٹا جھوٹا ہوتا تھا مگر اس کے باوجود ایک خداداد عظمت تھی جو اس لباس کے اندر بھی نمایاں ہوتی تھی۔

ہیت حق ست و این از خلق نیست      ہیت آں مرد صاحب دلق نیست

### (ذکر نمبر ۲) ذکاوت و ظرافت و جفاکشی

ایک بار میں سہارنپور سے (جب کہ وہاں خدمت تدریس پر مامور تھا) دیوبند حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت اس وقت حدیث کا سبق پڑھا رہے تھے۔ باوجودیکہ اس وقت آپ کے ہاتھ میں کچھ تکلیف بھی تھی غالباً چوٹ لگ گئی تھی اور طلبہ اصرار کر رہے تھے کہ ہم اس حالت میں پڑھنا نہیں چاہتے جناب کو تکلیف ہوگی۔ مگر آپ نے ارشاد فرمایا کہ ناغہ کرنا اچھا نہیں اور میں ہاتھ سے تھوڑا ہی پڑھاؤں گا جو تکلیف ہو میں تو زبان سے پڑھاؤں گا۔ غرض سبق شروع ہوا۔ کتاب غالباً ترمذی تھی اس میں یہ حدیث آئی۔

﴿لَا يَمْنَعُكُمْ اِذَا نَ بَلَالَ فَاِنَّهُ يُوْذِنُ بِاللَّيْلِ فَكُلُوْا وَاَشْرَبُوْا

حَتّٰى يُوْذِنَ اِبْنَ اُمِّ مَكْتُوْمٍ النَّخِ﴾

”حضورؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ بلال کی اذان تم کو کھانے پینے سے نہ روکے کیونکہ وہ رات میں اذان دیتے ہیں بلکہ تم کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ ابن ام مکتوم اذان دیں۔ (کیونکہ وہ صبح ہو جانے کے بعد اذان دیتے ہیں)“

اس پر ایک طالب علم نے سوال کیا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان دینا وقت سے پہلے بھی جائز ہے کیونکہ بلال صبح ہونے سے پہلے اذان دیتے تھے۔ حضرت مولانا نے فوراً جواب دیا کہ اگر اذان دینا وقت سے پہلے جائز ہوتا اور وہ اذان کافی ہو جایا کرتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم دو اذانیں کیوں دلاتے بس بلال کی اذان صبح کی نماز کے لئے کافی تھی۔ عبد اللہ ابن ام مکتوم کی اذان کی کیا ضرورت تھی۔ اس سے تو خود یہ بات معلوم ہوتی ہے



کہ بلال کی قبل از وقت اذان صبح کی نماز کے لئے کافی نہ تھی۔ یہی حنفیہ کا مذہب ہے۔ اگر وقت سے پہلے اذان دے دی جائے تو وہ کافی نہ ہوگی۔ بلکہ اس کا اعادہ ضروری ہے۔

رہی یہ بات کہ جب بلال کی اذان صبح کی نماز کے لئے کافی نہ تھی تو وہ کس لئے اذان دیتے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بلال کی اذان درحقیقت اذان نہ تھی بلکہ وہ روزہ داروں کو سحری کے لئے جگانے کا اعلان تھا۔ آج کل سحری میں جگانے کے واسطے نقارے بجائے جاتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے اذان کی صورت کو مناسب سمجھا اور صحابہ کو مطلع کر دیا کہ بلال رات میں اذان دیا کرینگے اس سے صبح ہو جانے کا گمان نہ کرنا سو اس سے حنفیہ کو بھی انکار نہیں اگر اس وقت کوئی امام (اور خلیفہ) ہو اور وہ سحری میں جگانے کے واسطے یہی صورت اختیار کرے جائز ہے مگر ہر شخص کو ایسا اختیار نہیں ہے کیونکہ خلیفہ جو کچھ کریگا انتظام سے کریگا اور دوسرے لوگ نہ معلوم کیا کیا گڑبڑ کریں گے۔ پس حنفیہ کے دعوے کی اس حدیث سے نفی نہیں ہوتی بلکہ تائید ہوتی ہے۔ اھ۔

یہ بات تو مولانا کی خصوصیات میں سے تھی کہ دلائل خصم سے اپنا مدعی ثابت کر دیتے تھے اور اس آسانی سے کہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ یہ حدیث تو حقیقت میں حنفیہ ہی کی دلیل ہے دوسرے خواہ مخواہ اس سے اپنا مدعی ثابت کرتے ہیں۔ سنا ہے کہ بعض حضرات کے پاس مولانا کی تقریریں فن حدیث کے متعلق محفوظ ہیں خدا کرے وہ شائع ہو جائیں افسوس ہے کہ اب تک حضرت مولانا گنگوہی قدس اللہ سرہ کی تقریریں بھی شائع نہیں ہوئیں جو استاذی مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمہ اللہ علیہ نے قلمبند فرمائی تھیں خدا ان کی اشاعت کا بھی سامان کر دے۔

### (ذکر نمبر ۳) اکمال صلوٰۃ

حضرت قدس سرہ نماز بہت اچھی ادا فرماتے تھے ایک مرتبہ مجھے بریلی کے سفر میں حضرت کی معیت نصیب ہوئی مغرب کے بعد جو حضرت نوافل کی نیت باندھ کر کھڑے ہوئے تو قیام کی حالت میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا بدن میں حس و حرکت ہی

نہیں۔ پھر قیام کی طرح رکوع اور سجدے بھی لمبے لمبے نہایت سکون کے ساتھ ہوتے تھے۔ غرض کہ آپ کی نماز بالکل مطابق سنت تھی۔ رمضان کی راتوں میں سنا ہے کہ مولانا بہت ہی کم سوتے پھر سحری کے وقت تک نوافل میں قرآن سنتے رہتے تھے اور بعض دفعہ تمام رات نماز اور تلاوت ہی میں گزار دیتے تھے۔ نوافل کی جماعت میں آپ کو توسع تھا ثقات سے سنا ہے کہ رمضان کی راتوں میں آپ کے یہاں نوافل کی بڑی جماعت ہوتی تھی لیکن ہمارے دیگر مشائخ اس میں تنگی کرتے ہیں اور نفل کی جماعت کو مکروہ فرماتے ہیں کہ اصل مذہب حنفیہ کا یہی ہے مگر مسئلہ مجتہد فیہا ہے اس لئے حضرت قدس سرہ اس میں توسع فرماتے تھے۔

### (ذکر نمبر ۴) چھوٹوں پر شفقت

ایک بار میں سہارنپور سے دیوبند گیا اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا آنے والوں کے ساتھ شفقت اور محبت کا برتاؤ اور خندہ پیشانی سے پیش آنا یہ تو حضرت کی جبلت ثانیہ تھی۔ مجھ کو اپنے پاس ہی بٹھالیا اس وقت حضرت عمدہ پوشاک پہنے ہوئے تھے اور ڈاک کے خطوط ملاحظہ فرما رہے تھے۔ ان میں ایک خط خاص شخص کا تھا جو حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہیں اور حضرت شیخ العالم مولانا دیوبندی نے ان کو خلافت و اجازت عطا فرمائی تھی مگر درحقیقت وہ اس وقت اجازت کے قابل نہ تھے حضرت نے خط پڑھ کر ان کا تذکرہ کیا (اس وقت میرے دل میں یہ خطرہ گزرا کہ حضرت نے ان کو خلافت کیوں دیدی یہ تو اس قابل نہیں ہیں) حضرت نے فوراً مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ میں نے سنا ہے کہ وہ ذکر و شغل پابندی سے کرتے ہیں اور اکثر خلوت میں رہتے ہیں۔ مجاہدہ بھی بہت کرتے ہیں اور جوان سے بیعت ہوتا ہے اس کو صحیح عقائد تعلیم کرتے اور نماز وغیرہ کی بہت تاکید کرتے ہیں اور ان اطراف میں لوگ ان کے بہت معتقد ہیں تو میں نے اس مصلحت سے ان کو اجازت دے دی ہے کہ کام کرتے کرتے قابل ہو ہی جائیں گے اور عوام ان کے ذریعہ سے گمراہ پیروں سے بچے رہیں گے۔

اگرچہ یہ میں بھی جانتا ہوں کہ ابھی وہ اجازت کے اہل نہیں مگر بات یہ ہے کہ کام کرنے والا محروم نہیں رہتا۔ اھ۔ میں اپنے خطرہ پر بہت شرمندہ ہوا اور حضرت کی اس شفقت پر بہت ہی حیرت ہوئی کہ مجھ جیسے نااہل کے سامنے اپنے اسرار ظاہر فرمادیے۔ مکہ معظمہ سے حضرت حکیم الامت کے نام جو والا نامہ آپ نے تحریر فرمایا اس میں احقر کو اور چند دیگر صاحبوں کو بھی سلام سے یاد فرمایا جو خدام پر غائبانہ شفقت کی دلیل ہے۔

### (ذکر نمبر ۵) مزاح

اہل اللہ کی طبیعت میں چونکہ ذکر و شغل کی برکت سے نشاط اور انشراح زیادہ ہوتا ہے اس لئے یہ حضرات اکثر زندہ دل ہوتے ہیں جس کا ظہور کبھی کبھی ان کے کلام میں بضمن ظرافت ہو جاتا ہے۔ حضرت قدس سرہ بہت زندہ دل تھے اور بعض دفعہ چبھتے ہوئے فقرے ایسے فرمادیا کرتے تھے کہ مجلس کی مجلس لوٹ جاتی۔ حضرت حکیم الامت بواسطہ روایت فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ اپنے بعض حضرات جمع تھے مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے اور وہ کسی بات پر اپنے چھوٹے بھائی کو دھمکا رہے تھے۔ اس وقت انہوں نے ان کو یہ کہا کہ تو بڑا گدھا ہے تو حضرت مولانا قدس سرہ بیساختہ کیا فرماتے ہیں کہ گدھا ہونا تو مسلم لیکن بڑا ہونے میں کلام ہے۔ اس فقرہ پر سب حاضرین لوٹ گئے اور مولوی صاحب بھی ہنسنے لگے۔

### (ذکر نمبر ۶) قوت نسبت

حضرت حکیم الامت سے میں نے سنا فرماتے تھے کہ مجھ سے مولوی بدر الدین صاحب مرحوم ساکن گلاؤنھی نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا خورجہ تشریف لے گئے عشاء کے بعد سونے کے لئے لیٹ گئے تھے کہ امیر محمد شاہ صاحب جو ایک صاحب نسبت بزرگ تھے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کچھ دیر تک حضرت کی طرف مراقب ہو کر بیٹھے پھر دیوانوں کی طرح اٹھ کر حضرت کے تلوے چومنے لگے حضرت مولانا فوراً اٹھ بیٹھے اور فرمایا کہ صاحب یہ کیا غضب کرتے ہو انہوں نے کہا کہ حضرت میں نے

بہت صاحب نسبت دیکھے ہیں مگر آپ جیسا قوی نسبت نہیں دیکھا۔ مجھے اپنے فیض سے محروم نہ فرمائیے۔ ف۔ میں کہتا ہوں کہ حضرتؒ کی قوت نسبت ایسی ظاہر تھی کہ اس کے لئے کسی دلیل کا بیان کرنا اس کی تنقیص کرنا ہے۔

ز مدح نا تمام ما جمال یا مستغنی ست

بآب و رنگ و خال و خط چہ حاجت رویے بنارا

### (ذکر نمبر ۷) انفاق محبوب

حضرت حکیم الامت فرماتے تھے کہ جس وقت میں دیوبند میں پڑھتا تھا اس زمانہ میں حضرتؒ کے یہاں ایک گائے تھی جس کو مولانا نے قربانی کے واسطے خریدا تھا۔ عصر کے بعد اپنے ساتھ جنگل لیجا کر اسے دوڑایا کرتے اور دانہ وغیرہ خوب کھلاتے تھے چند دنوں میں وہ ایسے تیار ہو گئی کہ قصائی اس کے ۸۰ روپے دیتے تھے حالانکہ اس زمانہ میں گائیں ایسی ارزاں ملتی تھیں کہ دس بارہ روپے کو اچھی مل جاتی تھی اس سے اندازہ کر لیا جاوے کہ اس زمانہ میں جس گائے کے ۸۰ روپے قیمت ملتی ہو وہ کیسی کچھ ہوگی مگر حضرت مولانا نے اس کو نہیں بیچا اور قربانی کے دن ذبح کر دی حالانکہ خود مولانا کو اس لمحے محبت بھی بہت ہو گئی تھی اور ذبح کرتے ہوئے آنسو بھی نکل آئے مگر آپ نے خدا کے لئے اس کی قربانی کر دی اور فروخت نہیں کی سبحان اللہ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ پر عمل کر کے دکھلا دیا۔

### (ذکر نمبر ۸) ہر کس و ناکس کا خیال

یہ صفت حضرتؒ میں بہت ہی بڑھی ہوئی تھی حضرت حکیم الامت فرماتے تھے کہ دیوبند کے جلسہ دستار بندی کے موقع پر مولوی احمد صاحب رامپوری نے مہتمم صاحب کے پاس ایک مزدور کو خط دیکر بھیجا تھا۔ جس میں مدرسہ کے متعلق کوئی بات لکھی تھی۔ مہتمم صاحب نے اس مزدور کو ۴ آنہ کے پیسے خوراک کے لئے دیدیئے کہ بازار سے کچھ لیکر کھا لینا اور خط کا جواب لکھ دیا جب حضرتؒ کو معلوم ہوا کہ رامپور سے مزدور آیا تھا تو آپ

نے دریافت فرمایا کہ اس کو کھانا بھی کھلا دیا۔ عرض کیا گیا کہ حضرت چار آنہ کے پیسے دے دیئے گئے فرمایا کہ غریب آدمی پیسے خرچ نہیں کرتا وہ ان پیسوں کو تو اپنے ساتھ لے جائیگا اور بھوکا رہے گا۔ جلدی اس کو تلاش کرو۔ چنانچہ چند آدمی اس کو تلاش کرنے نکلے اور خود حضرت نے بھی تلاش کیا یہاں تک کہ بہت دور سے ملا اس کو واپس بلا کر حضرت نے کھانا کھلوا کر پھر رخصت کیا۔

### فائدہ

واقعی اخلاق نبوت یہی ہیں اور کمالات انہی کا نام ہے۔ یہ کوئی کمال نہیں کہ ذرا رقت طاری ہو گئی اور رو لئے یا دوسروں کو رلا دیا۔  
عرفی اگر بگریہ میسر شدے وصال صد سال می تو اس بہت نا گریستن

### (ذکر نمبر ۹) سوز و درد

حضرت حکیم الامت فرماتے تھے کہ مولانا کی نسبت میں سوز درد اور بیتابی عشق بہت زیادہ ہے۔

### (ذکر نمبر ۱۰) حب شیخ

مولانا گنگوہی قدس سرہ کی حیات میں حضرت کا اکثر معمول یہ تھا کہ جمعرات کی شام کو دیوبند سے چل کر عشاء کے وقت تک گنگوہ پہنچ جاتے پھر وہاں سے شنبہ کی رات کو عشاء کے بعد چل کر صبح تک دیوبند پہنچ جاتے اور حسب معمول سبق شروع کرا دیتے (میں نے ثقات سے یہ بات سنی ہے)۔

### فائدہ

اس سے مولانا کے دو کمال ثابت ہوتے ہیں ایک محبت شیخ میں پایادہ پائیل مسافت طے کر کے زیارت کے لئے پہنچنا جو بدون شدید بیتابی کے نہیں ہو سکتا۔ دوسری

تقویٰ اور دیانت کہ مدرسہ کی تعلیم میں حرج واقع نہ کرتے تھے۔

### (ذکر نمبر ۱۱)

میں نے ثقات سے سنا ہے کہ گنگوہ پہنچ کر بعض دفعہ مولانا عشا کے بعد حضرت قطب العالم گنگوہی کی جوتیوں کو اپنے سینہ سے لگا کر رات بھر کھڑے رہتے تھے اور تہجد کے وقت حضرت کو وضوء کے لئے پانی دیتے تھے۔

### فائدہ

سبحان اللہ ایسے واقعات پہلے بزرگوں کے سنے جاتے تھے جن کو حضرت نے کر کے دکھلادیا۔

### (ذکر نمبر ۱۲)

میں نے بعض احباب سے سنا ہے کہ ایک شخص نے حضرت قطب عالم گنگوہی سے عرض کیا کہ حضرت میں نے سنا ہے کہ آپ کو تسخیر کا عمل آتا ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ ہاں بھائی ہاں مجھے تسخیر کا عمل نہ آتا تو مولوی محمود حسن صاحب جیسے عالم میرے پاس کیوں آتے یہ تسخیر ہی تو ہے کہ مجھے کچھ بھی نہیں آتا اور ایسے ایسے عالم میرے معتقد ہیں۔

### فائدہ

اس میں حضرت قطب عالم کی تواضع اور مولانا دیوبندی کے علم پر ناز و افتخار ظاہر ہے۔

### (ذکر نمبر ۱۳) اجازت و خلافت

حضرت مولانا نے اول حضرت قاسم العلوم قدس سرہ سے سلوک حاصل کیا اور تکمیل حضرت قطب عالم گنگوہی کے آستانہ پر ہوئی اور حضرت نے آپ کو خلعت اجازت و خلافت عطا فرمایا اس لئے مولانا کی نسبت میں دونوں رنگ موجود تھے اس کی مجھے تحقیق



نہیں کہ آپ کو اجازت کس سہ میں حاصل ہوئی۔

(ذکر نمبر ۱۴)

مولانا گنگوہی فرمایا کرتے تھے کہ مولوی محمود حسن صاحب تو علم کا کھٹلا ہیں

(تذکرۃ الرشید)

(ذکر نمبر ۱۵) فنا فی الشیخ

حضرت سید مولانا خلیل احمد صاحب رحمہ اللہ سے میں نے سنا فرماتے تھے کہ جب میں اور مولانا محمود حسن صاحب بہاولپور مناظرہ کے لئے جانے لگے تو ہم دونوں گنگوہ حاضر ہوئے۔ مولانا محمود حسن صاحب نے حضرت گنگوہی سے عرض کیا کہ مسئلہ امکان کذب میں آپ اپنی رائے ہم کو بتا دیں پھر مقدمات اور دلائل تو ہم اپنے آپ قائم کر لیں گے۔

فائدہ

حضرت مرشدی و امت برکاتہم فرماتے تھے کہ یہ مولانا کا کمال تھا ہم تو حضرت کی بات بھی دگیل کے بعد مانتے تھے۔ میں کہتا ہوں کہ ان دونوں صورتوں میں ایک حال ہے ایک مقام ہے۔

(ذکر نمبر ۱۶) صبر و شکر

جب حضرت مولانا مالٹا سے تشریف لائے تو اپنی اسیری کی تکلیف اور مصیبت کا مطلق تذکرہ نہیں فرمایا۔ جب بمبئی سے دیوبند تشریف لارہے تھے تو سنا گیا ہے کہ میرٹھ کے اسٹیشن پر مضمون مبارکباد پیش کیا گیا۔ جس میں آپ کی تکالیف اسیری پر غم کا اظہار بھی تھا۔

مولانا نے اس کے جواب میں یہ شعر پڑھا

سفینہ جبکہ کنارہ پہ آگاہ غالب خدا سے کیا ستم و جور نا خدا کہنے



(ذکر نمبر ۱۷)

حضرت حکیم الامت فرماتے تھے کہ جب مالٹا سے مولانا تشریف لائے اور میں زیارت کے لئے گیا اس وقت حضرت نے یہ فرمایا کہ مجھ کو مالٹا میں ایسی یکسوئی رہتی تھی اور خلوت ایسی پسند تھی کہ بعض دفعہ یوں جی چاہتا تھا کہ یہ رفقاء بھی میرے پاس نہ ہوتے تو اچھا تھا بس میں اکیلا ہی ہوتا۔

فائدہ

سبحان اللہ سچ ہے اہل اللہ کے لئے کوئی تکلیف تکلیف نہیں ان کے لئے مصائب میں بھی راحت ہے۔

درد از یاراست و درماں نیزہم      دل فدائے اوشد و جاں نیزہم

(ذکر نمبر ۱۸)

حضرتؒ نے سنت یوسف علیہ السلام پر حالت اسیری میں پوری طرح عمل کیا کہ زندان میں بھی دین کی خدمت ادا کرتے تھے۔ مہالٹا میں بہت لوگ حضرت سے بیعت ہوئے اور آپ نے اسی حالت میں ترجمہ قرآن شریف پورا کیا اور کچھ تراجم بخاری شریف کی شرح بھی تحریر فرمائے تھے جو افسوس ہے کہ مکمل نہ ہونے پائی۔

(ذکر نمبر ۱۹) تواضع

حضرت نے دیوبند میں سب علماء کو جمع کر کے (جو کہ حضرت کے خدام اور تلامذہ تھے) یہ فرمایا کہ بھائی میں نے یہ قرآن کا ترجمہ پورا تو کر دیا ہے لیکن سب مل کر اس کو دیکھ لو۔ اگر پسند ہو تو شائع کر دو ورنہ رہنے دیا جائے۔

فائدہ

اللہ اکبر اس تواضع کی بھی حد ہے۔

## (ذکر نمبر ۲۰)

حضرت میں چونکہ سوز و درد غایت درجہ تھا اس لئے کبھی کبھی فارسی اور اردو میں اشعار بھی نظم ہو جاتے تھے مولانا کا کلام بہت پاکیزہ عالمانہ مضامین سے بھرا ہوا درد و سوز میں ڈوبا ہوا ہوتا تھا عربی کلام مولانا کا میں نے آج تک نہیں دیکھا۔

## (ذکر نمبر ۲۱)

جب حضرت رمضان ۳۸ھ میں مالٹا سے دیوبند پہنچ گئے تو اس وقت خدام کو زیارت کی بحد تمنا تھی چنانچہ صد ہا آدمی دیوبند پہنچ گئے تھے۔ احقر بوجہ اس کے کہ رمضان میں روزے کے ضعف کی وجہ سے سفر دشوار ہوتا ہے فوراً نہ جاسکا مگر اس وقت شوق اور بیتابی کی حالت میں چند عربی اشعار موزوں ہو گئے تھے جس میں حضرت کی تشریف آوری پر اظہار مسرت و مبارکباد کا مضمون تھا جس کو میں نے قلمبند کر کے مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کی خدمت میں بھیج دیا تھا کہ حضرت کو سنا دیئے جائیں چنانچہ مولانا موصوف نے وہ اشعار سنا دیئے رمضان کے بعد جب میں خود حاضر خدمت ہوا تو احباب سے معلوم ہوا کہ ان اشعار کو سن کر حضرت نے یہ فرمایا کہ جو کچھ پیش آیا بحمد اللہ اس میں بھی خدا کی طرف سے نعمت اور راحت تھی اور احقر کے لئے دعائیہ کلمات فرمائے مطلع کے دو اشعار یہ تھے۔

زال الظلام وضاء کل مکان      بطلوع بدر تم فی اللمعان  
روح الحیاة اعید فی الابدان      بقدم شیخ عارف ربانی  
اب میں نے انہی اشعار کو مطلع بدل کر مرثیہ کی صورت میں کر دیا ہے جو آگے حاشیہ پر نقل ہوگا۔

## (ذکر نمبر ۲۲)

جب میں حاضر خدمت ہوا رات کا وقت تھا اس وقت زیادہ بات چیت کا موقع نہ مل سکا، ہجوم زیادہ تھا۔ صبح کو اچھی طرح زیارت ہوئی اور میں نے اپنی کتاب الدر

المضوء ترجمۃ بحر المورود حصہ اول حضرت کی خدمت میں پیش کی جس کو حضرت نے بہت خوشی سے قبول کیا اور اسی وقت کچھ کہیں کہیں سے ورق لوٹ کر دیکھا اور دعائیہ کلمات سے سرفراز فرمایا۔ فالحمد لله علی ذلک

### (ذکر نمبر ۲۳)

حضرت مولانا کو مالٹا سے تشریف لانے کے بعد افسوس یہ ہے کہ راحت کا موقع نہ ملا اس لئے بہت جلد بوجہ ضعف کے بیمار ہو گئے اور علالت دن بدن بڑھتی گئی ایک مرتبہ دیوبند ہی میں بہت زیادہ نازک حالت ہو گئی تھی مگر پھر افاقہ ہو گیا اس وقت آپ کو مدرسہ اور اپنی حدیث پڑھانے کی جگہ بہت یاد آئی اور دیکھنے کا اشتیاق ظاہر فرمایا چنانچہ پاکی میں لٹا کر آپ کو اس جگہ لایا گیا جہاں آپ درس دیا کرتے تھے پاکی کو علماء کی جماعت نے اپنے کاندھوں پر اٹھایا وہ بھی عجیب سماں ہوگا۔ (یہ واقعہ اخبار ہمد سے معلوم ہوا) پھر دوبارہ آپ کی طبیعت ناساز ہو گئی اور علالت بڑھتی گئی تو آپ کو معالجہ کے لئے دہلی لایا گیا۔ ہوش و حواس آپ کے اخیر تک درست تھے اور ذکر اللہ میں اکثر مشغول رہتے تھے (یہ مولانا حسین احمد صاحب کا بیان ہے جو اخبار الخلیل میں طبع ہوا ہے) یہاں تک کہ ۱۸ ربیع الاول ۱۳۹ھ کو صبح سے پہلے یا اس کے بعد آپ کا وصال ہو گیا ماہ و تاریخ وصال اردو میں بھی ہے، ”ہائے آج چراغ دینی بجھ گیا“ اور نظم فارسی میں یہ ہے۔

گفت ہاتف بہر تاریخش کہ دو ہائے . مرشد محمود آواں شد شہید

اور نثر عربی میں یہ ہے المنحود عاش حمیدا ومیت شہیدا

### (ذکر نمبر ۲۴)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ دستخط وغیرہ میں اکثر بندہ محمود لکھا کرتے تھے تصنع سے غایت درجہ نفرت تھی مہر میں نے حضرت کی نہیں دیکھی لیکن سنا ہے کہ مہر بھی تھی جس پر یہ جمع کندہ تھا۔ الہی عاقبت محمود گرداں (آمین)

## (ذکر نمبر ۲۵)

دنیا دار الفنا ہے یہاں سے سب کو ایک نہ ایک دن جانا ہے اس لئے بجز صبر و شکر کے کوئی چارہ نہیں۔ ہم کو ایسے موقع پر سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کو یاد کر کے دل کو تسلی دینا چاہیے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔ وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَى عَقْبِهِ فَلَنْ يَبْصُرَ اللَّهَ شَيْئًا ط وَ سَيُجْزَى اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ۝ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال پر بھی ہم کو شکر کی تعلیم ہے تو بندگان دین کی وفات پر بدرجہ اولیٰ۔ سچ ہے۔

الا انما كانت وفاة محمد      دليلا على ان ليس لله غالب  
بیشک سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اس کی بڑی دلیل ہے کہ خدا کی مشیت میں کسی کو کچھ دخل نہیں حضرت عباس بن عبدالمطلب کی وفات کے موقع پر ایک بدوی نے عبد اللہ بن عباسؓ کو ان الفاظ سے تسلی دی تھی۔

اصبر تكن بك صابرين فانما      صبر الرعية بعد صبر الرأس  
خير من العباس اجر ك بعده      والله خير منك للعباس  
(ترجمہ) آپ صبر کیجئے تاکہ ہم بھی آپ کی وجہ سے صابر ہو جاویں کیونکہ رعیت کا صبر سردار کے صبر کے تابع ہے۔ آپ کے لئے وہ اجر حضرت عباس سے بہتر ہے جو ان کے بعد (صبر کرنے سے) آپ کو ملا اور عباس کے لیے خدا تعالیٰ آپ سے بہتر ہیں۔ واقعی خوب تسلی دی۔

میں بھی حضرت کے تمام اعزہ واقارب اور خدام عالی مقام کی خدمت میں یہی مضمون عرض کرتا ہوں حق تعالیٰ ہم سب کو صبر جمیل عطا فرماوے۔ حقیقت یہ ہے کہ اہل اللہ کی وفات کو وفات نہ کہنا چاہیے۔ وہ اپنے بیشمار کارنامے دنیا کے سامنے چھوڑ جاتے ہیں جو ہمیشہ ان کے نام کو زندہ رکھتے ہیں۔

ہرگز نہ میرد آنکہ دیش زندہ شد لعنہ  
 ثبت ست بر جریدہ عالم دوام ما  
 پس ہم کو اس کی کوشش کرنی چاہیے کہ حضرت قدس سرہ ہمارے سامنے اتقا اور  
 زہد اور محبت الہی و اتباع سنت و اخلاق حمیدہ کا جو نمونہ چھوڑ گئے ہیں اس پر کوشش کے  
 ساتھ عمل کریں اور ان کی محبت کو اپنے دلوں میں جگہ دیں تاکہ بموجب حدیث المرء  
 مع من احب کے آخرت میں حضرت کے ساتھ محشور ہوں اور ان کے قرب سے سرفراز  
 ہوں آمین ثم آمین۔ اب میں اس تذکرہ کو چند اشعار عربیہ پر ختم کرتا ہوں۔

حزن بقلبی ام لظی نیران	قد احرقحت حتی کانی الفانی
کیف القرار و قد تبدلت السماء	لا قول بدر تم فی اللمعان
کیف الحیاء و قد تفتت مہجتی	بر حیل شیخ عارف ربّانی
مولائی محمود الانام المقتدی	قطب الہدایۃ منبع الفیضان
بحر الندی شمس الولایۃ والتقری	غوث البریۃ کامل العرفان
بحر یروی الطالبین بفیضہ	شمس تزیل حنادس الاحزان
او منزۃ جادات بامطار الہدی	تشفی الغلیل بضیفہا الہتان
رب المحامد و المعارف والعلمی	وفضائل جلت عن التبیان
کنز العلوم محدث و مفسر	متکلم و مترجم القرآن
متبحر فی الفقہ و المعقول فی	علم الحدیث ہو العدیم الثانی
فرد الزمان و بیہقی اوانہ	ومماثل بن سعید القطان
واحسر تامن للحدیث و اہلہ	من بعدہ فی ارض ہندستانی
اسد الالہ محبہ و حبیبہ	حامی الشریعۃ صابر حقانی
قاسی الشدائد و المصائب لم یخف	فی اللہ لومة لائم بمکان
فرشت لوطنۃ قلوب اولی النہی	وجمالہ قرت بہ العینان
و کلامہ للطالبین کأنہ	ماء الحیاء اتے الی الظمان
محمود لا تبعد ف ذکر ل خالد	والذکر للانسان عمر ثار

لِّلّٰہِ اَنتَ اَیُّہَا اِمَامُ اَوَّلِی التَّقٰی      لِّلّٰہِ دَرکٌ مِّنْ عَظِیْمِ الشَّانِ  
 لَازِلَتْ مَبْتٰہِجُ الْفَوَادِ وَلَمْ تَزَلْ      فِی عِیْشَۃٍ مَّرْضِیَۃٍ بِجَنَانِ  
 لَازِلَتْ فِی کَنْفِ الْمَہِیْمِنِ فَاَنْزَا      بِنَعِیْمِ رَؤِیْتِہِ مَعَ الرِّضْوَانِ  
 وَاَنْظُرْ اِلٰی الظُّفْرِ الْکَنِیْبِ فَاَنہُ      یَرْجُو جَوَارِکَ یَا رَجَاءَ الْعَانِی  
 ثُمَّ الصَّلٰوۃُ عَلٰی النَّبِیِّ مُحَمَّدٍ      وَعَلٰی صَحَابَتِہِ اَوَّلِی الْاِتْقَانِ

ترجمہ :- ”(۱) یہ میرے دل میں رنج و غم ہے یا ایسی آگ کا شعلہ

ہے جس نے جلا پھوٹ کر مجھے مردہ اور بے جان بنا دیا ہے۔ (۲)

اب کیونکہ قرار آئے کہ بدر کامل کے غائب ہو جانے سے آسمان

ہی بدلا ہوا معلوم ہوتا ہے (۳) اب زندگی کیسی جبکہ شیخ عارف ربانی

کی رحلت سے دل ہی پارہ پارہ ہو چکا۔ (۴) وہ کون! میرے آقا

مخلوق کے محمود۔ مقتدے ہدایت کے قطب فیوض کے سرچشمہ

(۵) سخاوت کے دریا ولایت اور اتقا کے آفتاب مخلوق کے فریاد

رس عرفان میں کامل (۶) ایسا دریا جس سے طالبین خوب سیراب

ہوتے تھے ایسا آفتاب جو رنج و غم کی تاریکیوں کو دور کرتا تھا۔ (۷)

بلکہ ایسا بادل جو ہدایت کی بارشیں برساتا تھا اور اپنے بہتے ہوئے

سیلاب سے سب کی پیاس بجھاتا تھا۔ (۸) محامد و علوم اور بلندی

والے تھے اور اُن میں ایسے فضائل تھے کہ بیان سے باہر ہیں۔ (۹)

علوم کا خزانہ تھے محدث و مفسر تھے متکلم مناظر اور قرآن کے مترجم

تھے۔ (۱۰) فقہ و معقول میں تبحر تھے اور علم و حدیث میں تو یکتا و

بے نظیر ہی تھے (۱۱) خلاصہ یہ کہ اپنے زمانہ میں فرد اور اپنے وقت

کے نبی تھے اور سعید بن قطان محدث کے مشابہ تھے۔ (۱۲) و احسرتا

اُن کے بعد ہندوستان میں حدیث اور اہل حدیث کے لیے کون ہو

گا (۱۳) وہ خدا کے شیر اور اس کے عاشق اور اس کے محبوب تھے۔

شریعت کے حامی اور بچے صابر تھے۔ (۱۴) شدائد و مصائب بہت جھیلیں مگر کسی موقع پر خدا کی راہ میں کسی کی ملامت کی پرواہ نہ کی (۱۵) اُن کی شریعت آوری کے لیے عقلا کے دل فرش راہ بن گئے تھے اور ان کے جمال سے ہر ایک کی دونوں آنکھیں ٹھنڈی ہو گئی تھیں۔ (۱۶) اور عاشقوں کے سامنے ان کی باتیں ایسی تھیں کہ گویا پیاسے کے پاس آبِ حیات پہنچ گیا۔ (۱۷) مولائی محمود آپ دور نہ جائے کیونکہ آپ کا ذکر یہاں ہمیشہ رہے گا اور انسان کے لیے ذکر خیر بھی دوسری عمر ہے۔ (۱۸) اے متقیوں کے امام بس خدا کے سپرد۔ اے عظیم الشان ذات تیری خوبی خدا ہی کی بنائی ہوئی ہے۔ (۱۹) خدا کرے تم ہمیشہ خوش دل رہو اور جنتوں میں راحت کی زندگی بسر کرتے رہو۔ (۲۰) ہمیشہ خدا کے دامن رحمت میں اس کے دیدار اور رضا کی نعمت سے کامیاب رہو۔ (۲۱) اور ذرا اس پریشان دل ظفر کی طرف ایک نگاہ بھر کر دیکھ لیجیو کہ اے مصیبت والوں کی امید گاہ وہ بھی آپ کی ہمسائیگی کا امیدوار ہے۔ (۲۳) پھر صلوٰۃ و سلام نازل ہو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کے جان نثاروں پر جو کہ بڑی پختگی والے تھے۔“

هذا وانا المفتفر الى رحمة ربى الصمد. عبده المذنب ظفر

احمد عفا الله عنه بمنه و كرمه عزة رجب المرجب ۳۹ھ



## از ترجیح الراجح بابت ۳۹ھ فصل بست و صوم تنقید در بعض حکایات مندرجہ ذکر محمود

### خلاصہ سوال

پرچہ النور بابت ماہ جمادی الثانی ۳۹ھ کو جو ماہواری شائع ہوتا ہے اس میں بلا لحاظ و تصحیح جو جناب نے ایک واقعہ مراد آباد نمبر ۷۱ کی کہ جو مولانا محمود حسن صاحب مرحوم و مغفور کی سوانح عمری میں تحریر فرمایا ہے اور اس میں بعض بزرگوں کو ایسے تلفظ سے یاد فرمایا کہ جو آپ کی شان سے نہایت بعید ہے۔ جو واقعہ تحریر فرمایا ہے اس جلسہ میں جناب شریک نہ تھے اور حضرات اس وقت موجود تھے اب بھی بعض ثقافت اس میں سے موجود ہیں۔ جناب مولوی عبد العلی صاحب مدرس مدرسہ عبدالرب دہلی۔ جناب مولوی دائم علی صاحب مراد آباد۔ جناب مولوی ظہور الحسن صاحب رامپور۔ جناب مولوی منور علی صاحب محدث رامپور وغیرہم ان حضرات سے اس کی تحقیق بخوبی ہو سکتی ہے۔ مناسب ہے کہ تحقیق کر کے انصاف کام میں لا کر تصحیح فرمائی جاوے۔

### الجواب

راوی کے ثقہ ہونے میں دقت روایت کے مجھ کو شبہ نہیں ہوا نقل کی بناء تو یہ ہوئی اور باوجود اس کے یہ احتیاط کی گئی کہ صاحب قصہ کی تعبیر میں ابہام رکھا۔ اب عبارت سوال پر مطلع ہو کر میں اس مضمون و عنوان دونوں سے رجوع کرتا ہوں۔ جن حضرات کو معنون و عنوان کی تحقیق فرمانا ہو بزرگان مذکورین فی السؤال سے تحقیق فرمائیں اور جن صاحبان ان کو اس عنوان سے اس وجہ سے کہ ان کے اذہان میں وہ ابہام نہیں ہے۔ گرانی ہوئی ہو اللہ معاف فرمائیں۔ وانی استغفر اللہ تعالیٰ منہما۔ اشرف علی ۲۳ ذیقعدہ ۳۹ھ

## تصحیح واقعہ مندرجہ پرچہ النور بابت جمادی الاخریٰ ۳۹ھ

از سید حامد شاہ صاحب محلّہ زینہ عنایت خان ریاست رامپور

جو حضرات اس جلسہ میں موجود تھے ان کی تحریریں ارسال خدمت ہیں، یہی واقعہ اب معتبر ہے۔ اھ۔ اس کے بعد سید صاحب نے تحریرات ذیل نقل فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اما بعد مراد آباد کا جلسہ امتحان اور انعام کا تھا اس میں حضرت میاں مولانا محمد شاہ صاحب محدث رام پوری مرحوم تشریف لائے تھے اور مولانا محمود حسن صاحب مرحوم بھی تشریف لائے تھے۔ اس وقت مراد آباد کے لوگوں کی رائے اور اصرار سے مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ تقریر کے واسطے کھڑے ہوئے۔ مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے (فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد) یہ حدیث پڑھی اشد کا ترجمہ بھاری اور گراں کے ساتھ فرمایا حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ قریب تشریف رکھتے تھے انہوں نے بیٹھے ہوئے اشد کا ترجمہ اضر کے ساتھ فرمایا۔ اس وقت اہل جلسہ کونا گوار ہوا۔ پھر مغرب کی نماز ہوئی مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے میاں صاحب سے یہ کہا کہ آپ نے جو یہ فرمایا کہ اشد کے معنی اضر کے ہیں۔ یہاں اضر کے معنی لے لیے حدیث وحی میں تو اشد کے معنی اضر کے نہیں ہونگے وہاں کیا فرمائیے گا۔ مجھ کو اس کے بعد یاد نہیں ہے لیکن میرے خیال میں حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اعتراضاً نہیں فرمایا تھا اور نہ میری رائے میں ان کو خطبہ کرنا مقصود تھا۔

دستخط جناب مولوی عبدالعلی صاحب مدرس مدرسہ عبدالرب دہلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

ہماری یاد میں یہ قصہ اس طرح واقع ہوا تھا کہ مولانا محمود حسن صاحب مرحوم نے اثناء وعظ میں حدیث (فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد) پڑھ کر اس طرح ترجمہ بیان فرمایا کہ ایک عالم کا وجود شیطان پر اس کے ذہن میں ہزار عابد سے بھاری ہے۔ جلسہ میں علماء و طلبہ موجود تھے۔ چند محدث بھی تھے، مثل مولانا جان علی صاحب مرحوم و مولانا محمد قاسم علی صاحب مرحوم مراد آبادی و مولانا سید محمد شاہ صاحب مرحوم محدث رامپوری جب اس جملہ کی چند مرتبہ تکرار کی نوبت آئی تو مولانا محدث رام پوری مغفور نے اپنی جگہ پر بیٹھے ہوئے جو مولانا واعظ صاحب مرحوم سے قریب تھے مخاطب ہو کر یہ کہا کہ مولانا حضرت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام امور واقعیہ کی خبر دیتے ہیں نہ کسی کے ذہن کی اور یہاں اشد بمعنی اضر کے انسب ہے۔ اس کے سوا اور کوئی کلمہ محدث صاحب موصوف نے نہیں کہا تھا۔ اس پر مولانا واعظ صاحب نے تو کوئی کلمہ ایجابی فرما کر چند جملوں کے بعد اپنا وعظ ختم فرمایا چونکہ وقت بھی ختم ہو چکا تھا اذان مغرب کا وقت قریب آ گیا تھا۔

لیکن بعد ختم وعظ کے مولانا واعظ صاحب کے حواریین جو غالباً ان کے طلبہ ہوں گے کچھ شور و غل مچانے لگے مولانا محدث صاحب کے ہمراہی مستعد ہوئے اور جواب دینے لگے اسی اثناء میں مغرب کی اذان ہو گئی۔ نماز مغرب کے بعد مولانا واعظ صاحب مولانا محدث صاحب کے پاس تشریف لائے اور شور و غل والوں کی طرف مخاطب ہو کر یہ کہا کہ مولانا نے جو کچھ مجھ سے فرمایا تھا مجھ کو تسلیم آپ لوگ کیوں شور و غل کرتے ہیں۔ میں خود مولانا سے استفادہ کرتا ہوں یہ کہہ کر مولانا محدث صاحب کے پاس ادب سے بیٹھ کر یہ فرمانے لگے کہ حضرت میں استفادۃ یہ عرض کرتا ہوں کہ میں نے جو یہاں اشد کا ترجمہ اُقل۔ بھاری۔ سے کیا یہ اس حدیث کے موافق کیا تھا جو صحیح بخاری شریف کی اول حدیث وحی میں واحیاناً یا تینی مثل سلسلہ الجرس و هو اشد علی۔ واقع ہے تو آیا یہ معنی یعنی اُقل بھاری کے یہاں بھی صحیح ہو سکتے ہیں یا نہیں مولانا

محدث صاحب نے فرمایا میری یہ غرض تھی کہ یہاں اضر کے معنی مناسب اور واضح ہیں۔ نیز حکایت و اخبار نفس الامر سے ہے نہ ذہن شیطان سے مولانا واعظ صاحب نے فرمایا کہ جو کچھ حضرت فرماتے ہیں۔ یہ تو مجھ کو تسلیم ہے۔ صرف اس قدر گزارش ہے کہ اشد کے معنی اقل کے بھی آئے ہیں۔ جیسے حدیث وحی مذکور میں۔

مولانا محدث صاحب نے فرمایا میری غرض یہ نہیں کہ لفظ اشد کے معنی کہیں اقل کے نہیں آتے بلکہ مقصود یہ ہے کہ مانحن فیہ میں معنی اضر کے واضح اور انسب ہیں مع حکایت نفس الامر کے مولانا واعظ صاحب نے پھر اس کا ایجاب فرما کر سلسلہ گفتگو کا ختم کر دیا اور مجمع منتشر ہو گیا مہمانان ہر دو فریق مکان ضیافت پر کھانا کھانے کی غرض سے تشریف لے گئے۔

دستخط جناب مولوی صاحب / محمد ظہور الحسین الفاروقی النقشبندی المجددی

الرامفوری

دستخط جناب مولوی صاحب / محمد منور العلی غفرلہ رامپوری

اتم التصحیح



شعر و ادب





## ﴿قسمة الشعر و الادب﴾

بقلم حضرة مولانا ظفر احمد عثمانی رئیس جمعية علماء الاسلام

پاکستان، دھاکہ

### رثاء حکیم الامت

وقلت ارثی سیدی حکیم الامة مجدد الملة مفسر العصر فقیه  
الدھر مولانا محمد اشرف علی التهانوی رحمة اللہ علیہ توفی الی رحمة  
اللہ لیلۃ الثلاثاء لسادس عشر من رجب ۱۳۶۲ھ (و تاریخ وفات "اشرف  
علی نور اللہ مرقدہ") ظفر احمد

بِقَلْبِي هَمٌّ لَا يَكَادِ زَوْلُ	ثَقِيلٌ وَهَمُّ الْعَاشِقِينَ ثَقِيلٌ
يُسَهِّرُنِي لَيْلًا طَوِيلًا وَلَمْ أَكُنْ	لَا سَهْرَ إِلَّا أَنْ يَبِينَ خَلِيلٌ
إِلَى اللَّهِ أَشْكُومَا أُلَاقِي مِنَ النَّوَى	وَلَوْ أَنَّ قَلْبِي لِلْجِبَالِ حَمُولٌ
كَأَنَّ بَعِينِي مَا بِقَلْبِي مِنَ الْجَوَى	فَمِنْ طَرْفِهَا عَنِ الْحَمِيمِ تَسْلُ
وَدَاعٍ دَعَا إِذَا قَامَ بِاللَّيْلِ نَاعِيًا	فَطَارَ بِقَلْبِي الْقَوْلُ حِينَ يَقُولُ
فَقُلْتُ لَهُ كُنْ غَيْرَ أَشْرَفَ نَاعِيًا	فَدَتَهُ الْوَرَى لَوْلِفْدَاءِ قَبُولُ
فَبَكَى وَنَادَى أَنْ أَشْرَفَ قَدَثُو	فَصَجَّتْ قُلُوبٌ بِالْبَكَاءِ وَقَوْلُ
نَعَى خَيْرَ أَهْلِ الْأَرْضِ نَفْسًا وَمَحْتَدَا	وَأَشْرَفَ حُرٍّ يَحْتَوِيهِ قَبِيلُ
مَجْدَدَ هَذَا الْقَرْنِ حَقًّا حَكِيمُهُ	فَقِيَّةٌ لَدَيْهِ لِلْفُرُوعِ أَصُولُ
مَفْسَرِ هَذَا الْعَصْرِ مِنْ غَيْرِ رِيَّةِ	لَهُ فِي الْمَعَالَى رَأْيَةٌ وَرَعِيلُ
تَقَى نَقَى حِجَّةَ ذَوَا صَابَةِ	مَنْ الرَأْيَ إِذْ رَأَى الْأَنَامَ أَفُولُ

لَهُ كُتُبٌ فِي كُلِّ عِلْمٍ جَمِيلَةٍ  
تَفْطَرُ قَلْبِي إِذْ رَأَيْتُكَ رَاحِلًا  
فَوَاحِشِرَ تَامَا أَقْبَحَ الْبَيْنِ بَيْنَا  
وَيَا قَاتِلَ اللَّهِ النَّوَى مَا أَمْرُهُ  
فِي أَلَيْتِ أَيَّامَ الْفِرَاقِ رَوَّاحِلًا  
فَمَنْ لَعْلُومٌ قَدْ كَشَفَتْ لِشَامِهَا؟  
وَمَنْ لِمَعَانٍ قَدْ نَطَقَتْ بِسَرِّهَا؟  
وَمَنْ لِنِكَاتٍ قَدْ فَتَحَتْ كَنُوزَهَا؟  
وَمَنْ لِعُضَالٍ اعْجَزَ النَّاسُ طَبَّهُ؟  
وَمَنْ لِبَيَانٍ فِي الْقُلُوبِ مُؤَثِّرٌ؟  
يَكِيكَ أَهْلَ الْعِلْمِ وَالتَّوْبَةِ وَالنَّهْيِ  
يَكِيكَ أَهْلَ الْأَرْضِ فِي كُلِّ لَيْلَةٍ  
فَقَدْ حَاقَ بِالنَّاسِ الْبَلَاءُ كُلِّ جَانِبٍ  
وَكُنْتَ مَلَاذًا لِلنَّامِ غِيَاثَهُمْ  
تَذَكَّرْتَ أَيَّامًا مَضَتْ فِي حَلَاوَةٍ  
مَضَتْ فَمَضَى مَا كَانَ مِنْ طَيِّبِ عَيْشَةٍ  
أَقْوَمُ وَمَا لِي غَيْرَ ذِكْرٍ أَكْ مَلْهَجٍ  
بِنَفْسِي مَنْ لَمْ يَنْسَنِي عِنْدَ مَوْتِهِ  
وَقَدْ كَانَ فِي مَاقْبَلِ يَوْمِي خَطٌّ لِي  
بِشَارَةِ شَيْخٍ عَارِفٍ عِنْدَ مَوْتِهِ

جزاءُ الہ العرف خیراً بمُدَّة

بخیر عظیم والجزاء جزیل

جریح الفزاد ظفر احمد العثماني عفا الله عنه ۱۵ شعبان ۱۳۶۲ھ بدکة المحمية

## نداء الحزین

هذه قصيدة أرسلها إلينا حضرة الفاضل العلامة مولانا  
ظفر احمد العثماني الانصاري. اما تعريف هذه الاشعار  
فندكره بكلامه ولفظه كما قال. (التحرير)

رثاء حبيبتى وروح حياتى زوجى ام عمر عارفه خاتون الملقبة  
بمشتري توفيت الى رحمة الله عشية يوم الخميس عند اذان المغرب  
لثالث عشر من المحرم ١٣٤٠ هـ والسادس والعشرين من اكتوبر  
١٩٥٠ء فى ارض دكه (ڈهاكه) ودفنت فى مقبرة النواب عند قبر  
المرحوم مولانا الحافظ المحدث محمد براءت رحمة الله تعالى عليه  
وعليها وعلى من فى جوارهما من المسلمين والمسلمات والمؤمنين  
والمؤمنات. . (ظفر احمد العثماني)

اشكو الى الله حزنا هاج احزنا	ولوعة اضرمت فى القلب نيرانا
يا فرحة اقبلت حتى اذا كملت	غابت و بدلت الافراح احزانا
كانت وقلبي عن الافكار مشغل	بحسن طلعتها البيضاء فرحانا
راحت فراح بها ما كان من فرح	فى الدهر والخير عنا بعد ها بانا
كانت وكنا وكان الشمل مجتمعا	ثم افترقنا كأن الجمع ما كانا
ضاءت بهجتها ارض بها دفنت	إن الجميل جميل حيثما كانا
قد كنت فى سكرة من حُسن طلعتها	ولا أرى مثلها فى الناس انسانا
فى غفلة من صروف الدهر فاجئة	حتى فُجِعْتُ بما لا مثله الا نا
ياربة الحُسن ان الدار موحشة	مذغبت عنها وقد ادرجت اكفانا
ياربة الحُسن ما هذا الجفاء وقد	كنا جمعيا كرواح حل ابدانا

یا مُنیة القلب ان الروح فی کمد  
 یا راحة الروح مالی عنک مصطبر  
 ما کنت اخشاک یا روحی ویا املی  
 ما کان ذنبی سوی حبیک یا سکنی  
 فهل جزائی بلاء قد بلیت به  
 غاد رتنی دفنا حیران مندهشا  
 باللّٰه عودی مریضا لا دواء له  
 یا ام عمر و جزاک اللّٰه مکرمه  
 نلت الشهادة فی الشهر الحرام وقد  
 وافیت منزلة مانا لها احد  
 قد کنت عابدة للّٰه زاهدة  
 تلاءمة کتاب اللّٰه ناطقة  
 واللّٰه اولاک ما لا عین نظرت  
 ونور اللّٰه قبر اقد حللت به  
 باليتها بقیة او لبيتها رجعت  
 زین النساء واعلاهن منزلة  
 فصیحة کنظام الدر منطقها  
 بسامة تضحک الثکلی ولؤلؤة  
 والقلب فی قلق نوما ویقظانا  
 عودی فعودی الی الاحباب احیانا  
 ان تترکی خلک المشتاق حیرانا  
 واننی کنت من رؤیاک جدلانا  
 ترکتنی مفردا فی الدهر ولّٰهانا  
 مادمت حیا علی مافات حسرانا  
 الا لقاءک غصن البان میسانا  
 ردی علی فؤادی اینما کانا  
 اثنی علیک الوری سرا واعلانا  
 من النساء ذرافات و وجدانا  
 مُحبة لرسول اللّٰه ایمانا  
 بالحق راحجة الآراء میزاننا  
 فی جنة الخلد اکراما و احسانا  
 فعاد من حُسنک الوهاج بُستاننا  
 یوماً فکل عزیز بعدها هانا  
 فی الحُسن کانت لصنع اللّٰه برهانا  
 بلیغة افحمت ضدا و اقرانا  
 نفیسه فردة من آل عثماننا

منی السلام علیہا دائما ابدا

ورحمة اللّٰه والغفران رضوانا

## طريق الاستقلال

فلا بد لاستقلال الاسلام، من زوال هذه الاوهام، ومن انتشار المعارف التى لا يجتمع مع الدلّ فى مكان، ولا تبرح دون تلك الغاية مصاعب وقحمة. و مصائب و غُمم، وليال مظلمة طوال، ومعارك تشيب لها ذوانب الاطفال. (شكيب ارسلان)

## رثاء آخر لام عمر (رحمها الله تعالى)

هذه ثانية القصيدتين اللتين ارسلهما الينا العلامة مولانا ظفر احمد العثمانى من دكة فى رثاء زوجته نشرنا الاولى فى العدد القادم وهذه الاخرى نتشرف بنشرها الآن (المدير)

ماللضياء بدلت بظلام	ماللحياة تحولت لحمام
تَبَّالْ دُنْيَا لَا يَدُومُ نَعِيمُهَا	دار الغرور تم كالأحلام
شَيَّبَتْ حَلَاوَةَ عَيْشِهَا بِمَرَارَةٍ	لم تصف لذتها من الآلام
قد كنت محسود الانام بعيشة	مرضية فى ظل كل همام
ثم ابتليت بفقدهم متابعا	حتى فقدت حبيبتي فى العام
وافرقتاه فكيف عيشى بعدها	وهى الحياة ترحلت بسلام
كانت فكان بها الزمان منورا	ومضت فغاب بها ضياء الايام
شمس النهار بحسناها و ضياءها	وجمألها بالليل بدر تمام
زين العشيرة صدر كل مجالس	قد شرفته تكرما بكلام
واذا تبسمت الحبيبة خلتها	برقاتلأ لأفى خلال غمام

حلّو الشّمائِل بضّة ریحانة  
 اللّهُ زینها بحُسن ملاحه  
 کانت حیاةً للنفوس وراحةً  
 کانت فريدةً عصرها فی خلقها  
 کانت مطیعة ربها و مُجبةً  
 تلاءمةً لکتابه ذکّارةً  
 صّارةً شکارةً بسّامةً  
 قوّالةً بالحقّ مدةً عمرها  
 فاقت بهمتها الرجال و غادرت  
 حجّت الی البیت الحرام بهمةً  
 حجّت مع الوالدین تحمل واحدًا  
 رکبت ومارکبت حمار اقبله  
 اعجب بهمتها لا مرصلاتها  
 قرأت کتاب اللّهُ ثم تعلّمت  
 اشرف علی المقتدی بفعاله  
 روّی الاله ضریحها واثابها  
 لا تبعدى فَلَا نَتِ وسط قلوبنا  
 لا تبعدى فجمیل ذکرک خالّد  
 ولأنت عارفة و أنت حميدة

ثم السلام علی النبی وآله

و علی الحبیبة مُشتری بدوام

ظفر احمد العثمانی عفا اللّهُ عنه (من دکه ۱۰ ج ۱)

(۱۳۸۱ هـ)

## جہاد فلسطین

(حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی شیخ الحدیث دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار)  
ایک عربی قصیدہ جہاد فلسطین بھیج رہا ہوں، یہ اسرائیل کی پہلی جنگ کے موقع پر  
لکھا تھا اور حفلة العلماء منعقدہ مئی ۴۸ء کے یوم فلسطین میں پڑھا گیا تھا۔ مگر شائع نہیں کیا  
گیا۔ اب اس کی اشاعت کا وقت ہے۔ والدعاء ظفر احمد عثمانی

جاء البرید علی الہوا بکتاب	من عندنا عمة القوام کعاب
نفسی وما بیدی فدا مصریة	من آل عثمان ذوی الاحساب
یامنیة العشاق کیف رثیت لی	من بعد طول تبطل وعتاب
قالت دعوتک کی تطہر ساحتی	من قوم دجال وجوہ کلاب
من معشر باء وابلعنة ربهم	فی العالمین مُدَنِّسی الاثواب
جاء واوقد ضربت علیہم ذلة	من عند ربی سید الارباب
جاءت امیریکا لنصرة معشر	لُعِنُوا الْاَخر هذه الاحقاب
من ينصر الملعون باء بلعنة	وترد نصرته علی الاعقاب
من يلعن اللہ فلن تجدوا له	من ناصریا معشر الاحزاب
نرجو الاله ولا نخاف کتیبہ	سارت الی اخواننا الاعراب
یکفی الاله المؤمنین قتالہم	ویشینا فی الاجر خیر ثواب
جاءت یہود لکی تغالب ربها	فلیُغلبَنَّ مُغالب الغلاب
یامعشر الاسلام قوما واضربوا	اعداء کم ضربا بغير حساب
یا قومنا قوموا الیہم وانزعوا	بیت المُقَدَّس من ید الخلاب
طوبی لقوم قُدموا فتقدموا	لنکال کل مکذب مرتاب
یامعشر العرب الکرام فدیتمکم	لا یغلبنکم الیہود بیاب
انتم جنود اللہ فی یوم الوغی	انتم اُسود فی صریمہ غاب



یا قوم لا تهنوا ولا تخشوهم	وامحو اظلامهم بضوء شهاب
بعد او سحقا للیهود ومن اتی	مُعهم یرید غنائم الاسلاب
اللہ ینصرکم علی اعدائکم	ویبیدهم حقا بشر عقاب
ہدی فلسطین لنا من غیر ما	ریب عطاء ملیکنا الوہاب
ثم الصلوۃ علی النبی محمد	خیر الورای والال والاصحاب

جتنا علم قرآن میں ہے



## ﴿جتنا علم قرآن میں ہے﴾

اس سے زیادہ علم اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور دیا تھا

از حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی شیخ الحدیث دارالعلوم اشرف آباد (نڈوالہ یار) سندھ  
حضرت علامہ مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی جزاء اللہ عنا وعن سائر المسلمین کا  
ایک مضمون ”منکرین حدیث اور خطیب بغدادی“ الصدیق کے اندر ۱۸ قسطوں میں شائع  
ہو کر پچھلے شمارہ میں مکمل ہو چکا ہے۔ اس مضمون کے شائع ہونے پر منکرین حدیث بہت  
سٹ پٹائے۔ ادارہ طلوع اسلام نے ہمیں لکھا تھا کہ الصدیق کے وہ پرچے جن میں طلوع  
اسلام کے مسلک پر تنقید کی گئی ہے۔ ہماری طرف ارسال کرو۔ مگر بغیر قیمت کے ہم کس  
لئے ارسال کرتے۔ جبکہ طلوع اسلام ہمارے پاس قیمتا آتا رہا۔

اس مقالہ میں منکرین حدیث کے ایک اور مضمون کا جواب دیا گیا۔ جس کا  
عنوان ہے ”حدیث مثلہ کی حقیقت“ اس مضمون پر ادارہ طلوع اسلام کو بڑا ناز ہے۔ جیسا  
کہ حضرت مولانا نے تصریح فرمائی ہے۔ الحمد للہ تعالیٰ حضرت مولانا موصوف، رحمہ اللہ  
منکرین حدیث کا خوب تعاقب فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت علامہ مدظلہ العالی کو جزائے  
خیر عطا فرماوے اور آپ کے مضامین اس فتنہ کی سرکوبی کیلئے ہمیشہ جاری رہیں۔ (ادارہ)

اب تک طلوع اسلام کے اس مضمون کا جواب تھا جو عنوان ”مقام حدیث امام  
اعظم ابوحنیفہ کی نظر میں“ کے تحت لکھا گیا ہے۔ اس کے بعد اختصار کے ساتھ اس مضمون کا  
بھی جواب دینا چاہتا ہوں جو حدیث مثلہ معہ کی حقیقت کے عنوان سے اسی شمارہ میں درج  
کیا گیا ہے۔ کیونکہ اس پر بھی ادارہ طلوع اسلام کو بڑا ناز ہے۔ مدیر نے جا بجا حاشیہ میں

مضمون نگار کو بہت داد دی ہے۔ اس مضمون پر جو تعارفی نوٹ دیا اس میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ

”قرآن کا دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ سے دینا تھا وہ قرآن کے اندر محفوظ و مصون ہے اور قرآن کے باہر خدا کی وحی کہیں نہیں ہے۔“

ادارہ طلوع اسلام کو قرآن کا یہ دعویٰ کہ قرآن کے باہر خدا کی وحی کہیں نہیں ہے قرآن سے ثابت کرنا چاہیے۔ ہم چیلنج کرتے ہیں کہ وہ ہرگز قرآن سے اس مدعا کو ثابت نہیں کر سکتا۔ بہت سے بہت وہ کھینچ تان کر یہ کہے گا کہ قرآن کا دعویٰ ہے کہ وہ دین کی تمام باتیں کر دینے کے لئے اتارا گیا ہے۔ اور یہ کہ دین کی باتوں میں قرآن نے کوئی کمی نہیں چھوڑی ہے۔“

اس میں اول تو دین کی قید بڑھانا محتاج دلیل ہے قرآن تو اپنے کو تبیاننا لکل شیء کہتا ہے کہ اس میں ہر چیز کا بیان ہے اور مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ ہم نے اس قرآن میں کوئی چیز نہیں چھوڑی، تم نے اس میں دین کی قید کہاں سے لگائی؟ اگر کہا جائے کہ عقل سے لگائی۔ تو اپنی عقل کا حجت ہونا قرآن سے ثابت کر دو۔ ورنہ علامہ طنطاوی کا قول دلیل قرآن سے رد کرو جو قرآن میں سائنس اور طبیعیات و فلکیات اور صنعت و حرفت اور طب و غیرہ کا بیان بھی ان ہی آیتوں سے ثابت کرتا ہے۔

اس سوال سے قطع نظر کر کے ہمارا دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا قرآن میں دین کی تمام باتوں کو اس طرح کھول کھول کر بیان کیا گیا ہے کہ ہر جاہل و عالم اس سے احکام معلوم کر سکتا ہے یا کچھ باتیں صاف صاف بیان کی گئی ہیں۔ کچھ بالا جمال، اور کچھ بطور اشارہ؟ اگر پہلی صورت ہے تو مشاہدہ کے بھی خلاف ہے اور قرآن کے بھی۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ قرآن فہمی میں ہر عالم و جاہل برابر نہیں ہے۔ قرآن جاہلوں کے متعلق خود کہتا ہے۔

فَاسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ اہل علم سے پوچھو اگر تم نہیں جانتے۔ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ کیا اہل علم اور غیر اہل علم برابر ہو سکتے ہیں؟ اگر دوسری صورت ہے تو قرآن کے اشارات و اجمال کو سمجھنے کا معیار کیا ہے؟ اور کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے اجمال و اشارات کو واضح کیا ہے یا نہیں؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ بیان اور توضیح قرآن میں ہے یا قرآن سے باہر؟ ظاہر ہے کہ رسول اللہ کا بیان قرآن میں نہیں ہو سکتا۔ قرآن میں تو جو کچھ ہے خدا کا کلام ہے لامحالہ قرآن سے باہر ہی ہوگا۔

اسی کو ہم حدیث اور سنت کہتے ہیں اور اس سے قرآن کا ناقص ہونا ہرگز لازم نہیں آتا۔ ہاں یہ ضرور لازم آتا ہے کہ قرآن میں دین کی سب باتیں کھول کھول کر بیان نہیں کی گئیں کچھ احکام اجمال و اشارہ کے طور پر بھی بیان کئے گئے۔ جن کی تشریح و توضیح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کر دی ہے اگر ادارہ طلوع اسلام کو اس حقیقت کے ماننے سے انکار ہے تو وہ بتلائے کہ قرآن میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ۝ فَاِذَا قَرَأْنَاهُ ۝ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ۝ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ ۝ ہمارے ذمہ ہے قرآن کا جمع کرنا اور اس کا پڑھ دینا تو جب ہم قرآن کو پڑھیں اس کی قرأت کا اتباع کرو پھر ہمارے ذمہ اس کا بیان کرنا بھی ہے۔ اس سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ دو چیزوں کی الگ الگ ذمہ داری لے رہے ہیں۔ ایک قرآن کے جمع کی دوسری اس کے بیان و توضیح کی۔ اگر قرآن کا بیان اس سے الگ نہیں تو دو چیزوں کا الگ الگ بیان کرنا فضول ہو جاتا ہے۔ صرف اتنا کہہ دینا کافی تھا کہ قرآن کا جمع اور محفوظ کر دینا ہمارے ذمہ ہے ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ کی کچھ ضرورت نہ تھی۔

پھر دوسری آیت سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ قرآن کا بیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ہوا ہے۔

﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾

”اور ہم نے آپ پر یہ قرآن نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کے

سامنے اس چیز کو واضح کر دیں۔ جو ان کی طرف نازل کی گئی ہے“

یہ آیت بتا رہی ہے کہ دین کی سب باتوں کو تنہا قرآن سے سب لوگ نہیں سمجھ

سکتے بلکہ بیان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی ضرورت ہے اور اس سے قرآن کا ناقص ہونا

ہرگز لازم نہیں آتا کیونکہ ہم بتلا چکے ہیں کہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں جو کچھ بھی

ہے۔ قرآن ہی کا بیان ہے اس سے الگ کوئی چیز نہیں۔

اگر قرآن سے باہر خدا کی وحی کہیں نہیں ہے تو اس آیت کا کیا مطلب ہے۔

﴿وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ

مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا﴾

”اللہ نے نازل کی آپ پر کتاب اور حکمت اور سکھائیں آپ کو وہ

باتیں جو آپ نہیں جانتے تھے اور اللہ کا فضل آپ پر بہت بڑا ہے۔“

یہاں دو چیزوں کا نزول اللہ کی طرف بتا دیا گیا ہے۔ ایک کتاب دوسری

حکمت، اگر حکمت قرآن ہی کا نام ہے تو اس کو الگ سے بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

بس اتنا کہہ دینا کافی تھا کہ ہم نے آپ پر کتاب نازل کی۔ مگر قرآن کے الفاظ بتا رہے

ہیں کہ کتاب اللہ کے علاوہ دوسری چیز بھی آپ پر نازل کی گئی ہے۔ جس کا نام حکمت

ہے۔ اسی کو ہم سنت کہتے ہیں۔ قرآن کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے

حکمت کو قرآن سے الگ جا بجا بیان کیا ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا میں

فرمایا گیا ہے۔ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ

الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (بقرہ) مسلمانوں پر

اپنا انعام بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِنْكُمْ يَتْلُوا



عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ (البقرہ) دوسری آیت میں فرماتے ہیں لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ (آل عمران) سورہ جمعہ میں ارشاد ہے۔ هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ان تمام آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند فرائض بتلائے گئے ہیں (۱) تلاوت آیات (۲) تزکیہ ظاہر و باطن (۳) تعلیم کتاب اللہ (۴) تعلیم حکمت (۵) ایسی باتوں کی تعلیم جو بغیر آپ کے بتلائے ہوئے کوئی نہیں جان سکتا تھا۔ اگر قرآن کے سوا کوئی وحی آپ پر نہیں آئی تو حکمت وغیرہ کی تعلیم کو الگ بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ منکرین حدیث کے نزدیک تو رسول کا کام صرف تلاوت قرآن تھا کہ لوگوں کو قرآن پڑھ کر سنا دیں۔ تعلیم قرآن بھی رسول کا کام نہ تھا۔ ورنہ ہم کو بتلایا جائے کہ رسول نے تلاوت آیات کے علاوہ کتاب اللہ کی تعلیم کے سلسلہ میں جو کچھ فرمایا ہے وہ کہاں ہے؟ یقیناً وہ حدیث و سنت ہی میں ہے جب قرآن میں تلاوت آیات، تعلیم کتاب اور تعلیم حکمت کو الگ الگ بیان کیا گیا ہے تو یقیناً یہ تین چیزیں ہیں۔ پس یہ کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام صرف تلاوت آیات تھا اور آپ نے قرآن کی تعلیم کے سلسلہ میں کچھ نہیں فرمایا نہ آپ نے حکمت کی تعلیم دی سراسر قرآن کے بیان کو جھٹلانا ہے۔ مجموعہ آیات سے ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جس طرح قرآن نازل کیا ہے۔ اسی طرح ایک دوسری چیز حکمت بھی نازل کی ہے۔ وَأَنزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ اور جس طرح آپ نے قرآن کی تلاوت کر کے تبلیغ وحی کا حق ادا کیا ہے۔ اسی طرح آپ نے امت کو اس کے معانی و مطالب کی بھی تعلیم دی ہے اور ہر کلام سے

اصل مقصود معانی و مطالب ہی ہوتے ہیں تو اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْنَ سے جس طرح الفاظ قرآن کی حفاظت کا وعدہ مفہوم ہو رہا ہے اس کے معانی و مطالب کی حفاظت کا بھی وعدہ مفہوم ہو رہا ہے۔ خصوصاً وہ معانی و مطالب جو رسول نے بامر الہی تعلیم کتاب کے سلسلہ میں بیان فرمائے ہیں پس یہ کہنا غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف قرآن کے الفاظ و نقوش کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے بلکہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ قرآن بھی محفوظ رہے گا۔ اور جن چیزوں پر اس کا سمجھنا موقوف ہے وہ بھی محفوظ رہیں گی جن میں سب سے پہلے وہ حکمت داخل ہے جو رسول پر قرآن کی طرح نازل کی گئی اور رسول کی وہ تعلیمات بھی داخل ہیں جو قرآن و حکمت کے سلسلہ میں آپ نے امت کو دی ہیں۔

تمنا عبادی صاحب نے یہ تو تسلیم کر لیا ہے کہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْنَ ۝ سے صرف اوراق یا حروف و نقوش کی حفاظت مراد نہیں۔ بلکہ اصل دین کی حفاظت کا وعدہ مقصود ہے، اس کے بعد فرماتے ہیں کہ اس کتاب کی حفاظت کے معنی یہی ہیں کہ دین ہر طرح محفوظ ہے۔ اسی لئے دین کے تمام احکام سارے اوامر و انہی اسی کتاب میں محصور رکھے گئے اور اسی کو نبیانا لکل شیئی فرمایا گیا۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ سب مقدمات مسلم ہیں مگر اسی کے ساتھ آپ کو آیت و انزل اللہ علیک الكتاب والحکمة سے یہ بھی ماننا پڑے گا کہ قرآن کے علاوہ آپ پر حکمت بھی نازل کی گئی تھی اسی کی مدد سے قرآن کا نبیانا لکل شیئی ہونا رسول پر واضح ہوا۔

قرآن کے بعض اشارات کو رسول نے بھی دوسری وحی سے سمجھا ہے۔ جس کا نام حکمت ہے تنہا قرآن سے نہیں سمجھا چنانچہ احادیث میں بہت مسائل ایسے موجود ہیں۔ جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا اور آپ نے جواب نہیں دیا وحی کا انتظار فرمایا وحی کے بعد جو جواب دیا وہ قرآن میں صراحتاً مذکور نہیں ہے۔ اشارۃً ہوگا مگر وہ اشارہ رسول کو بھی مستقل وحی سے معلوم ہوا۔ جیسے ایک شخص نے حالت احرام میں عمرہ میں

خوشبو لگانے اور جبہ پہننے کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے وحی کے بعد جواب دیا کہ خوشبو کو دھوؤ جبہ الگ کرو قرآن میں صراحت مذکور نہیں۔ جب رسول کے حق میں بھی قرآن کا تبیان لکل شیئی ہونا بغیر نزول حکمت کے واضح نہ تھا تو امت کے حق میں بغیر ان تعلیمات کے جو کتاب و حکمت کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو دی ہیں۔ کس طرح اس کا تبیان لکل شیئی ہونا واضح ہو سکتا ہے؟ اور جب ان تعلیمات کے علم پر قرآن کا تبیان لکل شیئی ہونا موقوف ہے۔ تو دین اس وقت تک محفوظ نہیں ہو سکتا۔ جب تک وہ تعلیمات رسول محفوظ نہ ہوں۔ ورنہ تمنا عمادی صاحب ہم کو بتلائیں کہ نکاح کے لئے کم از کم دو گواہوں کا ہونا شرط ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو نکاح اور زنا میں فرق بتلائیں؟ اگر شرط ہے تو قرآن سے اس شرط کو ثابت کریں؟ نیز گدھے، کتے، بندر، خچر کی حرمت کا قرآن سے ثبوت دیں۔ آپ نے اُحِلَّتْ لَكُمْ بِهَيْمَةِ الْاَنْعَامِ سے جو ان کی حرمت ثابت کی ہے محض لغو ہے کیونکہ اس آیت سے صرف اتنا معلوم ہو رہا ہے کہ بِهَيْمَةِ الْاَنْعَامِ (اونٹ گائے بکری) حلال نہیں۔ یہ کہاں معلوم ہوا کہ ان کے ماسوا سب حرام ہیں۔ یہ تو مفہوم مخالف سے استدلال ہوا اور مفہوم مخالف کا حجت ہونا مسلم نہیں اس میں بہت اختلاف ہے اگر وہ مفہوم مخالف کو حجت سمجھتے ہیں تو اس کا ثبوت بھی قرآن سے پیش کریں۔ پھر مفہوم مخالف کو حجت مان بھی لیا جائے تو اس آیت سے یہ مفہوم ہوگا کہ مرغی، بطخ، مرغابی، مور، سرخاب سب حرام ہیں۔ کیونکہ یہ چیزیں بہیمۃ الانعام سے خارج ہیں اور قرآن نے صرف بہیمۃ الانعام کو حلال کیا ہے۔ اس کے سوا سب درندے پرندے چرندے حرام ہیں۔“

اب تو سمجھ میں آگیا ہوگا کہ قرآن بغیر تعلیمات رسول کی حفاظت کے تبیان لکل شیئی نہیں ہے۔ اور تعلیمات رسول قرآن ہی کی تفسیر و بیان ہیں۔ اس کے بعد تمنا صاحب فرماتے ہیں کہ وہ وحی جس کا تعلق احکام شریعت دینی اوامر و نواہی اور حلال و حرام

سے یا تبشیر و تنذیر سے ہے (انذار کہنا چاہیے) وہ صرف قرآن مبین اور اس کی آیتیں ہیں۔ اس لئے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے الفاظ میں بھی لوگوں کو دینی باتیں سمجھاتے ہوں گے تو قرآن ہی کے مضامین بیان فرماتے ہوں گے۔ شکر ہے کسی قدر راستے پر آئے۔ اب سوال یہ ہے کہ حضورؐ نے اپنے الفاظ میں جو قرآنی مضامین بیان فرمائے ہیں۔ وہ محفوظ ہیں یا نہیں؟ اور محفوظ ہیں تو حجت میں یا نہیں؟ اگر حجت نہیں تو کیا آپ قرآنی مضامین کی حجیت سے بھی انکار کرتے ہیں؟ اگر حجت میں تو حدیث کی حجیت سے انکار باطل ہو گیا۔ کیونکہ جو جماعت حدیث کو دینی حجت مانتی ہے وہ یہی کہتی ہے کہ سنت میں جو کچھ ہے قرآن ہی کی تفسیر و شرح ہے۔ قرآن ہی کے مضامین کی توضیح و تشریح ہے۔ اور اگر تعلیمات رسول محفوظ نہیں تو ہم بتلا چکے ہیں کہ تنہا قرآن امت کے حق میں تبيان لكل شئی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ قرآن سے نہ نماز کا طریقہ معلوم کر سکتی ہے۔ نہ زکوٰۃ کا نہ روزہ کا نہ حج کا نہ نکاح کا، اور نہ غذاؤں میں حلال و حرام کا فیصلہ کر سکتی ہے۔ جس کا جو جی چاہے گا دعویٰ کرنے لگے گا اور کوئی صورت تعین مراد قرآن کی نہ ہوگی۔ اسی مقالہ میں بطور نمونہ کے ہم نے چند مجملات قرآن کا حوالہ دیا ہے۔ تعلیمات رسول کے بغیر ان مجملات کی مراد واضح نہیں ہو سکتی۔ تمنا صاحب نے قرآن کی ایک آیت پڑھ لی دوسری آیت نہ پڑھی۔ جس میں حق تعالیٰ نے قرآن کے علاوہ حکمت کا نازل کرنا بھی بیان فرمایا ہے وانزل اللہ علیک الكتاب والحکمة اور یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم کتاب کے ساتھ حکمت کی بھی تعلیم دیتے تھے، وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ایسی تعلیم کتاب اور تعلیم حکمت کا نام حدیث و سنت ہے۔ آگے چل کر فرماتے ہیں کہ ”اسی لئے حدیثوں کی صحت کا اصلی اور قطعی معیار مطابقت قرآن مبین ہے۔“ میں بتلا چکا ہوں کہ جو حدیث قرآن کے خلاف ہو۔ وہ کسی کے نزدیک بھی قابل قبول نہیں مگر اس کا فیصلہ کرنا کہ یہ حدیث قرآن کے خلاف ہے۔ فقہاء و مجتہدین ہی کا کام ہے۔ ایرا غیر انتھو خیرا کا

کام نہیں۔ اور آپ کا یہ دعویٰ کہ جن احادیث میں ایسے مضامین ہیں۔ جن سے قرآن خاموش ہے وہ بھی قرآن کے خلاف ہیں سراسر غلط ہے۔ ورنہ چاہیے کہ جہاں قرآن میں اجمال ہے وہاں بھی حدیث خاموش رہے اور اجمال کی تفسیر و توضیح نہ کرے۔ کیونکہ قرآن نے تفسیر نہیں کی۔ تو پھر مشکلات قرآن کا حل کیا۔ تمنا صاحب کی رائے سے کہا جائے گا؟ اور اگر ان کا یہ دعویٰ ہے کہ قرآن میں کسی جگہ اجمال اور اشکال ہے ہی نہیں۔ تو وہ قرآن دانی سے اپنے جہل کا اقرار کرتے ہیں۔ ہم نے گزشتہ اوراق میں چند نمونے پیش کر دیئے ہیں اگر ضرورت ہو تو اور بھی مثالیں مجملات قرآن کی پیش کر دی جائیں گی دیکھیں تمنا صاحب کہاں تک اجمال کا انحصار کرتے ہیں۔ آیت قرآنی وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ میں بالا جمال اعتکاف کی طرف اشارہ کیا گیا تھا اور اس کا طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر عمل سے بتلادیا تھا۔ جس پر آج تک امت کا عمل چلا آ رہا ہے اور مولانا تمنا عمادی بھی غالباً اسی کے موافق اعتکاف کرتے آئے ہیں۔ مگر طلوع اسلام بابت جون ۱۹۵۶ء میں اسی طرح اعتکاف کرنے کو رہبانیت قرار دیا گیا اور اس کی حقیقت ٹریننگ سنٹر یا ٹریننگ کیمپ میں کسی کو روک دینا بتلائی ہے اگر اس کا نام قرآن نہیں ہے تو تمنا صاحب ذرا اس پر بھی روشنی ڈالتے جائیں۔ ورنہ جیسا ہم اوپر کہہ چکے ہیں۔ اگر قرآن کو تعلیمات رسول سے الگ کر دیا گیا۔ تو ہر ایریا غیر انتھو خیراجی میں آئیگا کہے گا اس کی زبان و قلم کو لگام دینے والی کوئی چیز نہ ہوگی۔

آگے بڑھنے سے پہلے اتنا اور بتلا دوں کہ طلوع اسلام بابت جون ۱۹۵۶ء میں آیت وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا O کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے ”اور خدا نے اے پیغمبر اسلام تم پر کتاب اور حکمت (دونوں) نازل کی ہیں اور تمہیں وہ چیزیں سکھائی ہیں۔ جو تم نہیں جانتے تھے اور خدا کا تم پر بڑا فضل رہا ہے۔“ جس میں تسلیم کر لیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ

کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دو چیزیں نازل ہوئی ہیں ایک کتاب دوسری حکمت۔ اگر حکمت بھی کتاب ہی ہے تو دو چیزوں کا نزول نہ ہوگا صرف ایک کا ہوگا۔ حالانکہ قرآن میں الکتاب والحکمة معطوف معطوف علیہ ہیں جو الگ الگ دو چیزوں کا مقتضی ہے اور طلوع اسلام نے بھی ترجمہ میں ان کا دو ہونا تسلیم کیا ہے اور جب حکمت کتاب سے الگ ہے تو ثابت ہو گیا کہ آپ پر قرآن کے علاوہ بھی وحی آتی تھی۔ جس کا نام حکمت ہے۔ اور جن آیات میں تعلیم الکتاب والحکمة بار بار آیا ہے ان سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح امت کو کتاب کی تعلیم دیتے تھے۔ اسی طرح حکمت کی تعلیم بھی دیتے تھے۔ اسی تعلیم کتاب اور تعلیم حکمت کا مجموعہ حدیث و سنت ہے اور جب قرآن کی حفاظت سے مراد صرف نقوش و حروف کی حفاظت مراد نہیں بلکہ اس کے معانی و مطالب و مقاصد کی حفاظت بھی مراد ہے تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان تعلیمات کا محفوظ رہنا بھی لازم آ گیا جو کتاب و حکمت کے سلسلہ میں آپ نے ارشاد فرمائی ہیں۔ اور جب خود قرآن سے معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب اور حکمت (دونوں) نازل فرمائی ہیں تو اگر محدثین نے حدیث مثلاً معہ کو قرآن کے موافق دیکھ کر قبول فرمالیا اور اس کو اپنی کتابوں میں درج فرما دیا تو کیا قصور کیا؟ رہا یہ کہ حکمت سے مراد قانون الہی کی علت و وجہ ہے یا مطلق سنت رسول جو علل احکام پر بھی مشتمل ہے اور شرح کتاب اللہ پر بھی تو ان میں سے جو بھی مراد ہو آیت وانزل اللہ علیک الکتاب والحکمة میں عطف سے صاف معلوم ہو رہا ہے۔ کہ حکمت بھی قرآن کی طرح منزل من اللہ ہے۔ کیونکہ عطف میں اصل مغایرت ہے اور اصل سے بلا دلیل عدول نہیں ہو سکتا۔ اور جب حکمت بھی منزل من اللہ ہے۔ تو حدیث مثلاً معہ اس کے موافق ہے۔ پس مدیر طلوع اسلام کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ قرآن سے باہر رسول پر کوئی وحی نازل نہیں ہوئی اور ہم پہلے بتلا چکے ہیں کہ جو حدیث عموم قرآن یا ظاہر



قرآن کے موافق ہو اگرچہ اس کی سند ضعیف ہو قابل قبول ہوگی۔ حدیث مثلاً معہ کی یہی شان ہے کہ وہ آیت وانزل اللہ علیک الكتاب والحکمة کے موافق ہے تو اس کو تمنا صاحب بھی رد نہیں کر سکتے جن کے نزدیک حدیث کی صحت کا معیار موافق قرآن ہی ہے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی عادت کے موافق ایسی بات کو دہرایا ہے۔ جس کو ہر مضمون میں ذکر کیا کرتے ہیں کہ منافقین عجم نے جھوٹی اور مفسدانہ حدیثیں گھڑنے کے لئے اور اسلام کے خلاف مسلسل جدوجہد کرنے کے لئے کچھ مراکز بنا رکھے تھے۔ جیسے خراسان، کوفہ، شام، نیشاپور وغیرہ وغیرہ۔

یہ محض ان کی قیاس آرائی ہے۔ اس سے انکار نہیں کہ حدیث روایت کرنے والوں میں بعضے اہل اہواء اور اہل بدعت کذابین و ضاعین بھی تھے۔ جیسا ہر جماعت میں اچھوں کے ساتھ برے بھی ہوتے ہیں۔ جن کی جھوٹی اور من گھڑت حدیثوں کو ناقدین ماہرین و حفاظ حدیث نے اس طرح نکال پھینکا تھا جیسے دودھ میں سے مکھی۔ مگر یہ کہ وضع حدیث کسی منظم سازش کے ماتحت تھی۔ اور اس کے مراکز بلاد اسلام میں قائم تھے۔ محض افسانہ اور قیاس آفرینی ہے۔ اگر ایسے قیاسات سے منظم سازش کا ثبوت ہو سکتا ہے تو یہ قیاس بھی مان لینا چاہیے کہ انکار حدیث کے سلسلہ میں جو کچھ کیا جا رہا ہے۔ سراسر یہودی سازش ہے۔ کیونکہ حجیت حدیث کا انکار کرنے والے جتنی باتیں حدیث کے متعلق کہتے ہیں یہ سب ایک شامی یہودی کے قول کی صدائے بازگشت ہے جس نے سب سے پہلے یہ باتیں اپنی کتاب میں لکھی تھیں تاکہ مسلمانوں کے دلوں میں حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے شکوک و شبہات پیدا ہو جائیں اور اسلام کی قدیم شکل مسخ ہو کر کچھ سے کچھ ہو جائے۔ چنانچہ انگریزی دان طبقہ اس یہودی کے فریب میں آگیا اور مصر و شام و ہندوستان و پاکستان وغیرہ میں انکار حدیث کے مراکز قائم ہو گئے۔ جن کو یہودیوں اور یہود نواز برطانیہ سے امداد پہنچتی رہتی ہے۔ تو کیا تمنا صاحب اس قیاس آرائی کو قبول



فرمائیں گے؟

اس کے بعد آپ نے خطیب کی کفایہ سے یہ عبارت نقل کر کے باب ماجاء فی التسمیۃ بین حکم کتاب اللہ وحکم سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی وجوب العلم ولازم التكلیف اور اس کا مہمل ترجمہ کر کے فرمایا ہے کہ ”جہاں تک نفس مضمون کا تعلق ہے وہ تو بالکل صحیح ہے اس لئے کہ سنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے تو معنی ہی یہ ہیں کہ کتاب اللہ کے احکام کی تعلیم جس طرح خود رسول نے کی اور رسول کی تعلیم کے مطابق صحابہ (رضی اللہ عنہم) نے کی تو سنت رسول دراصل قرآن کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ قرآنی احکام کی عملی تفسیر کا نام سنت رسول ہے۔ اس لئے سنت رسول کا اتباع عین قرآن کا اتباع ہے۔ جس طرح قرآن میں ارشاد فرمایا گیا مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ تو جس طرح اللہ کی اطاعت رسول ہی کی اطاعت ہے۔ اسی طرح قرآن کا اتباع سنت صحیحہ رسول کا اتباع کر کے ہی ممکن ہے۔ خط کشیدہ عبارت میں آپ نے تسلیم کر لیا ہے کہ قرآن کا اتباع سنت صحیحہ رسول کا اتباع کر کے ہی ممکن ہے۔ اس کے بغیر ممکن نہیں پھر طلوع اسلام حجیت حدیث کا انکار کیسے کرتا ہے؟ جب سنت صحیحہ رسول کے اتباع پر قرآن کا اتباع موقوف ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ سنت صحیحہ دینی حجت ہے اور جب احکام قرآن غیر متبدل ہیں تو سنت صحیحہ متبدل کیسے ہو سکتی ہے۔ جس کے اتباع پر قرآن کا اتباع موقوف ہے۔ رہا آپ کا یہ فرمانا کہ

”قرآنی احکام کی عملی تفسیر کا نام سنت رسول ہے اس لئے سنت رسول قرآن کے علاوہ کچھ نہیں۔“ اس پر سوال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنی احکام کی جو کچھ عملی تفسیر بیان کی ہے وہ قرآن کے اندر مذکور ہے یا اس سے باہر ہے؟ ظاہر ہے کہ حضور کی عملی تفسیر آپ کے عمل سے ہوئی ہے۔ قرآن میں اس کا ذکر نہیں۔ بلکہ اس کو سنت صحیحہ نے بیان کیا ہے۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ قرآن تنہا تبیاناً للکل شئی نہیں ہے۔

بلکہ رسول کی عملی تفسیر کو ملا کر تبیاناً لکل شیء ہے۔ یا یوں کہئے کہ قرآن تو تبیاناً لکل شیء ہے۔ امت کو قرآن پر عمل کرنے اور اس کے مطالب کو سمجھنے کے لئے سنت صحیحہ رسول کی طرف رجوع کرنا لازم ہے۔ یہی ہم کہتے ہیں۔ ہم یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن کے خلاف کوئی حدیث قابل قبول نہیں۔ مگر کسی حدیث کا خلاف قرآن ہونا زید و عمر کی رائے سے قبول نہ کیا جائے گا۔ اس میں فقہاء مجتہدین کی رائے مانی جائے گی۔ کیونکہ قرآن کا خود فیصلہ ہے و فوق کل ذی علم علیہ اور فقہاء مجتہدین کا دوسروں سے فوق ہونا ظاہر و بدیہی ہے۔

رہا آپ کا یہ دعویٰ کہ جن مسائل میں قرآن خاموش ہے ان کے متعلق بھی جو حدیثیں وارد ہوں گی وہ قرآن کے خلاف ہوں گی۔ اس کا غلط ہونا اوپر واضح کر چکا ہوں اور ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ جن مسائل میں حدیث ناطق ہے اور آپ قرآن کو ساکت سمجھتے ہیں یہ آپ کی فہم کا قصور ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ان مسائل میں بھی قرآن ساکت نہ تھا۔ آپ دوسروں سے زیادہ قرآن کو سمجھتے ہیں اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی ایسی باتیں بیان فرمادیں۔ جن کو دوسرے قرآن سے نہیں سمجھ سکتے تھے۔ قرآن سب کے حق میں مساوی طور سے تبیاناً لکل شیء نہیں ہے رسول کے حق میں دوسروں سے زیادہ تبیاناً لکل شیء ہے۔ اور اس سے انکار کرنے کا کسی مسلمان کو حق نہیں۔ سب مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کسی کا علم نہیں تو آپ کے برابر قرآن کو کون سمجھ سکتا ہے۔ اس لئے حضرات صحابہ کو جب کوئی حکم قرآن میں صراحۃً نہ ملتا تو سنت رسول میں تلاش کرتے تھے۔ سنت رسول میں بھی نہ ملتا تو خلفاء راشدین کے قضایا میں تلاش کرتے ان میں بھی نہ ملتا تو اجتہاد سے کام لیتے تھے۔ یہی فقہاء امت کا طریقہ رہا ہے۔ جس کی وجہ وہی ہے کہ قرآن کے سمجھنے میں سب برابر نہیں ہیں اس کو سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمجھتے تھے۔ آپ کے بعد خلفاء

راشدین کا مرتبہ تھا۔ پھر دیگر فقہاء صحابہ کا پھر مجتہدین تابعین و تبع تابعین کا تو جن مسائل میں حدیث ناطق ہے۔ اور قرآن ساکت ہے وہاں یہی کہا جائے گا کہ ہمارے اور آپ کے نزدیک قرآن ساکت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ساکت نہیں۔ آپ نے جو کچھ بھی فرمایا قرآن ہی سے سمجھ کر فرمایا ہے گو ہمیں معلوم نہ ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی کس آیت سے کس لفظ سے کس اشارہ سے یہ مسئلہ سمجھا۔ کیونکہ ہمارے سامنے ایسے نظائر موجود ہیں کہ فقہاء مجتہدین نے قرآن کی بعض آیات سے وہ باتیں سمجھی ہیں۔ جہاں دوسروں کی فہم نہیں پہنچ سکتی تھی اور اگر وہ ان پر طریق استدلال کو بیان نہ کرتے تو دوسرے ہر گز نہیں سمجھ سکتے تھے کہ اس آیت سے یہ مسائل بھی مستنبط ہو سکتے ہیں۔ جن کو شک ہو وہ احکام القرآن لابن عربی و احکام القرآن للخصاص الرازی کا مطالعہ کر کے اس حقیقت پر مطلع ہو سکتا ہے تو اس میں کیا استبعاد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کے اشارات سے وہ باتیں سمجھی ہوں۔ جن تک فقہاء مجتہدین کی نظر بھی نہیں پہنچ سکتی تھی؟ تو جن مسائل میں حدیث ناطق ہے اور قرآن ہمارے آپ کے نزدیک ساکت ہے وہاں یہی کہا جائے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ حدیث میں فرمایا ہے قرآن سے ہی سمجھ کر فرمایا ہے۔ گو ہماری عقل و فہم کی رسائی وہاں تک نہیں ہوئی۔ تمنا صاحب نے اس حقیقت کو تسلیم کر کے کہ قرآن کا اتباع سنت صحیحہ رسول کا اتباع کر کے ہی ممکن ہے۔ حدیث مثلاً معہ کے ماننے والوں پر یہ اعتراض کیا ہے کہ مگر یہاں تو مراد ہی کچھ اور ہے۔ ہر حدیث مروی کو سنت قرار دے کر تمام حدیثوں کو حکم و وجوب عمل میں قرآن کا ہم پلہ بنانا ان کا مقصود ہے جیسا اس باب کی حدیثوں سے ظاہر ہے۔“

یہاں تمنا صاحب نے تعارف جاہلانہ سے کام لے کر عوام کو دھوکہ دینا چاہا ہے۔ وہ خوب جانتے ہیں کہ فقہاء و محدثین ہر گز حدیث کو قرآن کا ہم پلہ نہیں بناتے تمام

کتب اصول میں قرآن کو پہلے حجت مانا گیا ہے اس کے بعد سنت کو چنانچہ محدثین نے  
 حجت حدیث کے باب میں حضرت معاذ کی ایک حدیث روایت کی ہے۔ جس میں رسول  
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا تھا کیف تقضی؟ تم کس طرح فیصلہ کرو  
 گے؟ قال اقضی بما فی کتاب اللہ کہا میں کتاب اللہ سے فیصلہ کروں گا۔ قال فان  
 لم یکن فی کتاب اللہ؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اگر کوئی مسئلہ قرآن میں نہ  
 ہو (یعنی تم کو کتاب اللہ میں نہ ملے) قال فبسنة رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
 وسلم۔ کہا تو پھر میں سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کروں گا۔ قال ان لم  
 یکن فی سنة رسول اللہ حضور نے پوچھا اگر کوئی مسئلہ سنت رسول میں بھی نہ ہو (وہی  
 مطلب ہے کہ تم کو سنت رسول میں نہ ملے) قال اجتهد رایسی۔ کہا تو پھر میں اپنی عقل  
 سے اجتہاد کروں گا۔ قال الحمد لله الذی وفق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 حضور نے فرمایا اللہ کا شکر ہے کہ جس نے رسول اللہ کے قاصد کو توفیق خیر  
 دی (ترمذی۔ ابوداؤد۔ احمد۔ دارمی۔ بیہقی و صحیح ابن القیم فی زاد المعاد و قوی امرہ و قال انہ  
 مشہور عن معاذ) اس سے صاف ظاہر ہے کہ حدیث مثله معہ سے حدیث کو قرآن کا ہم پلہ  
 بنانا مقصود نہیں بلکہ قرآن کے بعد سنت کی طرف رجوع کرنے کا امر ہے۔

حضرات صحابہ کا طرز عمل یہی تھا۔ چنانچہ عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں۔

«اذا سئلتم عن شیء فانظروا فی کتاب اللہ فان لم  
 تجدوه فی کتاب اللہ ففی سنة رسول اللہ صلی اللہ  
 علیہ وسلم فان لم تجدوه فی سنة رسول اللہ فما  
 اجمع علیہ المسلمون فان لم یکن فیما اجتمع علیہ  
 المسلمون فاجتهد رأيک اخرجہ الدارمی و البیہقی و  
 رجالہ ثقات ونحوہ عن ابن عباس بسند صحیح عند

البیهقی و عن شریح فی کتاب عمر رضی اللہ عنہ عند الدارمی و رجالہ ثقات ۛۛۛ۔

”جب تم سے کوئی مسئلہ پوچھا جائے تو پہلے کتاب اللہ میں دیکھو اگر کتاب اللہ میں نہ پاؤ تو سنت رسول اللہ میں دیکھو اگر سنت رسول اللہ میں نہ پاؤ تو مسلمانوں کے اجماعی مسائل میں دیکھو اگر اجماعی مسائل میں بھی نہ ملے تو اپنی عقل و فہم سے اجتہاد کرو۔ اس کے رجال ثقہ ہیں اور عبد اللہ بن عباس سے بھی بسند صحیح اس کے موافق مروی ہے۔ حضرت عمرؓ نے شریح قاضی کے نام پر جو خط لکھا تھا۔ اس میں بھی ایسا ہی ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔“

ان ہی احادیث و آثار کو فقہاء نے کتب اصول میں بیان کر کے شرعی حجتوں میں یہی ترتیب بیان کی ہے کہ سب سے پہلے قرآن حجت ہے پھر حدیث رسول پھر اجماع امت پھر قیاس مجتہد۔

حدیث مثلاً معہ میں جو حدیث کو مثل قرآن کہا گیا ہے۔ تمنا صاحب خوب جانتے ہیں کہ تشبیہ میں عادات من کل وجہ نہیں ہوا کرتی کیا وہ نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اپنے نوری مثال چراغ کے نور سے دی ہے تو کیا چراغ کا نور حق تعالیٰ کے نور کے برابر ہو گیا؟ اللہ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مِثْلُ نُورِهِ کَمِشْکُوۃٍ فِیْہَا مِصْبَاحٌ اسی طرح ان حدیثوں میں حدیث کو مثل قرآن کہنے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ بالکل قرآن کی مثل ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب کوئی حکم قرآن میں تم کو نہ ملے اور سنت میں مل جائے تو سنت پر عمل کرنا واجب ہے یہ کہنا جائز نہیں کہ قرآن اس حکم سے ساقط ہے اس لئے ہم قرآن کے سوا اور کچھ نہ مانیں گے۔

تمنا صاحب کا یہ دعویٰ بھی غلط ہے کہ محدثین ہر حدیث مروی کو سنت قرار دے کر

واجب العمل قرار دیتے ہیں کیونکہ اگر محدثین نے ہر حدیث مروی کو واجب العمل قرار دیا ہوتا تو بخاری اور مسلم اور ابو عوانہ و ابن جارد اور حاکم و ابن المسکن وغیرہم کو صحیح حدیثیں جمع کرنے کی ضرورت نہ ہوتی اور ترمذی کو ہر حدیث کا درجہ بتلانے کی حاجت نہ ہوتی۔

ہر صاحب علم جانتا ہے کہ اخبار آحاد میں سے باب احکام میں صرف حدیث صحیح یا حسن کو واجب العمل سمجھا گیا ہے۔ اب حدیث صحیح اور سنت صحیحہ کا معیار معلوم کرنا باقی رہا۔ سو کتب اصول حدیث و اصول فقہ میں محدثین و فقہاء نے اس کا معیار روایت اور درایت دونوں کے اعتبار سے مفصل بیان کر دیا ہے۔ میں نے اپنی کتاب انہار المسکن مقدمہ اعلیٰ السنن میں حنفیہ کے اصول حدیث بیان کر دیئے ہیں۔ مولانا تمنا عمادی اپنے اصول بیان فرمائیں۔ حدیث کی صحت کے لئے یہ شرط تو سب کے نزدیک ہے کہ وہ کتاب اللہ کے خلاف نہ ہو مگر میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں اب پھر کہتا ہوں کہ اس باب میں زید و عمر کا قول قبول نہ کیا جائے گا۔

قرآن کے خلاف اس حدیث کو کہا جائے گا۔ جس کو فقہاء و محدثین نے خلاف سمجھا ہے کیونکہ وہ ہم سے آپ سے زیادہ قرآن و حدیث کو سمجھتے ہیں۔ اس کے بعد مولانا تمنا عمادی سے چند سوالات کے جوابات مطلوب ہیں۔

(۱) جس راوی کو کچھ لوگوں نے ثقہ کہا ہے۔ او بعض نے اس پر جرح کی ہے اور تعدیل و جرح دونوں مبہم ہیں۔ وہاں ترجیح کس کو ہوگی؟ کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ آپ ہر راوی کو جس میں کسی ایک نے بھی جرح کی ہے۔ مجروح قرار دیتے ہیں اس کے متعلق آپ کو اپنا اصول واضح کرنا چاہیے۔

(۲) اگر کسی روایت کے متعدد طرق ہوں تو کثرت طرق سے اس کو تقویت ہوگی یا نہیں؟ حدیث مشدّدہ کے متعلق آپ کو تسلیم ہے کہ بائیس طرق سے مروی ہے پھر بھی آپ کے نزدیک یہ حدیث ضعیف کی ضعیف ہی ہے حالانکہ محدثین و فقہاء کے

نزدیک حدیث حسن کثرت طرق سے صحیح لغیرہ ہو جاتی ہے اور حدیث ضعیف کثرت طرق سے حسن لغیرہ بن جاتی ہے۔ مگر آپ کے نزدیک کچھ بھی نہیں بنتی تو اس کے متعلق بھی اپنا اصول واضح کریں۔

(۳) جس راوی میں جرح مبہم بھی ہو اور تعدیل مفسر بھی وہاں آپ کس کو ترجیح دیں گے۔

(۴) قرآن اور سنت صحیحہ سے استنباط احکام کے اصول آپ کے نزدیک کیا ہیں؟

یا صاحب معارف القرآن کی طرح مولانا ابوالکلام آزاد کے ترجمہ اور تفسیر ہی کی مدد سے آپ قرآن کو سمجھتے ہیں؟ اگر استنباط احکام کے اصول وہی ہیں جو فقہاء نے بیان کئے ہیں تو اس کی تصریح کرنا چاہیے۔ اگر ان کے علاوہ کچھ اصول ہیں تو مع دلائل پیش فرمائیں۔

میں بتا چکا ہوں کہ حدیث مثلاً مع آیت وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ کے موافق ہے اور مَا فَرَطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ اور نَبَيَانَا لِكُلِّ شَيْءٍ کے ہرگز خلاف نہیں پھر اس کو ضعیف یا موضوع قرار دینا ہٹ دھرمی نہیں تو اور کیا ہے؟

ولكن هذا آخر الكلام في هذا المرام والعلم عند الله

الملك العلام والصلوة والسلام على سيد الانام سيدنا

محمد وآله واصحابه البررة الكرام الى يوم القيام و

بعده على الدوام والحمد لله رب العلمين.



صحابہ کرام  
رضو اللہ  
عنہم  
انسانیکلوپیڈیا

مؤلف  
ڈاکٹر ذوالفقار ظہیر

بیت العلوم

۲۰۔ نایبہ روڈ، پُرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۳۵۲۳۸۳

محمد عربی  
صلی اللہ علیہ وسلم  
انسائیکلو پیڈیا

مؤلف  
ڈاکٹر ذوالفقار کاظم

بیش العلوم

۲۰۔ ناچھہ روڈ، پرائی انارکلی لاہور۔ فون: ۵۲۲۸۳

انبیائے کرام  
انسائیکلو پیڈیا

مؤلف  
ڈاکٹر ذوالفقار نظام

بیت العلوم

۲۰۔ نابعہ روڈ، پرائی انارکلی لاہور۔ فون ۳۵۲۲۸۳

ازواج  
مطہرات و صحابیات  
انسائیکلو پیڈیا

مؤلف  
ڈاکٹر ذوالفقار عظیم

بیت العلوم

۲۰۔ ماہیہ روڈ، پرائیویٹ انارکلی لاہور۔ فون: ۳۵۲۳۸۳